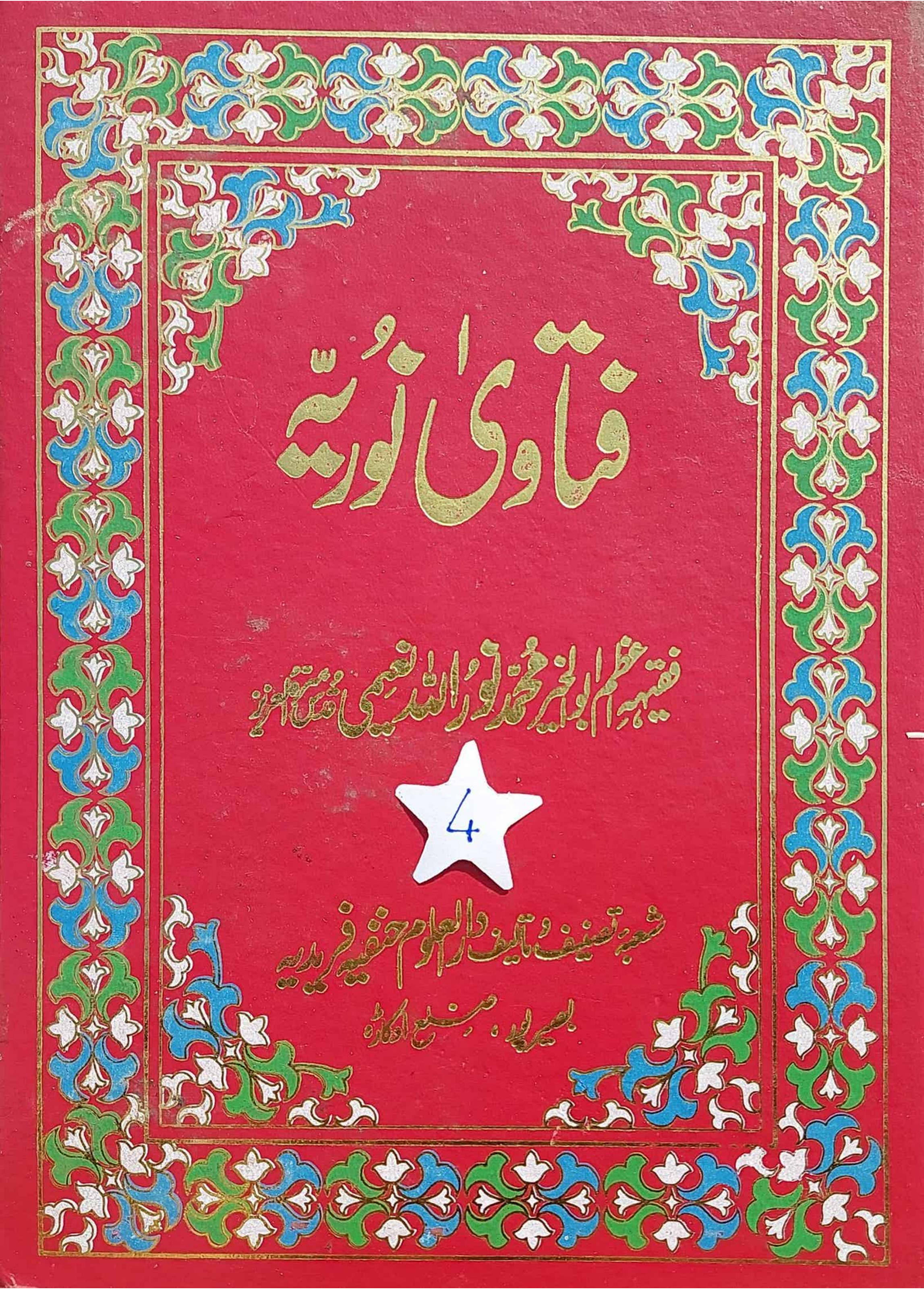
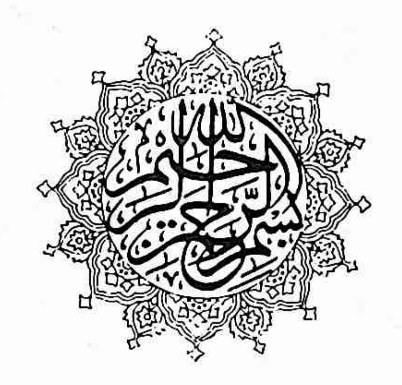
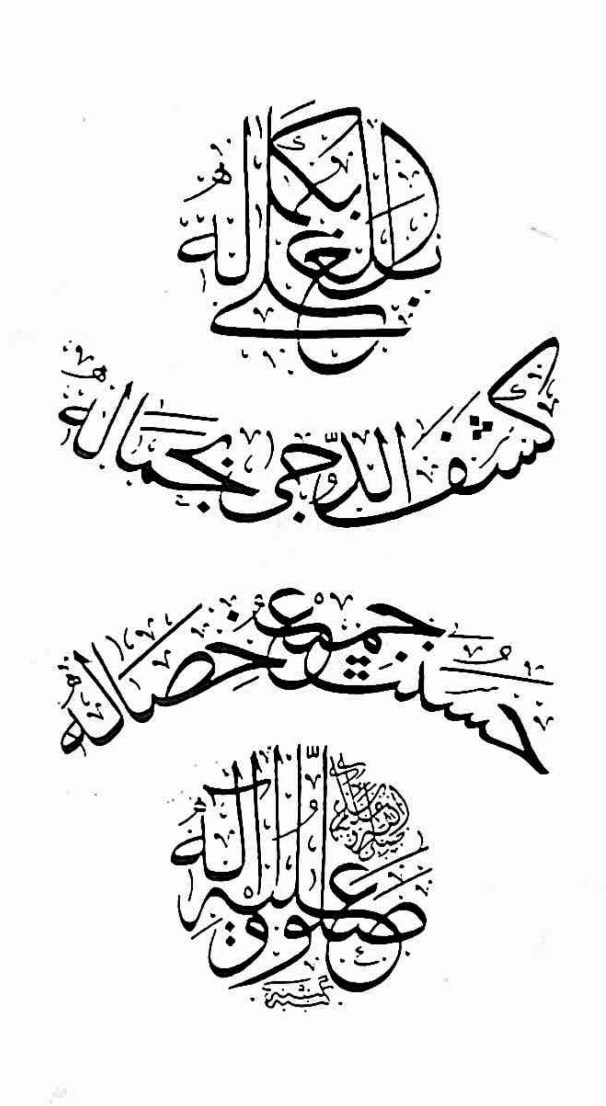

فتاویٰ نوریہ
فقیہ اعظم ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ العزیز
4
شعبہ تصنیف و تالیف دار العلوم حنفیہ فریدیہ
بصیر پور ۔ ضلع اوکاڑہ

فتاوی نوریہ


بسم الله الرحمن الرحيم

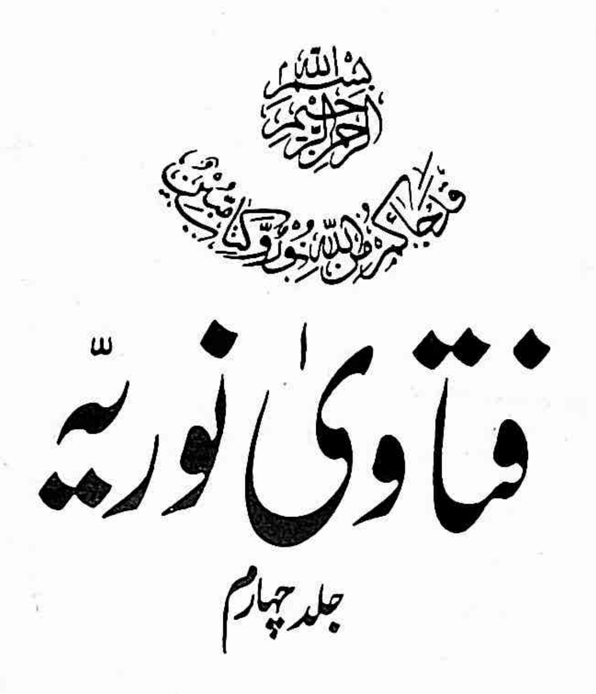

بلغ العلى بكماله
كشف الدجى بجماله
حسنت جميع خصاله
صلوا عليه وآله


الله نور السموات والأرض
مثل نوره كمشكاة فيها مصباح المصباح في زجاجة الزجاجة كأنها كوكب دري
يوقد من شجرة مباركة زيتونة لا شرقية ولا غربية يكاد زيتها يضيء ولو لم تمسسه نار نور على نور
يهدي الله لنوره من يشاء ويضرب الله الأمثال للناس والله بكل شيء عليم صدق الله العظيم
١٤٠١

يَسْتَفْتُونَكَ ط

قُلِ اللّٰهُ

يُفْتِيكُمْ



جلد چہارم

تصنیف

شیخ الحدیث فقیہِ اعظم مولانا الحاج ابو الخیر محمد نور اللہ صاحب النعیمی القادری علیہ الرحمۃ
بانی دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

ترتیب وتدوین

استاذ الفقہ والحدیث حضرت مولانا علامہ الحاج محمد محب اللہ صاحب نوری مدظلہ
مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

ناشر

شعبہ تصنیف وتالیف دار العلوم حنفیہ فریدیہ
بصیر پور، ضلع اوکاڑہ

کتاب ______ فتاویٰ نوریہ

جلد ______ چہارم

تصنیف ______ فقیہ اعظم مولانا ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی علیہ الرحمہ

ترتیب ______ (صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

اشاعت اول ______ جنوری 1990ء / جمادی الاخریٰ 1410ھ

اشاعت دوم ______ مئی 1998ء / محرم الحرام 1419ھ

صفحات ______ 616

مطبع ______ شرکت پرنٹنگ پریس، ۴۳ نسبت روڈ لاہور

ناشر ______ شعبہ تصنیف و تالیف دارالعلوم حنفیہ فریدیہ

______ بصیرپور شریف (اوکاڑہ) فون نمبر 71014 (04449)

قیمت ______ 300 روپے

نقش آغاز

حجۃ الاسلام سیدی حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کی شہرہ آفاق تصنیف "فتاویٰ نوریہ" کی چوتھی جلد عرصہ سے نایاب تھی، اب اللہ رب العزت (جل جلالہ و عم نوالہ) کے لطف و کرم اور اس کی توفیق و عنایت سے جدید ایڈیشن پیش خدمت ہے۔

پہلی تین جلدیں طہارت، نماز، مساجد، زکوۃ، عشر، رویت ہلال، روزہ، اعتکاف، حج، رضاعت، نکاح، طلاق، ظہار، ذبح، حلال و حرام جانور، قربانی، عقیقہ، تعزیر اور حظر و اباحت وغیرہ ابواب پر مشتمل ہیں —— جب کہ پانچویں اور چھٹی جلد میں عقائد، تفسیر، حدیث اور متفرق ابواب سے متعلق فتوے ہیں۔

زیر نظر جلد سرقہ (چوری)، دیت و قصاص، بیوع (خرید و فروخت)، ربٰو (سود)، رہن (گروی)، دعویٰ، ثبوت نسب، حق پرورش، وصیت اور فرائض (احکام میراث) وغیرہ مسائل سے متعلق اٹھارہ ابواب و کتب پر مشتمل ہے —— مجموعی طور پر اس جلد میں 190 استفتاءات شامل کیے گئے ہیں۔

بلاشبہ فتاویٰ نوریہ میں ہزاروں احکامات و جزئیات کی تفصیل موجود ہے۔
اس ایڈیشن میں سائز کی تبدیلی کے علاوہ ہر کتاب کے آغاز میں مختصر تعارف پیش



کیا گیا ہے' جس سے موضوع کے بارے میں ایک اجمالی خاکہ قاری کے ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

کتاب الفرائض میں چند ابواب کا اضافہ کر کے اس کی داخلی ترتیب کو بہتر بنایا گیا ہے' نیز آخر میں فہرست مآخذ و مراجع کے ساتھ آیات و احادیث کی فہرستوں کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے ـــــ جنہیں عزیزم مفتی محمد لطف اللہ نوری نے بڑی جانفشانی سے مرتب کیا ہے' پروفیسر خلیل احمد نوری (لاہور) نے صاحب فتاویٰ پر مضمون قلمبند کیا' مولانا حافظ محمد اسد اللہ نوری نے پروف ریڈنگ میں حصہ لیا' مولانا شاہ محمد چشتی نے کتابت کی' مولانا عزیز احمد نوری نے انہیں اس کام کے لئے مستعد رکھا' جب کہ عزیزم صاحبزادہ محمد فیض المصطفیٰ نوری نے کمپوزنگ' پیسٹنگ اور جملہ طباعتی امور بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیئے' مولانا محمد یوسف نوری (بھڈالوی) نے ان کا ہاتھ بٹایا ـــــ

اللہ تعالیٰ جل و علا جملہ معاونین کو اجر عظیم سے نوازے اور فتاویٰ نوریہ کے علمی و فقہی نور سے اہل ایمان کے قلوب و اذہان کو مستنیر فرمائے ـــــ

آمین بجاہ طٰہٰ و یٰس صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحبہ اجمعین

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

20 محرم الحرام 1419ھ

17 مئی 1998ء




فهرست


جلد چهارم
فتاوی نوریه



فهرست
کتب و ابواب









فہرست

مسائل فتاوی نوریہ

کتاب السرقہ



کتاب الدیہ و القصاص



کتاب البیوع





جلد چہارم
فتاویٰ



کتاب الربو







کتاب الرہن


جلد چہارم
فتاویٰ



کتاب الدعویٰ



باب ثبوت النسب





باب حضانہ الولد (حق پرورش)------ 237

کتاب الوصایا



کتاب الفرائض

باب ذوی الفروض









جلد چہارم
فتاویٰ نواب ثناء اللہ







باب العصبات------ 347









جلد چہارم
فتاویٰ



باب ذوی الارحام------- 393

باب العول------- 407







باب الرد------ 419

باب التصحیح------ 427





جلد چہارم
فتاویٰ




جلد چہارم
فتاویٰ





جلد چہارم
فتاویٰ



باب المناسخہ------505







جلد چہارم
فتاویٰ نواب









باب مسائل شتی (متفرقات)______587






جلد چہارم
فتاویٰ





فوائد و اصول افتاء





سیدی فقیه اعظم

عمرہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید برون

سیدی فقیہِ اعظم

پروفیسر خلیل احمد نوری



فقیہ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی قدس سرہ العزیز، ان اہل اللہ میں سے تھے جنہیں وراثت نبوت کے مرتبہ کمال پر فائز کر کے قیام حق اور ہدایت امت کا منصب عطا کیا جاتا ہے۔ جن کے وجود باجود سے اساطین علم وفن اور اکابر فضل وکمال کا ظہور ہوتا ہے۔ جو بدعات وسیئات کا قلع قمع کرتے ہیں اور اپنے تجدیدی کارناموں سے قائم لامر اللہ کا مقام حاصل کرتے ہیں۔

شیخ العرب والعجم حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ علوم وفنون کی متعدد شاخوں اور حقیقت ومعرفت کے لاتعداد شعبوں میں اپنا نظیر وعدیل نہیں رکھتے تھے۔ تفہیم دین متین، اعلیٰ اخلاق، معاملہ فہمی اور حسن اہتمام وانصرام میں ان کا کوئی سہیم وشریک نہ تھا۔ ان کا تن بدن اور روح وجاں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید محبت اور بے پناہ وارفتگی میں تحلیل ہو چکا تھا۔ عشق مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے



مقابلے میں نہ تو دنیوی تمتعات کی گنجائش اور نہ اہل وعیال کی محبت دم مار سکتی تھی۔ آپ خود فرماتے ہیں ؎

فداک اخوتی، امی، ابی، ابنائی، احبابی
ودادی ودی مرغوبی اغثنی یارسول اللہ (۱)

نیز فرمایا: ؎

از ہمہ اذکار ذکر شاہ دیں ما را الذ
از ہمہ افکار فکر مہ جبیں ما را الذ (۲)

اعاظم اہل سنت کی زبانوں پر آپ کا نام نامی نہایت عزت واحترام سے لیا جاتا تھا۔ آپ کے اساتذہ مولانا سید دیدار علی شاہ الوری، مولانا سید ابوالبرکات کے علاوہ معاصرین میں سے غازی کشمیر علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری، غزالی زمان حضرت سید احمد سعید شاہ کاظمی، حضرت مولانا عبدالغفور ہزاروی، حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ، مولانا عارف اللہ شاہ قادری، مولانا محمد بخش مسلم، مولانا عبدالمصطفیٰ ازہری نور اللہ مرقدھم اور استاذ العلماء مولانا عطاء محمد بندیالوی گولڑوی، مفتی محمد حسین نعیمی، شیخ الحدیث مولانا غلام رسول سعیدی، جسٹس پیر محمد کرم شاہ ازہری، مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا عبدالستار خاں نیازی، پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد دامت برکاتہم جیسے اہل علم وفضل نے نہ صرف ان کے گوناگوں اوصاف جمیلہ کی نشاندہی کی بلکہ بعض نے ان کے مجددانہ اور مجتہدانہ مقام کا برملا اعتراف بھی فرمایا ہے۔ استاذ الاساتذہ حضرت بندیالوی صاحب نے لکھا کہ ہر سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس امت کو مجدد عطا فرمایا جنہوں نے بدعات کا خاتمہ کرکے دین کی تجدید فرمائی اور

"علماء نے ان مجددین کی ایک علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ گزشتہ





صدی کے آخر اور آئندہ صدی کے اول میں ان کے علم و رشد و ہدایت کا شہرہ ہوتا ہے۔ حضرت علامہ ابوالخیر شیخ الحدیث فقیہ اعظم محمد نور اللہ صاحب قدس سرہ' میں یہ علامت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔" (۳)

حضرت سیدی فقیہ اعظم علیہ الرحمہ سے استفتاء کی صورت میں علمی استفادہ کرنے والوں میں ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والوں کا ہجوم رہا۔ ان سائلین میں ایسے عوام الناس بھی تھے جو کسی علمی شخصیت سے تخاطب کا درست ڈھنگ بھی نہیں جانتے تھے اور ایسے علم دوست خواص بھی جو صاحب فتاوی نوریہ کی خدمت میں استفتاء لکھتے وقت "محافظ شریعت' مجمع طریقت' منبع معرفت' ذوالعزت والاحتشام' سراپا قدس واحترام۔۔۔ فاضل اجل' مولانا الاکمل۔۔۔ علامہ زماں' بیہقی دوراں۔۔۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت۔۔۔ راس المفسرین' قطب عصر۔۔۔ اور۔۔۔ قبلہ وکعبہ' استاذ العلماء' محدث عرب وعجم" (۴) جیسے القاب لکھ کر بھی بچھے چلے جاتے تھے۔



آپ سے فتویٰ طلب کرنے والوں کی فہرست میں جہاں حکومتی عہدوں پر فائز بڑے بڑے آفیسروں اور جاگیرداروں اور وڈیروں کے نام شامل ہیں وہاں وکلاء' طلباء اور سکالروں کے علاوہ اجلہ علماء وفضلاء کے نام بھی موجود ہیں۔ مثلاً مولانا غلام مہر علی صاحب (چشتیاں شریف) صاحبزادہ فیض الحسن شاہ صاحب (آلو مہار) مفتی غلام محمود صاحب (جہلم) مولانا غلام علی اوکاڑوی صاحب' مولانا عبدالغفور ہزاروی صاحب' مولانا محمد شفیع اوکاڑوی صاحب (کراچی) مولانا غلام معین الدین صاحب (لاہور) مولانا عبدالکریم صاحب (بنگلہ دیش) مولانا محمد کمال الدین صاحب (بنگلہ دیش) مولانا غلام رسول اشرفی صاحب' مولانا ابوالوفاء منظور احمد صاحب' مولانا سید مراتب علی شاہ صاحب' جسٹس مفتی سید شجاعت علی قادری سابق جج



وفاقی شرعی عدالت، سید اختر حسین جماعتی علی پور سیداں اور مولانا سعید احمد اسعد صاحب (فیصل آباد) وغیرہم۔

علم وادب کے شناور اور نباض عصر حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب مدظلہ، نے لندن سے آمدہ دو استفتاء حضرت فقیہ اعظم کی خدمت میں ارسال فرمائے تاکہ آپ ان پر اپنی رائے کا اظہار فرمائیں۔(۵) حضرت پیر صاحب مدظلہ، نے ایک سے زائد مرتبہ حضرت صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری صاحب کو فرمایا کہ میں خود فتاویٰ نوریہ سے استفادہ کرتا ہوں۔ اور اس بات کے بہت سے شواہد موجود ہیں کہ دور حاضر کے مفتیان اہل سنت (زید مجدہم) فتویٰ نویسی کے مراحل میں فتاویٰ نوریہ کو پیش نظر رکھنا ناگزیر سمجھتے ہیں۔ یہ امر جہاں ان کی وسعت قلبی، کشادہ ظرفی اور علم دوستی کا بین ثبوت ہے وہاں صاحب فتاویٰ نوریہ کی علمی عظمت اور فقہی و اجتہادی بصیرت کا اعتراف بھی ہے۔



حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ سے استفتاء کے ضمن میں فیض یافتگان کا دائرہ پاکستان تک ہی محدود نہ تھا بلکہ اٹاوہ، لندن، سعودی عرب، ناروے، بنگلہ دیش جیسے اسلامی و غیر اسلامی ممالک میں بسنے والے مسلمان بھی اس چشمہ علم و معرفت سے مستفیض ہوتے رہے۔ اس طرح اندرون ملک سے مختلف انجمنوں، سوسائٹیوں، تنظیموں اور مدارس کی معرفت بھی استفتاء آتے رہے۔ مثلاً جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی (۶)، انجمن حزب الاحناف لاہور (۷)، جامعہ نعیمیہ کراچی (۸)، مدرسہ امینیہ رضویہ لائل پور (۹)، رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ (۱۰)، ماہنامہ سالک راولپنڈی (۱۱)، ماہنامہ نور و ظہور قصور (۱۲) جمعیت علماء پاکستان (۱۳)، ماہنامہ نوری کرن بریلی (۱۴)، نور المدارس منڈی یزمان (۱۵) وغیرہ۔

فتاویٰ نوریہ کا ہر جلد تقریباً چھ سو مسائل کا احاطہ کرتا ہے۔ اس طرح چھ



جلدوں میں تقریباً چھتیس سو مسائل پر آپ کی بصیرت افروز اور مجتہدانہ رائے موجود ہے اور وہ فتاویٰ جو دارالافتاء کے کاتب کی عدم فرصت اور عدم توجہی کے باعث ریکارڈ میں محفوظ نہ رکھے جاسکے ان کی تعداد بھی ہزاروں سے کم نہیں۔ آج بھی اگر ملک کی مختلف عدالتوں کے سابقہ ریکارڈ اور متعدد اہم مقدمات کی فائلوں کو کھنگالا اور مطالعہ کیا جائے تو صاحب فتاویٰ نوریہ کے متعدد فتویٰ جات تلاش کئے جاسکتے ہیں۔



ماضی قریب کے علماء نے مسائل نو کو سمجھنے اور ان کے حل کی سبیل پیدا کرنے کی طرف کوئی توجہ نہ دی جس کے نتیجے میں نئی نسل دین اسلام سے برگشتہ اور متنفر دکھائی دینے لگی۔ عصر حاضر میں اس جانب پیش رفت ہوئی۔ علماء اہل سنت میں پیر محمد کرم شاہ، علامہ غلام رسول سعیدی اور علامہ ڈاکٹر پروفیسر محمد طاہر القادری جیسے مقتدر فضلاء اور اہل بصیرت نے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اس چیلنج کو قبول کیا ہے۔۔۔۔ حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ نے آج سے تقریباً چالیس برس پہلے ہی اس نزاکت کا احساس کر لیا تھا چنانچہ فتاویٰ نوریہ میں جہاں عبادات، اخلاقیات اور معاملات پر قابل مطالعہ فتاویٰ موجود ہیں وہاں سائنس اور ٹیکنالوجی کے پیدا کردہ مسائل پر بھی آپ کی مجتہدانہ رائے موجود ہے۔۔۔۔ نماز میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال، رویت ہلال، تعلیم کتابت نسواں، روزے میں انجکشن لگوانا، ریل یا طیارے میں ادائیگی نماز، زخمیوں کو خون کی منتقلی، انگریزی و ہومیو پیتھی ادویات کا استعمال اور فوٹو گرافی جیسے اہم مسائل پر آج کے علماء نے طوعاً و کرہاً خاموشی اختیار کر لی ہے اور عملاً جواز کا فتویٰ دے دیا ہے مگر حضرت فقیہ اعظم نے اس وقت ان پر کھل کر بحث کی اور دلائل و براہین سے ان کے جواز پر فتویٰ دیا جب علماء انگشت بدنداں تھے اور ان مفید عام اشیاء کے جواز پر منفی رد عمل ظاہر کر رہے تھے۔



برادر مکرم راجا رشید محمود نے سہ ماہی فروزاں (پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ) لاہور میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"آج کل ہوائی جہاز اور ریل میں نماز، رویت ہلال، انتقال خون، بینکاری، انشورنس، انعامی بانڈ اور دوسرے بہت سے ایسے مسائل سامنے ہیں اور ان میں عوام کی رہنمائی کا فریضہ ایسا جید عالم دین ہی ادا کر سکتا ہے جسے صلاحیت اجتہاد عطا کی گئی ہو۔ اس قسم کے جدید مسائل کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد مولانا نور اللہ نعیمی نے اپنی مجتہدانہ رائے کا اظہار کیا جن سے ہر چند بعض حلقوں اور علماء کی طرف سے اختلاف بھی کیا گیا لیکن اختلاف کرنے والے علماء بھی مولانا نور اللہ کی جلالت علمی، جودت طبع، دقت نظر اور فقاہت کے قائل ہیں۔" (۱۶)



اور روزنامہ "وفاق" نے رقم کیا ہے:

"ان فتاویٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے مصنف مقتدر عالم ہیں اور دور حاضر کے معاملات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ انہوں نے تمام مسائل کو شرع متین کی رہنمائی کے ساتھ ساتھ عقلی دلائل و براہین سے بھی حل کیا ہے۔" (۱۷)

مسائل اقتصادی اور معاشی ہوں یا معاشرتی، سیاسی ہوں یا مذہبی اور ملکی، صاحب فتاویٰ نوریہ کا قلم اشہب اپنے لازوال نقوش چھوڑتا چلا جاتا ہے۔

روزنامہ "نوائے وقت" کے صفحات کہتے ہیں:

"دور جدید میں بڑھتے ہوئے مسائل اور پھیلتی ہوئی الجھنوں کے دائرے میں یہ کتاب معلوماتی ہے اور کئی عقدوں کو وا کرنے کا باعث ہو سکتی ہے۔" (۱۸)



شیخ الحدیث حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کی فتویٰ نویسی برصغیر میں ایک انوکھا اور منفرد واقعہ ہے۔ امام اہل سنت مولانا احمد رضا خان بریلوی کے بعد تحقیق و تدقیق، عمیق مشاہدے اور حوالہ جات کی بہتات کی بناء پر علم و فن کی دنیا میں شاید ہی کوئی شخصیت دکھائی دے۔ اس حقیقت کا انکار دن کو رات کہنے کے مترادف ہو گا کہ پوری تاریخ فتاویٰ میں فتاویٰ رضویہ کے بعد اس فتاویٰ کی نظیر و مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔۔۔ فتاویٰ نوریہ میں قدرت بیاں اور اردو ادب کی انوکھی اور متعدد مثالیں بھی موجود ہیں۔ انداز بیاں عمومی طور پر علمی وجاہت سے لبریز ہے مگر کئی صفحات سہل بیانی کی مثالیں بھی پیش کرتے ہیں۔ ایک چیز جو ابتداء سے آخر تک برقرار رہی ہے وہ اس میں دیئے گئے دلائل و براہین کا دل و دماغ کو اپیل کرنا ہے۔ تفکر و تدبر کی جا بجا راہیں دکھائی گئی ہیں اور عقل و خرد کو کام میں لانے کے لئے قاری کو بار بار متوجہ کیا گیا ہے۔



روزنامہ "مشرق" نے فتاویٰ نوریہ کی اسی خوبی کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "اس دور میں فقہی مسائل کے اس حل کی شدید ضرورت تھی جو شریعت مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے ساتھ ساتھ عقلیات کو بھی اپیل کرتا ہو۔ اس فتاویٰ نے نہایت دلکش انداز میں اس اہم ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔" (۱۹)

اس صدی کے عظیم مجدد اور فقیہ اعظم پاکستان نے فتاویٰ نوریہ کی صورت میں جو علمی و تحقیقی خدمت سرانجام دی ہے اس پر تو کوئی دوسری رائے نہیں ہو سکتی مگر ان کا یہ احسان بھی کچھ کم نہیں کہ انہوں نے ان فتاویٰ کے ذریعے ایک بہت بڑی اور خالص معاشرتی خدمت بھی انجام دی ہے۔ فتاویٰ کا ہر ہر ورق معاشرتی الجھنوں اور خاندانی پیچیدگیوں کا حل بتاتا ہے۔ مرد اور عورت کا ازدواجی

تعلق اسلامی معاشرے کا سنگ میل ہے۔ اس ادارے کی بربادی سے معاشرتی زندگی کی دیواروں میں دراڑیں پڑتی ہیں، خاندانوں میں خلیجیں پیدا ہوتی ہیں جس سے ایک نہیں سینکڑوں برائیاں جنم لیتی ہیں۔ صاحب فتاویٰ نوریہ نے اپنے علم و فن اور قلم کی پوری قوت کو اس ادارے کو آباد کرنے اور معاشرے کے اس اہم یونٹ کو بحال کرنے میں صرف کی اور اس ضمن میں پائی جانے والی بدعنوانیوں اور بے ضابطگیوں کے خلاف جہاد کیا۔

فتاویٰ کے صفحہ 434 جلد 2 پر ایک ایسے شخص کے بارے میں استفتاء ہے جس نے لوگوں کے سمجھانے کے باوجود جلب زر اور جھوٹی انا کی خاطر اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح گونگے، بہرے اور ناکارہ شخص کے ساتھ کر دیا ہے، لڑکی بھی راضی نہیں ہے۔ حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ نے اس استفتاء کا جواب دیتے ہوئے معاشرے کے اندر اس بڑھتے ہوئے ناسور پر کرب و دکھ کے ساتھ تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:



"ایسے غلط ناتے اور بے جوڑ رشتے سراسر باعث تکلیف و نقصان اور محض وبال جان، عمر بھر کے لئے لاعلاج مرض اور سوہان مزاج ہوا کرتے ہیں۔۔۔"

مذکورہ شخص کے گھناؤنے کردار پر اظہار ناراضگی کرتے ہوئے فرمایا:

"خویش و اقارب و دیگر بہی خواہ مشورہ دیتے رہے، سمجھاتے رہے مگر اس نے نہ مانتے ہوئے سراسر سفاہت و طمع زر اور پھر حمیت جاہلیت و نام نہاد زبان برادری کے لحاظ سے نکاح کر دیا۔"

اسلام نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ جب وہ عاقلہ، بالغہ اور آزاد ہو تو اپنا نکاح جہاں چاہے کر سکتی ہے اس لئے بوقت نکاح ان کی رضامندی ضروری ہوا کرتی ہے مگر ظالم سماج نے ان سے یہ حق چھین لیا ہے۔ اس سلسلے میں کئی استفتاءات



صاحب فتاویٰ نوریہ کی خدمت میں پیش ہوئے۔ ایک ایسا ہی استفتاء (۲۰) پیش کیا گیا کہ ایک شخص کی بیٹی نے باپ کے رویے سے تنگ آکر پچیس برس کی عمر میں فرار ہو کر نکاح کر لیا۔ باپ نے اس نکاح کو تسلیم نہ کیا اور بعض علماء نے بھی اس نکاح کو باطل قرار دیا۔۔۔۔ اس کا جواب دیتے ہوئے یوں ابتداء کی:

"اسلام نے جہاں جہان والوں کو جبر و استبداد کے آہنی پنجوں سے نجات دلائی وہاں مظلوم عورت کو بھی مظالم سے آزادی عطا فرمائی۔"



اس کے بعد قرآن و حدیث کے متعدد حوالہ جات سے عورت کے اس حق میں دلائل دیئے اور معاشرے کی اس برائی پر برہمی کا اظہار فرمایا اور آخر میں نام نہاد علماء اور مفتیان کرام جنہوں نے مذکورہ نکاح کو باطل قرار دیا تھا' کے رویے پر افسوس کا اظہار فرماتے ہوئے لکھا:

"کاش! ہمارے مہربان نزاکت زمانہ کو ملحوظ فرماتے ہوئے ایسی حرکات سے باز آتے حالانکہ صورت مذکورہ میں تو سلمٰی کا باپ بکر ولی ہونے کے قابل ہی نہیں کہ اس نے فرمان خداوندی اوفوا بالعقود کی خلاف ورزی کی اور انکحوا الایامی منکم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پچیس برس تک لڑکی کو مقید رکھا اور مشکوۃ شریف کی حدیث مرفوع میں تورات شریف سے منقول ہے کہ جس شخص کی لڑکی بارہ سال کو پہنچے تو اس لڑکی سے جو گناہ ہو وہ باپ پر ہے اور اس ظالم نے بارہ اور بارہ' چوبیس سال سے بھی ایک سال زائد مقید رکھا' آخر لڑکی نے ناراض ہو کر راہ فرار اختیار کیا۔"

اس سلسلے میں دوسرا پہلو بھی آپ کے ذہن رسا سے اوجھل نہیں رہ سکتا تھا چنانچہ بالغ لڑکی کے لئے اچھی تجویز دی اور فرمایا:

"البتہ بہترین صورت یہی ہے کہ اپنے والد اور والدہ کی وساطت سے غور و خوض کرے کہ بے حیائی کی طرف منسوب نہ ہو۔" (۲۱)

دور حاضر میں مادیت کی چکاچوند نے اخوت و بھائی چارے پر کاری ضرب لگائی ہے۔ مال و دولت کی بہتات نے رشتوں کے احترام اور محبتوں کو ذبح کر کے رکھ دیا ہے۔ اپنائیت رخصت ہو چکی ہے، اسلامی قدروں کو پامال کیا جارہا ہے۔ ایسی ایسی روح فرسا خبریں پڑھنے اور سننے کو ملتی ہیں جس سے قلب و دماغ جل اٹھتے ہیں--- جاہل مگر بااثر لوگوں کے ہاتھوں سرزد ہونے والے ایسے دلخراش اور جان لیوا واقعات پر فتویٰ پوچھا جاتا تو حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ تلملا اٹھتے۔ معاشرے کے ستم رسیدہ اور مظلوم لوگوں کے پژمردہ چہرے ان کی نظروں میں گھوم جاتے، قلم میں سختی آجاتی اور پھر کبھی اسلامی شعائر کی پامالی کے مرتکب افراد کو کوستے اور کبھی قرآن و سنت کے قوانین اور احکام کو نفسانی خواہشات کی بھینٹ چڑھانے والوں پر برستے۔



طلاق کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے آخر میں قرآن و سنت کے حکم کی قطعیت کو بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ قرآن کریم کا اور احادیث شریفہ کا متفقہ فیصلہ اور فتویٰ ہے۔ روئے زمین کی تمام شیطانی طاقتیں اپنے پورے پورے انتظام سے مقابلہ کریں اور چاہیں کہ اس فیصلہ کو اٹھا یا بدلا دیں تو قطعا یقیناً یہ نہ بدل سکتا ہے، نہ اٹھ سکتا ہے--- حضرت رب العالمین کا فرمان مبین ہے وما کان لمومن ولا مومنہ اذا قضی اللہ و رسولہ امرا ان یکون لھم الخیرہ من امرھم ومن یعص اللہ و رسولہ فقد ضل ضلالا مبینا (۲۲)



قرآن و سنت کے مقرر کردہ حدود و تعزیرات کو جس طرح عدم نفاذ کا سامنا ہے اور جس حد تک اسلامی قوانین کی معطلی پر یہاں کے حکمرانوں کا عمل دخل ہے وہ سب کے سامنے عیاں ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ اس اغماض نظر نے طاغوتی اور شیطانی طاقتوں کو ایسا خود سر بنا دیا ہے کہ وہ معاشرے کو بھوکے کتوں کی طرح بھنبھوڑ رہی ہیں۔ شر و فساد نے پر امن شہریوں اور شریف النفس لوگوں کا جینا دوبھر کر دیا ہے--- ظاہر ہے حضرت فقیہ اعظم جیسی صاحب درد اور غم خوار شخصیت اس پر کیسے خاموش رہ سکتی تھی۔ نجی محفلوں، وعظ و تقاریر کی مجالس اور جمعہ کے خطبات میں بھی انہوں نے حکمرانوں کی اس کوتاہی کا برملا اظہار کیا اور پھر اسمبلی میں پہنچ کر باقاعدہ قانونی جنگ لڑنے کی بھی کوشش کی--- تاہم جب کبھی ایسے سوالات آتے جن میں قوانین الٰہیہ اور احکام رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی بالادستی کو تار تار کرتے ہوئے ہوائے نفس کی پیروی کرنے والوں کی سنگینی کا تذکرہ ہوتا اور ایسے بدکردار لوگوں کے خلاف تعزیر اور سزا پوچھی جاتی تو آپ کا رد عمل اس طرح کا ہوتا:



"باقی رہی تعزیر تو وہ بہت بڑی سخت ہے مگر جب کوئی لگانے والا ہی نہیں تو لکھنے کا کیا معنی؟ اس دور آزادی و بے باکی میں کیا کیا جائے؟--- والی اللہ المشتکی وھو المستعان وعلیہ التکلان---(۲۳)

ایک مرتبہ حرام گوشت بیچنے والے دو مردوں اور ایک عورت کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے سائل کو لکھا:

"اب تک چونکہ پاکستان میں اسلامی قوانین جاری نہیں ہوئے لہٰذا ہم پوری سزا نہیں دے سکتے۔ بناء علیہ آپ اپنے اختیارات کی رو سے



جتنی سخت سے سخت سزا اسے دے سکتے ہیں ' دیں اور اخلاقی دباؤ سے اسے مجبور کیا جائے کہ صحیح معنوں میں توبہ کرے اور اہل اسلام سے گڑگڑا کر معافی طلب کرے اور اس عورت اور تیسرے مرد کو بھی توبہ کرائی جائے اور سخت تنبیہ کی جائے کہ آئندہ ایسی بری حرکت نہ کرے۔" (۲۴)

ایک موقع پر گستاخ رسول کی سزا دریافت کی گئی تو متعدد کتب کے حوالہ جات اور دلائل لکھنے کے بعد فرمایا:

"ان سب عبارات کا حاصل یہ ہے کہ شہنشاہ کون و مکان ' حبیب رب رحمٰن ' محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان پاک میں نازیبا الفاظ اور گالی بکنے والا انسان تمام مسلمانوں کے نزدیک کافر ہے اور کافر بھی ایسا سخت کہ جو اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہو جاتا ہے اور اس کی سزا یہ ہے کہ حاکم اسلام اسے قتل کر دے۔ یہ سزا اسلامی حکومت کا فرض ہے ' عوام الناس کا کام نہیں۔ البتہ اپنا پورا پورا اثر و رسوخ اور آئینی ذرائع سے ایسے شخص کو مجبور کر کے تائب بنانا اور اصلاح کرنا ہر ایک مسلمان کا حق ہے اور ایمان کا تقاضا ہے نیز یہ بھی حق ہے کہ حکومت کو متوجہ کیا جائے کہ ایسے بدخواہان ملک و ملت کے لئے شرعی سزائیں لگائے اور پاکستان کے پاک وجود کو ایسے گندے اور ناپسند عناصر سے پاک فرمائے۔" (۲۵)



غرضیکہ فتاویٰ نوریہ میں معاشرتی مسائل کا انبار ہے اور لاینحل عقدوں کی بھرمار ہے۔ حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز ان عقدوں کو اپنے ناخن تدبیر ' تبحر علمی ' سلیقہ شعاری ' دردمندی اور خیرخواہی کے جذبے کے ساتھ کھولتے چلے جاتے



ہیں۔ روزنامہ امروز نے اس جانب اشارہ کیا ہے:

(اس فتاوی میں) "فقہ حنفی کے مطابق جدید معاشرہ کے ضروری سوالات کا جواب اور مسائل کا حل پیش کیا گیا ہے۔" (۲۶)

تحقیق و تدقیق اور تجسس و تعمق حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کی عادت ثانیہ بن چکی تھی۔ راتوں کو بیدار رہ کر کتب بینی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ بعض اوقات ایک نشست میں پوری کتاب ختم کر ڈالتے۔ ایک مرتبہ علی الصبح درس بخاری شریف سے قبل حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمۃ کے حالات زندگی پر مشتمل کتاب (اشرف المومنین) پیش کی گئی۔ غالباً یونہی ورق گردانی کے ارادے سے کھولی تو پڑھتے ہی چلے گئے۔ ایسے میں رقت کی وجہ سے آنسوؤں کی بارش کا جو سیلاب تھا وہ ایک الگ بحث ہے مگر یہاں جو بات قابل غور ہے وہ یہ کہ جب تک کتاب کو ختم نہیں کر ڈالا' سر اٹھانا بھی گوارا نہیں کیا۔۔۔۔ اچھی کتاب کی طلب میں بڑی بے تابی اور اضطراب کا مظاہرہ فرماتے۔ ایک بار پروفیسر محمد طاہر القادری کی تسمیۃ القرآن پر پیر محمد کرم شاہ مدظلہ کا تعارفی مقالہ نور الحبیب میں چھپا۔ آپ کی نظر سے گزرا تو راقم کو بلا کر تسمیۃ القرآن طلب کی۔ عدم دستیابی پر ملال ہوا اور فرمایا کہ جب لاہور جاؤ تو پہلی فرصت میں یہ کتاب خرید لینا۔"



آپ عالی ظرفی اور کشادہ دلی کی بناء پر کھلے دل و دماغ کے ساتھ مکتب فکر اور گروہ بندیوں کی پابندی سے آزاد ہو کر مطالعہ فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے مسلک پر عمل پیرا ہونے اور سختی سے موید ہونے کے باوجود منفی طرز فکر نہیں اپناتے تھے۔ مثبت اور ٹھوس بنیادوں پر دین متین کے اصولوں اور فروعات کی محافظت فرماتے۔ تقریر و تحریر کے ذریعے انتشار' بدامنی اور فساد فی الارض کے رویوں سے نفرت تھی۔ افراط و تفریط سے ہٹ کر مسلک کا دفاع فرماتے اور دین حق کی



سربلندی کے لئے کوشاں رہتے۔ احقاق حق اور ابطال باطل میں کبھی کسی مصلحت و رواداری کو آڑے نہ آنے دیا۔

حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ نے پوری زندگی درس و تدریس میں گزار دی۔ گفتگو میں کبھی مزاح کا پہلو ہوتا تو خود بھی حظ اٹھاتے اور دوسروں کو بھی محظوظ ہونے کا موقعہ فراہم کرتے اس کے علاوہ جسمانی و ذہنی تفریح، جس پر اسلام میں نہ صرف کوئی قدغن نہیں ہے بلکہ ولنفسک علیک حق کی بنا پر راحت و سکون جسم و جاں کے لئے ضروری بھی ہے مگر اہل اللہ اور خواص امت کی پیروی میں حضرت فقیہ اعظم نے اپنے آپ کو اس حق سے بھی دستبردار کر لیا تھا۔ انہوں نے اپنے جملہ معمولات کو ایک نظام الاوقات کے تحت ترتیب دے رکھا تھا جس میں فراغت کی کوئی گنجائش موجود نہیں تھی۔ آپ بہت مختصر گفتگو فرماتے جو جامعیت کے تقاضوں پر بھی پوری اترتی اور وقت کا ضیاع بھی نہ ہوتا۔



اس کے باوجود آپ کے مریدین و متوسلین کا بے کراں ہجوم طلب فیض کے لئے بے قرار رہتا مگر نہ تو خود طویل وظیفوں اور چلوں میں الجھتے اور نہ معتقدین اور ارادت مندوں کو اس طرف ترغیب دیتے --- وہ اپنے قول و کردار کے سچے بھی تھے اور فولاد کی طرح پکے بھی --- منافقت اور دو رخے پن نے ان کی طبیعت کو کبھی چھوا بھی نہ تھا۔ قول و فعل کی ہم آہنگی میں وہ بلاشبہ و ریب اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے تھے --- بے پناہ عظمتوں اور علمی رفعتوں کے باوجود انکساری اور فروتنی کو طرۂ امتیاز بنائے رکھا اور کبھی غرور و تکبر سے مغلوب نہ ہوئے --- برادر مکرم راجا رشید محمود ایڈیٹر ماہنامہ "نعت" لاہور کا یہ تبصرہ کتنا ایمان افروز اور حقیقت کے قریب ہے:

"انہیں اپنے مقام و مرتبے کا ہوکا نہیں تھا۔ انہیں خداوند کریم



نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے طفیل عزت و تکریم کی رفعتوں سے شناسا رکھا لیکن انہوں نے اپنی عظمتوں کو کبھی غرور اور تکبر کی عینک سے نہیں دیکھا۔" (۲۷)

حضرت شیخ العرب والعجم قدس سرہ کو سادہ طرز زندگی سے عشق تھا۔ عام بات چیت سے لے کر عمل و کردار کے ہر پہلو تک، وعظ و تقریر سے لے کر درس و تدریس تک اور مہمان نوازی سے لے کر معاملات زندگی تک انہوں نے کبھی کھوکھلے پن یا تصنع اور بناوٹ کا مظاہرہ نہ فرمایا۔ ان کی کتاب زندگی ان سب واہیات اور رذائل سے بالکل صاف و شفاف اور اجلی اجلی تھی۔ سادہ لباس میں ملبوس دکھائی دیتے اور اس میں پروقار نظر آتے۔ کسی بڑے کی آمد پر بن سنور کر بیٹھنے کا تکلف کبھی گوارا نہ کیا۔ لائق احترام شخصیات سے پروقار انداز میں پیش آتے مگر کسی کی فراوانی دولت، ظاہری شان و شوکت یا عہدہ و منصب ان کی خودداری اور عزت نفس کو نیچا نہیں دکھا سکتا تھا۔۔۔۔ اس کے باوجود کہ آپ ایسے علاقے کے باسی تھے جہاں اس ترقی یافتہ دور میں بھی جاگیرداری اور وڈیرا سسٹم اپنی تمام تر خرافات کے ساتھ نہ صرف رائج ہے بلکہ روز بروز مضبوط و مستحکم ہوتا جارہا ہے، آپ اپنی انا اور خودداری کو علاقائی مصلحتوں پر قربان کرنے پر کبھی تیار نہ ہوئے۔ انہوں نے بڑے بڑے اصحاب طنطنہ کو خاطر میں لانا کبھی گوارا نہ فرمایا۔ متعدد نازک مواقع پر آپ نے استقامت و استقلال اور توکل علی اللہ کا ایسا لاجواب و لازوال مظاہرہ فرمایا کہ جبروتی اور طاغوتی قوتیں اپنا سامنہ لے کر رہ گئیں۔



حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ ایسے متبع سنت تھے کہ جس طور پر بھی ناقدانہ نگاہ ڈالی جاتی ان کا کردار سنت نبوی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کا عکاس ہی دکھائی دیتا۔۔۔۔ یہ کہہ دینا تو بہت آسان ہے کہ فلاں شخص کا اٹھنا، بیٹھنا، سونا جاگنا اور



چلنا پھرنا سنت نبوی کا آئینہ دار ہے مگر حقیقت کی دنیا میں یہ مقام بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ واقعات زمانہ اور معاملات زندگی ہر قدم پر دامن پکڑتے اور چیلنج کرتے ہیں مگر ہم نے آٹھ برس تک ان کی نجی، معاشرتی اور معاملاتی زندگی کو بہر طور اور ہزار پہلو سے دیکھا، پرکھا اور جانچا مگر کبھی سنت مصطفوی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) سے انچ برابر ہٹا ہوا نہ پایا۔ جب کبھی طبقہ علماء میں بیٹھتے تو ناقدین عمل و کردار اور اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حوالے سے سب کا تجزیہ کرتے۔ حضرت سیدی کی نشست و برخاست کا ہر پہلو سنت کے آئینے میں ڈھلا ہوا دکھائی دیتا۔



درس و تدریس اور تحقیق کا کام یکسوئی اور کامل توجہ کا متقاضی ہے اس بناء پر حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ نے عملی سیاست سے اجتناب فرمائے رکھا مگر جب کبھی ملک و قوم کو ان کی ضرورت پڑی، ہراول دستے میں دکھائی دیتے۔ تحریک ختم نبوت 1953ء میں کئی ماہ جیل کی صعوبتوں کو برداشت کیا مگر جبیں پر شکن نہ پڑی۔ 1974ء کی تحریک ختم نبوت میں جلسے جلوسوں اور تحریر و تقریر سے پوری قوت اور تمام توانائیوں کے ساتھ قیادت کا فریضہ انجام دیا۔ 1977ء میں عملی سیاست میں پہلی بار قدم رکھا اور پھر صاف ستھری اور فریب و دھوکہ دہی سے پاک اور مقدس سیاست کا ایک انوکھا اور سنہری باب رقم فرمایا۔ گویا سیاست کو بھی عبادت سمجھ کر انجام دیا۔ تحریک نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں ایک بار پھر جیل کی چار دیواری کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا اور سنت یوسفی پر عمل کرتے ہوئے قیدیوں کو اعلیٰ اخلاق اور اعمال صالحہ کی تربیت دی۔

حضرت فقیہ اعظم نور اللہ مرقدہ کی ذات میں خشیت الٰہیہ کا رنگ بہت غالب اور نمایاں تھا۔ اس سلسلے میں وہ اسلاف کی کامل اور مکمل تصویر نظر آتے۔ درس

حدیث ہو یا درس قرآن، نماز کی ادائیگی کا مرحلہ ہو یا حرمین شریفین کی روانگی کا، بظاہر معمولی بات ہوتی مگر اس کی تاثیر ان کے جذبات میں تلاطم بپا کر دیتی۔ ان کے وجود میں وہ لرزہ دکھائی دیتا کہ "مرغ بسمل" اور "ماہی بے آب" کے سے محاورے اس منظر کی حقیقی تصویر کشی میں بے بس دکھائی دیتے۔ خاص طور پر عشق مصطفوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ان کی روح و جان کا ظرف لبالب لبریز دکھائی دیتا وہ سگ دربار نبوی ہونے میں فخر و مباہات کرتے اور مسافر مدینہ طیبہ بن کر جس قدر مسرت ہوتی، کبھی ایسی خوشی کسی اور موقع پر دکھائی نہ دی۔



غرضیکہ فقیہ اعظم پاکستان، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اعلیٰ اوصاف اور اخلاق حمیدہ کے بلند منصب پر فائز تھے۔ محاسن و کمالات کا شاندار مرقع تھے۔ سچ ہے کہ

لیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

اور پھر اس پر طرہ یہ کہ وہ اپنی ہر خوبی میں گویا امیر الامراء اور شہنشاہ پادشاہاں تھے اور ایک مومن کامل کی جو صفات قرآن و سنت میں بیان ہوئیں ان کی عملی شکل کا نام ہی فقیہ اعظم پاکستان تھا۔ تاحال آپ کی ذاتی زندگی اور فقہی مقام کے بعض واقعات کو نوک قلم پہ لانے کی قدغن ہے۔ جوں جوں وقت کی گاڑی بڑھتی جائے گی آپ کے شخصی اوصاف اور علمی مقام کو تقابلی انداز میں پیش کرنے کی جرات اور حوصلہ بھی پیدا ہوتا جائے گا۔۔۔ تب حضرت فقیہ اعظم کی قدر و منزلت اور بڑھے گی۔ تحقیق و تدقیق کی دنیا میں ان کا نام سنہرے حروف سے لکھا جائے گا اور ان کی شخصیت وقت کے قلمکار سے خراج لئے بغیر نہ رہ سکے گی۔

حوالہ جات

۱۔ اغثنی یا رسول اللہ، تابش قصوری

۲۔ انوار حیات، مولانا ابو الضیا محمد باقر نوری، ص ۱۳۳

۳۔ ماہنامہ نور الحبیب بصیر پور، شوال ۱۴۰۳ھ، مضمون "مجدد وقت" از علامہ عطا محمد بندیالوی

۴۔ فتاوی نوریہ جلد سوم، اشاعت اول ۱۹۸۳ء ص ۲۹۰، ۲۲۷، ۲۶۳، ۲۵۹، ۲۵۷، ۲۰۱، ۲۰۰، ۲۷۰، ۲۵۱ وغیرہم

۵۔ فتاوئ نوریہ جلد ۴ ص ۸۷ تا ۹۰ اور جلد ۵ ص ۴۲۵ تا ۴۲۹

۶۔ فتاوی نوریہ، جلد دوم، اشاعت ثانی ۱۹۸۸ء ص ۱۲۷

۷۔ فتاوی نوریہ، جلد سوئم، اشاعت ثانی ۱۹۸۳ ص ۱۴۳

۸۔ فتاوی نوریہ، ج ۲ ص ۱۴۳

۹۔ فتاوی نوریہ، ج ۳ ص ۱۶۹

۱۰۔ فتاوی نوریہ، ج ۳ ص ۴۶۸

۱۱۔ فتاوئ نوریہ، جلد اول اشاعت ثانی ۱۹۸۱ء ص

۱۲۔ فتاوی نوریہ، ج ۳ ص ۴۲۸

۱۳۔ فتاوی نوریہ، ج ۲ ص ۱۹۱

۱۴۔ فتاوی ج ۱ ص ۳۵۳

۱۵۔ فتاوی ج ۲ ص ۴۸۸



۱۶۔ سہ ماہی فروزاں لاہور، راجا رشید محمود، جولائی ۱۹۸۲ء

۱۷۔ روزنامہ وفاق لاہور، ۲۶ نومبر ۱۹۷۷ء

۱۸۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۱۳ جنوری ۱۹۷۸ء

۱۹۔ روزنامہ مشرق لاہور، فروری ۱۹۷۸ء

۲۰۔ فتاوی نوریہ، ج ۲ ص ۴۱۹ تا ۴۲۵

۲۱۔ فتاوی نوریہ، ج ۲ ص ۴۲۲

۲۲۔ فتاوی نوریہ ج ۳ ص ۲۲۶

۲۳۔ فتاوی نوریہ ج ۳ ص ۳۰۵

۲۴۔ ایضا

۲۵۔ فتاوی نوریہ ج ۳ ص ۳۴۱

۲۶۔ روزنامہ امروز لاہور، ۴ جنوری ۷۸ء

۲۷۔ ماہنامہ نور الحبیب بصیرپور، رجب، شعبان ۱۴۰۳ھ





در فقاہت وجود نور اللہ
اہل دیں را دلیل محکم بود
زاں سبب در افاضل امت
لقب او فقیہ اعظم بود

(حافظ محمد افضل فقیر)

فتاویٰ نوریہ



مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ

(متفق علیہ)

اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمالیتا ہے اسے دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔



چوری



و السارق و السارقة فاقطعوا ایدیهما جزاء بما کسبا نکالا من اللّٰہ و اللّٰہ عزیز حکیم

(المائدہ : ۳۸)

"اور جو مرد یا عورت چوری کریں تو ان کے (دائیں) ہاتھ کاٹ دو (یہ) ان کے کرتوت کا بدلہ' عبرتناک سزا (ہے) اللہ کی طرف سے اور اللہ بڑا غالب ہے' نہایت حکمت والا"

عن ابن عباس قال قطع رسول الله ﷺ يد رجل فی مجن قیمته دینـــار او عشرة دراهم

سنن ابی داؤد ، کتاب الحدود ، باب ما یقطع فیه السارق



"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال کی چوری پر ایک شخص کا ہاتھ کاٹ دیا' اس ڈھال کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی"



تعارف



کتاب السرقہ

اسلام امن و سلامتی کا دین ہے۔ اسلامی معاشرہ' ریاست کے ہر فرد کو اس کی جان' مال' عزت اور آبرو کا تحفظ فراہم کرتا ہے---- جو شخص اس نظام میں رخنہ اندازی کرتے ہوئے معاشرہ میں بگاڑ پیدا کرنے کا باعث بنے اسے جرم سے باز رکھنے اور دوسرے شہریوں کو اس کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے اسلام نے حدود و تعزیرات کا نظام وضع فرمایا ہے جو سراسر مبنی بر مصلحت و حکمت ہے۔

آج کے اس ترقی یافتہ سائنسی دور میں نت نئے انداز میں جرائم سامنے آ رہے ہیں۔ مگر بنیادی طور پر ایسے سنگین جرم جن سے حقوق العباد کے ساتھ ساتھ حقوق اللہ کی پامالی بھی ہوتی ہے' سات ہیں:

(1) قتل (2) ارتداد (3) ڈاکہ (4) چوری (5) زنا (6) قذف (تہمت لگانا) (7) شراب نوشی

ان جرائم کی روک تھام کے لئے اللہ تعالیٰ جل و علا نے جو سزائیں

مقرر فرمائی ہیں' انہیں حدود کہا جاتا ہے۔ یہ سزائیں متعین ہیں اور ان میں کمی بیشی ممکن نہیں ہے۔

ان سات کے علاوہ باقی جرائم میں تعزیر ہے' جو حاکم کی صوابدید پر مبنی ہے' وہ حسب سیاست و حکمت جو سزا چاہے تجویز کر سکتا ہے۔

اس وقت ہمارا مقصود کتاب السرقہ کا مختصر تعارف کرانا ہے۔

مخفی طور پر کسی کا مال اٹھا لینے کو سرقہ (چوری) کہتے ہیں اور اس عمل کا ارتکاب کرنے والا سارق یا چور کہلائے گا..... علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی (م 1205ھ) لکھتے ہیں:

السارق عند العرب من جاء مستترا الى حرز فاخذ مالا لغيره فان اخذ من ظاهر فهو مختلس و مستلب و منتهب و محترس فان منع ما في يده فهو غاصب

(تاج العروس' جلد :6' صفحہ :379)

"اہل عرب کے نزدیک چور وہ شخص ہے جو کسی محفوظ مقام سے' چھپ کر' دوسرے کا مال لے کر چلا جائے۔ اگر وہ ظاہراً لے تو لٹیرا اور اچکا کہلائے گا اور اگر زبردستی چھینے تو وہ غاصب ہو گا"

علامہ راغب اصفہانی (م 502ھ) فرماتے ہیں:

و صار ذلک في الشرع لتناول الشئي من موضع مخصوص و قدر مخصوص

(المفردات فی غرائب القرآن' جلد : 2' صفحہ : 150)

"اصطلاح شریعت میں مال غیر کو کسی خاص جگہ سے اور خاص مقدار میں چرا لینے کو سرقہ کہتے ہیں"

علامہ ابن ہمام حنفی (م 861ھ) نے سرقہ کی شرعی و فقہی تعریف یوں کی





ہے:

هي اخذ العاقل البالغ عشرة دراہم او مقدارها خفيةً عمن هو متصد للحفظ مما لا يتسارع اليه الفساد من المال المتمول للغير من حرز بلاشبهة"

(فتح القدیر' جلد:4' صفحہ:219)

"عاقل بالغ کا کسی کے دس درہم (یا اس سے زائد) یا اس مالیت کی کوئی ایسی چیز جو بسرعت خراب ہونے والی نہ ہو' چھپ کر ایسی محفوظ جگہ سے' جس کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا ہو' کسی شبہ اور تاویل کے بغیر اٹھا لینا' سرقہ کہلاتا ہے"



چوری کے استیصال کے لئے شریعت اسلامیہ میں جہاں بطور حد سخت سزا رکھی گئی ہے وہیں اس امر میں بھی بڑی احتیاط سے کام لیا گیا ہے کہ بلاوجہ کسی کے ہاتھ نہ کٹنے پائیں۔ چنانچہ فقہائے کرام نے قرآن و سنت کے مزاج کو سامنے رکھ کر اجرائے حد کے لئے چور' چوری اور مقام واردات کے بارے میں متعدد شرائط عائد کی ہیں' جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(1) چور عاقل بالغ ہو' بچہ یا مجنون اگر چوری کرے گا تو حد نہیں لگے گی۔

(2) مال مسروقہ کی مالیت کم از کم دس درہم (625 . 2 تولہ یا 30.618 گرام' چاندی) کے برابر ہو۔ اس سے کم مالیت پر احناف کے نزدیک ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ البتہ تعزیر لگے گی' جو حالات و واقعات کے اعتبار سے کم و بیش ہو سکتی ہے۔

(3) جس مقام سے مال چوری کیا جائے وہ محفوظ ہو' خواہ حقیقتاً یعنی ایسی

جگہ جو اپنی وضع کے اعتبار سے مال کی حفاظت کے لئے بنائی گئی ہو' جیسے مکان' دکان' خیمہ' صندوق وغیرہ' خواہ حکماً' جیسے مسجد' کھلا میدان' رستہ وغیرہ بشرطیکہ وہاں کوئی نگران یا چوکیدار مقرر ہو۔ ایسی کھلی جگہوں پر محافظ نہ ہو تو چور کو حد نہیں لگے گی۔

(4) مسروقہ چیز' بسرعت خراب ہو جانے والی نہ ہو۔ جیسے پھل سبزی وغیرہ

(5) مال کسی کی ملک ہو۔ غیر مملوک مال (مثلاً مردے کا کفن) چرانے پر حد نہیں۔

(6) مال خفیہ طریقے پر چوری کیا گیا ہو' کھلے خزانے سے یا چھین جھپٹ کر یا خیانت کے طور پر نہ لیا گیا ہو۔ لٹیرے' اچکے' غاصب اور خائن کی الگ سزا ہے۔

(7) مال مسروقہ کسی شبہ اور تاویل کے بغیر اٹھائے' چنانچہ نابینا کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے کیونکہ ممکن ہے اس نے اپنی چیز سمجھ کر اٹھائی ہو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص باپ کا مال یا قرآن کریم چرائے تو حد نافذ نہیں ہو گی۔



چوری کے ثبوت کے دو طریقے ہیں:

(1) اقرار جرم (2) دو مردوں کی گواہی

چوری کے ثبوت کی جملہ شرائط پائی جائیں تو قاضی اسلام حد سرقہ نافذ کرنے کا حکم جاری کرے گا۔ پہلی مرتبہ چوری کرنے والے کا داہنا ہاتھ' پہنچے (کلائی کے جوڑ) سے کاٹ کر اسے گرم تیل میں داغ دیا جائے گا۔۔۔۔۔



دوسری دفعہ کی چوری پر بایاں پاؤں ٹخنے سے قطع کیا جائے گا---- دو مرتبہ کی سزا کے بعد اگر چور اپنی اس بری خصلت کو نہ چھوڑے اور تیسری مرتبہ ارتکاب جرم کرے تو اس کے ہاتھ پاؤں نہیں کاٹے جائیں گے' بلکہ اسے تعزیراً زد و کوب کر کے قید میں ڈال دیا جائے گا' تا وقتیکہ وہ تائب ہو جائے---- بار بار چوری کرنے والے فسادی اور عادی مجرم کے بارے میں ملا نظام الدین (م 1161ھ) لکھتے ہیں :

للامام ان یقتلہ سیاسۃ لسعیہ فی الارض بالفساد

(فتاویٰ عالمگیری' جلد : 2' صفحہ : 182)

"امام کو اختیار ہے کہ انتظامی حکمت عملی کے پیش نظر زمین میں فساد برپا کرنے کی بنا پر اسے قتل کر دے"



حد نافذ کرنے کا اختیار قاضی اسلام کو ہے۔ ہمارے ملک پاکستان میں چونکہ شرعی قوانین نافذ نہیں ہیں' یہاں چوری کے ثبوت اور سزا کا طریقہ بھی غیر اسلامی ہے---- اور مقدمہ کا زیادہ تر انحصار پولیس کے رحم و کرم پر ہے۔ غالبًا یہی وجہ ہے کہ فتاویٰ نوریہ میں حدود سے متعلق استفتاء بہت کم ہیں۔

کتاب السرقہ میں صرف دو فتوے ہیں---- ایک فتویٰ' چوری کے ثبوت کے بارے میں ہے جس کے جواب میں حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ عاملوں کی شعبدہ بازیوں اور حساب کے ذریعے چوری ثابت نہیں ہوتی (بلکہ اس کے لئے خود چور کا اقرار یا شرعی گواہی ضروری ہے)

دوسرے استفتاء کا تعلق ضمان سے ہے۔ جس کے جواب کا خلاصہ یہ



ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دینے کے بعد اگر مال مسروقہ اس کے پاس موجود ہے تو مالک کو واپس دلایا جائے گا اور اگر ضائع ہو گیا تو تاوان نہیں اور اگر کسی وجہ سے حد نافذ نہ ہو سکی تو چور سے ضائع شدہ مال بھی بطور ضمان واپس لیا جائے گا۔

(مرتب)





كتابُ السَّرِقة



الاستفتاء

سائل مظہر کہ اس کی بیوی کو اس بنا پر چور بنایا جا رہا ہے کہ ایک عامل تیل گرم کر کے اپنے پاس رکھے ہوئے پانی میں ہاتھ تر کرا کے اس جلتے ہوئے تیل میں ڈلواتا گیا مگر دوسروں کے ہاتھ سطح تیل پر اور اس کی بیوی کا ہاتھ ڈبو دیا اور پھر الٹا کر ڈبو دیا تو چونکہ ہاتھ کی پیٹھ کا کچھ حصہ اس خاص پانی سے تر نہیں ہوا تھا لہٰذا صرف وہی حصہ تیل سے متأثر ہوا باقی بالکل ٹھیک رہا تو ہاتھ کے کچھ خاص حصہ کے متأثر ہونے سے عامل نے چور قرار دیا تو کیا شرعًا اس طریق سے چوری ثابت ہو سکتی ہے؟

سجوارا از موضع عزت کے







بلاشک وشبہ وریب شرعاً اس قسم کے طریقوں سے چوری ثابت نہیں ہو سکتی اور نہ ہی ایسے طریقوں سے بلاوجہ مسلمانوں کو چور قرار دیا جاسکتا ہے قرآنِ کریم میں ہے ان بعض الظن اثم اور حدیث شریف میں ہے ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث متفق علیہ (مشکوٰۃ)

عیّار لوگ ایسے ہتھکنڈوں سے اپنی جیبیں پُر کرکے فتنہ وفساد برپا کر دیا کرتے ہیں۔ اہلِ علم پر مخفی نہیں کہ عقاقیر وحیوانات میں ایسے خواص ہیں کہ ان کے استعمال سے آگ نہیں جلاتی بلکہ ایسے عاملوں اور مدعیوں سے چوری دریافت کرنے والے اُلٹے مجرم ہیں انکی چالیس راتوں کی نمازیں قابلِ مقبولیت نہیں رہتیں۔

مشکوٰۃ شریف ص۳۹۳ میں حدیث شریف ہے من اتی عرافا فسألہ عن شیئ لم یقبل لہ صلوٰۃ اربعین لیلۃ رواہ مسلم لہٰذا ائمۂ دین نے ان کی شناعت خوب بیان فرمائی اور ان سے اجتناب کی تاکیدی ہدایتیں فرمائیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۹ محرم الحرام ۸۷ھ



الاستفتاء

بخدمت فیض درجت جناب مولانا مولوی صاحب

بعد السلام علیکم کے واضح ہو کہ اس جگہ خیریت ہے اور جناب کی خیریت بدرگاہِ الٰہی سے نیک مطلوب ہوں۔ خلاصۂ حال احوال یہ ہے کہ سیّد سرور شاہ آپ کی خدمتِ اقدس میں روانہ کیا جاتا ہے۔ برائے مہربانی کرکے ان کے بیانات مثل شامل ہیں، ملاحظہ فرمائیں اور مدعی علیہ میرے پاس آیا اور میں نے جناب مولوی ولی محمد صاحب کی خدمت میں روانہ کیا، ان کا فیصلہ بھی مثل شامل ہیں۔



مدعی سیّد سرور شاہ کی چوری نقد و زیورات وغیرہ چھ ہزار کا دعویٰ ہے، مدعی علیہ کا اقرار کے ہیں[1] نے -/۳۵۰۰ روپیہ کی چوری میرے گھر ہے، باقی نہیں ہے، ۲۳ روپے کم ستر سو روپیہ مدعی کے گھر ہے۔ مدعی علیہ کا اقرار ہے کہ میرے گھر -/۳۵۰۰ روپیہ ہے۔ برائے مہربانی کرکے فیصلہ شرعی محمدی فرمایا جاوے۔ زیادہ آداب۔

میں جناب کو تکلیف دیتا ہوں کہ ان کا جلدی فیصلہ فرما کر واپسی تحریر فرمائیں اور مولوی شیخ فاضل والے اور مولوی لکھنا والے کو آداب و نیاز۔

جناب مولوی صاحبان فیصلہ فرمائیں اور جلدی فیصلہ فرمائیں کیونکہ انسپکٹر صاحب بہادر نے میرے پاس روانہ کیا ہے اگر وہ تبدیل ہو جاوے تو ان کا مقدمہ درمیان رہے گا۔ مؤرخہ ۵۸-۸-۲۲ کا فیصلہ ولی محمد کا ہے۔ میری تحریر ۵۸-۸-۲۳

دعاگو: خادم الفقراء غلام اویس از حضرت دیوان صاحب

---

[1] قلمی نسخہ میں یونہی درج ہے ۱۲ (مرتب)





اگر مسئلہ نذر محمد چشتی ملزم واقعی اقراری ہے کہ اس نے سیّد سرور شاہ صاحب کے مبلغات ساڑھے تین ہزار روپیہ نقد بھی چوری کئے ہیں تو شرعًا اس پر لازم ہے کہ ساڑھے تین ہزار روپیہ پورا پورا شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کرے اور اگر کچھ روپیہ برباد کر بیٹھا ہے تو اپنے گھر سے ادا کرے۔ قرآن کریم میں ہے فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ علیکم۔ حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سے راوی کہ فرمایا علی الید ما اخذت حتی تؤدی ہاتھ پر لازم ہے وہ چیز جو پکڑے یہاں تک کہ ادا کرے رواہ ابوداؤد ج ۲ ص ۱۴۵ والبیہقی ج ۸ ص ۲۷۶ والدارمی ص ۳۴۶۔

حضرتِ ابنِ عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما راوی کہ حضور پُر نور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاضرر ولا ضرار (وفی نسخۃ اضرار) رواہ ابن ماجۃ ص ۱۷۰ والدارقطنی ج ۲ ص ۳۲۱ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

بدائع صنائع ج ۷ ص ۱۶۵ میں اِس حدیث کے بیان میں فرمایا فقد تعذر نفی الضرر من حیث الصورۃ فیجب نفیہ من حیث المعنیٰ بالضمان لیقوم الضمان مقام المتلف فینتفی الضرر بالقدر الممکن



جس کا حاصل یہ ہے کہ جو کسی کا نقصان کرے اس پر ضمان پڑتی ہے۔

حضراتِ ائمۂ دین اور فقہائے معتمدین رضی اللہ تعالٰی عنہم نے حسبِ ہدایاتِ قرآنِ کریم اور حدیثِ پاک صاف صاف ارشاد فرمایا کہ اگر کسی وجہ سے چور کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں تو ضائع شدہ مالِ مسروقہ کی ضمان چور پر لازم ہے مبسوط ج ۹ ص ۱۵۷ و ۱۷۷، بدائع صنائع ج ۷ ص ۸۹ و النظم لملك العلماء ان المانع من الضمان هو القطع فاذا سقط القطع زال المانع فیضمن (ترجمہ) بے شک مانع ضمان صرف قطع الید ہی ہے پس جب قطع الید ساقط تو مانع زائل ہو گیا تو ضمان لازم ہو گی حتّٰی کہ چور اقراری ہونے کے بعد انکار کر دے تب بھی ضمان لازم ہے مبسوطِ سرخسی ج ۹ ص ۱۸۲، بدائع صنائع ج ۷ ص ۸۸، درالمختار تحریرًا شامی ج ۳ ص ۲۶۹ والنظم من البدائع ومنها رجوع السارق عن الاقرار بالسرقة فلا یقطع و یضمن المال یعنی چور جب اقرار سے پھر جائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور مالِ مسروقہ دینا پڑے گا اور جب مسمّٰی نذر محمد ملزم مبلغ ایک ہزار چھ سو ستر روپیہ واپس کر چکا ہے تو ایک ہزار آٹھ سو تئیس روپیہ اس کے ذمہ واجب الادا ہیں اور سزایاب ہونے سے معاف نہیں ہوئے اس لئے کہ قطع الید نہیں ہوا، اگر قطع الید ہو جاتا تو ضائع شدہ مال قضاءً معاف ہو جاتا۔



باقی رہا یہ دعوٰے کہ تمام مال پولیس لے گئی ہے، یہ اس وقت معتبر ہو سکتا ہے جب اس پر باقاعدہ شریعت کے پابند دو گواہ قائم کرے اور اگر گواہ قائم نہ کر سکے تو پولیس سے حلف کا مطالبہ کر سکتا ہے مگر سرور شاہ صاحب کے مبلغاتِ مسروقہ تو پورے پورے ادا کرنے اس کے ذمہ ضروری ہیں، پھر شاہ صاحب کا مطالبہ چونکہ چھ ہزار نقد کا ہے تو ساڑھے تین ہزار سے زاید مبلغ ڈھائی ہزار کے متعلق نذر محمد ملزم سے شرعی حلف لے سکتے ہیں جبکہ شاہ صاحب کے پاس گواہ نہیں اور شاہ صاحب کی وہ لاگت جو اپنے مسروقہ مال کے واپس

کرنے کے لئے تگ ودو میں کرایہ وغیرہ کی صورت میں آئی ہے اس کے متعلق پیر نذر محمد چشتی کو چاہئے کہ ادا کردیں اس لئے کہ یہ خرچ ان کی ناجائز حرکت کے سبب ہوا ہے مگر وہی لاگت جو واقعی اور جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحٰبہ وبارک وسلم۔

نوٹ: مندرجہ بالا تحریر فقیر بیانِ مسائل و فتویٰ ہے۔ اگر واقعات یہی ہیں تو اس پر فیصلے کا حکم فرمادیں، حسب الارشاد میں خود ہی فیصلہ کی صحت میں لکھتا مگر فیصلہ کے لئے چونکہ فریقین کا حاضر ہونا ضروری ہوتا ہے اور میرے پاس ایک ہی فریق آیا لہٰذا فیصلہ نہ لکھا، پھر ان کے بیانات جو شاملِ مثل ہیں وہ آپس میں بھی نہیں ملتے۔



مسمّٰی سرور شاہ کا دعوٰی مبلغ چھ ہزار روپیہ کا ہے اور مبلغ ایک ہزار چھ سو ستر روپیہ وصول مانتے ہیں اور بقایا رقم مبلغ تین ہزار سات سو روپیہ بتاتے ہیں حالانکہ یہ محض غلط ہے کہ جب ان دو رقموں کو جمع کیا جائے تو میزانِ کل مبلغات پانچ ہزار تین سو ستر بنتی ہے تو یہ دعوائے چھ ہزار روپیہ نقد کے مخالف ہے اور پیر نذر محمد صاحب چشتی ملزم کا بیان جو باریک قلم سے پہلے لکھا ہوا ہے، اس میں ہے کہ شاہ صاحب کا پرچہ دس ہزار کا ہے اور موٹے قلم والے بیان دوبارہ لکھے ہوئے میں ہے کہ شاہ صاحب نے پرچہ بارہ ہزار کا دیا ہے، اس دس ہزار اور بارہ ہزار کی بھی مطابقت نہیں ہوتی۔ پھر نذر محمد کے باریک قلم بیان میں ساڑھے ھـزار نقد کا اقرار ہے جس کا معنے ساڑھے تین ہزار، ساڑھے چار ہزار، ساڑھے پانچ ہزار وغیرہ بکثرت بن سکتے ہیں اور نہایت اشتباہ کا باعث ہے۔ پھر دوسرے موٹے قلم والے بیان میں ساڑھے تین ہزار نقد لکھا ہے، اس میں تو کوئی اشتباہ نہیں مگر چونکہ پہلے کی نقل لکھی ہے لہٰذا مشتبہ ہے۔



باقی مولوی دلی محمد صاحب کا فیصلہ تو وہ بھی یوں ہی ہے جب ان کے بیانات اور تحریرات کو مطابق مانتے ہیں تو تقریباً کی آڑ میں ڈیڑھ ہزار واپس اور ساڑھے چار ہزار بقایا کا دعوٰی لکھنا بالکل غلط ہے کہ شاہ صاحب مدعی کے بیان میں واپس ایک ہزار چھ سو ستر لکھا ہے اور بقایا تین ہزار سات سو بنایا ہے، یہ بڑا فرق ہے، نیز فیصلہ تحقیقاً لکھا جاتا ہے تقریباً کا کوئی معنے نہیں۔

پھر مولوی صاحب کا یہ لکھنا کہ "بمطابق قانونِ محمدی تیس دُرّے تک سزا دے کر پھر حلف اٹھوا کر زائد دعوٰی سے بری سمجھا جائے۔" یہ بالکل خلافِ واقع ہے، کسی ایک فقہی کتاب میں اِس قانون کے نام و نشان تک نہیں ملتا اور نہ ہی فتاوٰی شامی میں ہے کہ تیس دُرّے سے تزکیہ ہو جاتا ہے بلکہ فتاوٰی شامی میں متّہم بالسرقہ کا کوئی باب ہی نہیں ہاں متہم بالسرقہ کا بیان ہے مگر اس میں بھی یہ تزکیہ والی بات بالکل نہیں لکھی۔ اگر مولوی صاحب کے پاس کتاب نہیں تو کتاب والے سے لیکر دیکھ لیتے، فیصلے یوں اٹکل پچّو سے نہیں کئے جاتے، پھر حکومت کو ثالث و حَکَم کہنا بھی عجیب چیز ہے، ثالث اور حکم فریقین دونوں کی تجویز سے بنتا ہے، حالانکہ مدعی علیہ حکومت سے جان چھڑانے کی پوری کوشش کرتا ہے پھر مدعی علیہ نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ مَیں نے مبلغ تین ہزار روپیہ حکومت کے سپرد کر دیا بلکہ اس کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ مبلغاتِ مذکورہ پولیس نے برآمد کئے اور پولیس کو حکومت کہنا بھی مولوی صاحب کی خوش فہمی ہے، پھر فیصلہ میں یہ لکھنا کہ "جو مال خورد برد ہوا انکے لئے قطعِ ید تھی مگر وہ قدرۃً بند ہے وہ بھی معاف ہے" بالکل شریعت کے خلاف ہے، کسی مجبوری کی بنا پر قطعِ ید نہ ہو تو چور پر مالِ مسروقہ پورا پورا ادا کرنا لازم ہوتا ہے کما مر بلکہ قطعِ ید کی صورت میں بھی مالِ خورد برد کے متعلق قاضی حکم نہیں کرتا مگر دیانۃً قطعِ ید کے بعد بھی دینا پڑتا ہے اور مفتی دینے کا فتوٰی دے۔



مبسوط ج۹ ص ۱۵۸، فتح القدیر ج۵ ص ۱۷۱، کفایہ ج۵ ص ۱۷۲، بدائع ج۷ ص ۹۰، بحرالرائق ج۵ ص ۶۵، درمختار، شامی ج۳ ص ۲۹۱ میں ہے والنظم من الفتح وغیرہ روی ہشام عن محمد انہ انما یسقط الضمان عن السارق قضاء لتعذر الحکم بالمماثلۃ فاما دیانۃ فیفتی بالضمان للحوق الخسران والنقصان للمالک من جہۃ السارق، اور چونکہ مولوی صاحب کا فیصلہ مفتیانہ رنگ میں ہے تو "نہیں" معاف ہے "نہیں لکھنا چاہیے تھا۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۱۳ر صفر المظفر ۷۸ھ






دِیت
و
قصاص



يا ايها الذيــن آمنــوا كتــب عليكــم
القصاص فى القتلى

(البقره : ۱۷۸)

"اے ایمان والو! فرض کیا گیا ہے تم پر قصاص (بدلہ)،
ان لوگوں کے خون کا، جو (ناحق) قتل کیے جائیں"



اول ما يقضى بين الناس يوم القيامة فى الدماء

صحيح مسلم ، باب المجازاة بالدماء فى الآخرة



"قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون ناحق کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا"



و من قتل مومنا خطأ فتحرير رقبــة مومنة و دية مسلمة الى اهله الاِ ان يصدقوا

(النساء : ۹۲)

"اور جس نے کسی مسلمان کو بلا قصد قتل کر دیا، تو (اس کی سزا یہ ہے کہ) ایک مسلمان غلام کو آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا ادا کر دے مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں"





من قتل متعمدا دفع الى اولياء المقتول فان شاؤا قتلوا و ان شاؤا اخذوا الدية

ترمذی ، باب ما جاء
فی الدیة کم ھی

"جو شخص قصدًا (ناحق) قتل کرے اس کا معاملہ مقتول کے وارثوں کے سپرد کیا جائے' چاہیں تو اسے قتل کے بدلے قتل کر دیں اور چاہیں خون بہا وصول کر لیں"





تعارف



کتاب الدیۃ و القصاص

شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ قتل ناحق ہے------ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک انسانی جان کے قاتل کو پوری انسانیت کا قاتل قرار دیا:

من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا

(المائدہ: 32)

"جس نے قصاص یا زمین میں فساد (پھیلانے کی سزا) کے بغیر (ناحق) کسی کو قتل کیا تو گویا اس نے سب لوگوں (جملہ انسانیت) کو قتل کر دیا"

محسن انسانیت ﷺ نے بھی اپنی مقدس تعلیمات میں جابجا خون انسانی کی حرمت کا احساس دلایا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے اپنے خطبہ مبارکہ میں انسانی حقوق کے جس عظیم الشان چارٹر کا اعلان فرمایا' اس میں انسانی جان کے تحفظ کا پہلو نمایاں ہے۔ دیکھئے کس خوبصورت ڈھنگ اور دل نواز آہنگ میں آپ نے ارشاد فرمایا:

ان دمالکم و اموالکم و اعراضکم حرام علیکم کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا

"لوگو! تمہاری جانیں' مال اور عزتیں ایک دوسرے پر اس طرح قطعاً حرام کر دی گئی ہیں------' جیسے تمہارے اس مہینے (ذوالحجہ المبارکہ) اور تمہارے اس شہر (مکہ) میں آج کے دن کی حرمت ہے"

الا فلا ترجعوا بعدی ضلالا یضرب بعضکم رقاب بعض

"خبردار میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن کاٹنے لگو"

(صحیح بخاری' جلد: 2' صفحہ: 1021)

ہادی اعظم ﷺ نے رنگ' نسل' وطن اور قوم کی بنیاد پر قائم تمام فرسودہ نظریات اور ظالمانہ امتیازی قوانین کا خاتمہ فرمایا۔ زمانہ جاہلیت میں یہ غلط روش قائم تھی کہ جب کوئی طاقتور قبیلہ کسی کمزور قبیلہ کے فرد کو قتل کر دیتا تو قصاص میں آزاد کی بجائے غلام کو قتل کے لئے پیش کرتے اور اگر اس کمزور قبیلہ سے قتل ہو جاتا تو ایک قتل کے بدلے کئی آزاد انسانوں کو تہ تیغ کر دیتے۔ یونہی عورت کے بدلے مرد اور غلام کے بجائے آزاد کو قتل کرتے۔ اس طرح خونریزی کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل نکلتا۔ اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے اس فساد اور خونریزی کے سدباب اور معاشرہ میں امن' آشتی' پریم اور صلح کی ایک فضا پیدا کرنے کے لئے انسانوں کو قانون قصاص عطا فرمایا۔ جس میں یہ واضح کر دیا گیا کہ امت کے ہر فرد کی زندگی یکساں قابل



احترام ہے۔ مرد ہو یا عورت' آزاد ہو یا غلام' کوئی ہو' جو شخص جرم کرے گا وہی مستحق سزا ہو گا۔ اس کی جگہ کسی دوسرے بے گناہ کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

دیگر نظاموں میں مصالحت اور معافی کی گنجائش نہیں------ انگریز کے ظالمانہ نظام میں یہی صورت ہے اور مصالحت کے لئے فریقین کو عدالت میں جھوٹ بولنا پڑتا ہے------ مگر اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس میں جملہ انسانی مصالح کو مدنظر رکھا گیا ہے' چنانچہ مقتول کے ورثاء کو یہ اختیار سونپ دیا گیا کہ وہ چاہیں تو قتل کی صورت میں قتل کا بدلہ لے لیں' چاہیں تو (دیت) خون بہا لے لیں اور اگر وسعت قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عفو و درگزر سے کام لے کر قاتل کو معاف کر دیں تو یہ بہرحال ان کا حق ہے۔ کتاب القصاص و الدیہ میں اس قانون سے متعلقہ استفتاء ات ہیں۔



قصاص "قصص" سے ماخوذ ہے' اس کا معنی ہے نقش قدم پر چلنا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ و خضر (علی نبینا و علیہما السلام) کے واقعہ میں ہے:

فارتدا على اثارهما قصصا

(الکہف: 64)

"وہ دونوں (موسیٰ اور یوشع بن نون) اپنے قدموں کے نشانوں پر چلتے ہوئے واپس چلے"

قینچی کو "مِقَصّ" کہتے ہیں کیونکہ اس کی دونوں طرفیں برابر ہوتی ہیں------ قصاص کو بھی قصاص اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں مماثلت اور

برابری کا معنی پایا جاتا ہے اور قاتل یا حملہ آور سے قتل یا زخم کا برابر برابر بدلہ لیا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ برہان الدین المرغینانی (م 593ھ) فرماتے ہیں:

القصاص ینبئی عن المماثلة و منه یقال اقتص اثره و منه المقصة للجلمین

(ہدایہ، جلد: 4، صفحہ: 566)

"قصاص کا لفظ مماثلت کا پتہ دیتا ہے، اسی مادے سے، کسی کے نقش قدم پر چلنے اور پیروی کرنے والے کے بارے میں کہا جاتا ہے: اقتص اثرہ، اور قینچی کے لئے مقصہ کا لفظ بھی اسی مادے سے تعلق رکھتا ہے (کیونکہ قینچی کی دونوں طرفیں برابر ہوتی ہیں)"

احناف کے ہاں قتل کے پانچ اقسام ہیں۔

(1) قتل عمد (2) قتل شبہ عمد (3) قتل خطا (4) قتل قائم مقام خطا (5) قتل بالسبب



1۔۔۔ قتل عمد

کسی شخص کو جان بوجھ کر ہتھیار یا کسی ایسی دھار دار چیز کے ساتھ قتل کرنا، جو ہتھیار کا کام دے۔ جیسے تلوار، پستول، خنجر، چاقو، بانس کی کھپچی یا دھار دار لکڑی وغیرہ

آگ سے جلا دینا بھی قتل عمد میں شامل ہے۔

قتل عمد کا مرتکب سخت گنہگار ہے۔ اخروی عذاب کے علاوہ دنیا میں اس کی سزا قصاص ہے۔ البتہ اگر مقتول کے ورثاء چاہیں تو معاف کر دیں یا دیت (سو اونٹ) کی مقدار سے کم یا زیادہ جس قدر مال کا قاتل سے معاہدہ ہو جائے، لے کر مصالحت کر سکتے ہیں۔



2۔۔۔ قتل شبہ عمد

کسی شخص کو کسی ایسی چیز کے ساتھ ضرب لگانے کا قصد کرے جو اسلحہ یا اسلحہ کے قائم مقام نہ ہو اور بالعموم اسے قتل کے لئے استعمال نہ کیا جاتا ہو۔ جیسے لاٹھی، پتھروغیرہ، جس سے مضروب مرجائے

قتل شبہ عمد میں فاعل گنہگار ہو گا اور اس پر کفارہ واجب ہے (ایک غلام آزاد کرے یا مسلسل دو ماہ روزے رکھے) اور اس کے عصبات (قریبی رشتہ داروں) پر دیت مغلظہ واجب ہے، جسے وہ تین سال میں ادا کریں گے۔



3۔۔۔ قتل خطا

اس کی دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ اس کے گمان میں خطا ہو۔ مثلاً اس نے شکار سمجھ کر گولی چلائی مگر وہ شکار کی بجائے مسلمان شخص تھا، جسے گولی لگ گئی یا کسی کو حربی کافر گمان کر کے گولی چلائی اور وہ شخص مسلمان تھا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے فعل میں خطا سرزد ہو۔ مثلاً اس نے کسی شکار یا مخصوص ہدف پر نشانہ لگایا، مگر ہاتھ بہک گیا اور گولی بجائے اس کے کسی مسلمان شخص کو لگ گئی۔

قتل خطا کا حکم یہ ہے کہ قاتل پر قصاص نہیں بلکہ اس کے عصبات (عاقلہ) پر دیت ہے۔ جو تین سال میں ادا کی جائے اور قاتل پر کفارہ ہے (یعنی مسلسل دو ماہ روزے رکھے)

4۔۔۔ قتل قائم مقام خطا

(مثلاً) کوئی آدمی نیند کی حالت میں کسی پر گر پڑے، جس کی وجہ سے وہ



مر جائے۔

قتل کی اس قسم کا حکم بھی قتل خطا کی طرح ہے یعنی قاتل پر کفارہ اور اس کے عصبہ پر دیت ہے۔ قتل کی ان چار قسموں میں قاتل اگر وارث ہے اور اپنے مورث کو قتل کر دے تو اس کی میراث سے محروم ہو جائے گا۔

5۔۔۔ قتل بالسبب

یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی کی ملکیت میں یا راستہ میں بڑا پتھر رکھ دے یا کنواں کھود دے اور کوئی شخص ٹھوکر کھا کر یا کنویں میں گر کر ہلاک ہو جائے۔ یونہی کوئی شخص کسی جانور کو ہانک کرلے جا رہا ہو اور وہ جانور کسی کو ہلاک کر دے یا کسی کی گاڑی کے نیچے آ کر کوئی شخص ہلاک ہو جائے تو یہ بھی قتل بالسبب کی صورت ہے۔۔۔۔۔ ان صورتوں میں یہ شخص قتل کرنے کا مرتکب نہیں ہوا بلکہ ایک متعدی سبب سے قتل ہو گیا۔ قتل کی اس قسم میں اس کے عصبات پر دیت ہے اور اس شخص پر نہ تو کفارہ واجب ہو گا اور نہ ہی وہ وراثت سے محروم ہو گا۔



قتل کی طرح قطع اعضا اور زخموں کا بھی قصاص لیا جائے گا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

ان النفس بالنفس و العین بالعین و الانف بالانف و الاذن بالاذن و السن بالسن و الجروح قصاص فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ

(المائدہ، آیت: 45)

"جان کے بدلے جان' آنکھ کے بدلے آنکھ' ناک کے بدلے ناک' کان کے بدلے کان' دانت کے بدلے دانت اور زخموں میں قصاص (بدلہ) ہے پھر جو بدلہ معاف کر دے تو یہ معافی اس کے لئے کفارہ ہو گی"

قصاص کا یہ حکم ان صورتوں میں ہے جہاں زخم کا برابر برابر بدلہ لینا ممکن ہو' بصورت دیگر زخم و اعضا کی نوعیت کے مطابق مکمل' نصف یا تہائی دیت یا تاوان لازم ہو گا۔



دیت

دیت کا اصل "ودی" ہے' حسب قاعدہ واو حذف ہو گئی' جس کے عوض آخر میں تاء آئی' تو یہ "دیۃ" ہو گیا۔

اس کے مشتقات میں بہنے اور جاری ہونے کا معنی پایا جاتا ہے' اسی بنا پر پانی کی گزرگاہ کو وادی کہا جاتا ہے---- قتل نفس (خون بہنے) کے عوض میں مقتول کے ورثا کو دیا جانے والا معاوضہ دیت (خون بہا) کہلاتا ہے۔ جب کہ اس سے کم (تلف عضو) پر بطور تاوان ادا کیے جانے والے مال کو ارش کہا جاتا ہے---- علامہ ابن عابدین شامی (م 1252ھ) کہتے ہیں :

کبھی دیت اور ارش (تاوان) ہم معنی بھی استعمال ہوتے ہیں۔

(رد المحتار' جلد :5' صفحہ : 504)

علامہ ابن ہمام (م 861ھ) بیان کرتے ہیں :

جان کے عوض دیے جانے والے مال کو دیت کہا جاتا ہے مگر چونکہ تلف اعضا کے معاوضہ پر بھی دیت کا اطلاق ہوتا ہے' لہٰذا

دیت کی زیادہ واضح تعریف یہ ہے:

الدیۃ اسم بضمان یجب بمقابلۃ الادمی او طرف منہ

(فتح القدیر، جلد: 8، صفحہ: 301)

"انسان یا اس کے کسی عضو کے عوض ادا کیے جانے والے تاوان کو دیت کہتے ہیں"

دیت کی دو قسمیں ہیں:

(1) دیت مغلظہ (2) دیت خفیفہ

دیت مغلظہ

امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک قتل شبہ عمد میں دیت مغلظہ لازم ہو گی جس کی مقدار سو اونٹنیاں ہیں۔ جن میں پچیس دوسرے سال کی، پچیس تیسرے سال کی، پچیس چوتھے سال کی اور پچیس پانچویں سال کی ہوں۔



دیت خفیفہ

قتل شبہ عمد کے علاوہ باقی اقسام قتل میں (اور قطع اعضا اور زخموں کی صورت میں) کل یا بعض دیت خفیفہ واجب ہو گی، یہ پانچ قسم کے سو اونٹ اور اونٹنیاں ہیں، جن میں دوسرے سال کے بیس اونٹ ہوں جب کہ بقایا اسی (80) دوسرے سال، تیسرے سال، چوتھے سال اور پانچویں سال کی بیس بیس اونٹنیاں ہونی چاہیں۔۔۔۔ تفصیل فتاویٰ نوریہ کی کتاب الدیہ و القصاص کے پہلے فتوے میں ملاحظہ فرمائیں۔

اونٹنیوں کے علاوہ دیت کی مزید دو صورتیں ہیں:

(1) ایک ہزار دینار (تقریباً 4.372 کلو گرام سونا)

(2) دس ہزار درہم (30.618 کلو گرام چاندی)

قتل خطا اور شبہ عمد کی صورت میں دیت عاقلہ کے ذمہ ہوگی۔ عاقلہ سے عصبات (باپ کی جانب سے وراثت کی ترتیب کے مطابق قریبی رشتہ دار) مراد ہیں۔ نیز کاروباری اداروں' کارخانوں کے ملازمین اور مزدوروں کی یونین' انجمن یا تنظیم بھی عاقلہ کے قائم مقام ہے۔ اگر کسی کے عصبات نہ ہوں تو بیت المال سے اس کی دیت ادا کی جائے گی۔ دیت ادا کرنے کی مدت تین سال ہے۔



فتاویٰ نوریہ کی کتاب الدیۃ و القصاص میں دو فتوے ہیں۔ ایک فتویٰ دماغ پر لگائے گئے زخم (آمہ) سے متعلق ہے۔ اس میں تہائی دیت ہے' جب کہ دوسرا فتویٰ قتل کے بارے میں ہے۔

(مرتب)

کتاب الدیۃ والقصاص



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین دریں مسئلہ کہ مسمّٰی اکبر علی کے سر پر یعقوب نے کندھالہ لوہے کا مار کر زخمی کیا اور زخم دماغ تک پہنچ گیا۔ یہ نو محرم کا واقعہ ہے اور اب تک چکر آتے ہیں اور گر جاتا ہے، اب زخم کرنے والا اور زخمی کہتے ہیں کہ قرآن، حدیث اور فقہ پر ہم فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔

سائل: اکبر علی ہاری عبدالحی شاہ معرفت نذیر احمد ہیڈ ماسٹر نزد سنہری مارکیٹ نواب شاہ شہر، سندھ ۲۴-۴-۱۷





شرعاً ایسے زخم کا نام آمّہ ہے۔ فتاویٰ عالمگیر ج ۶ ص ۲۸ میں ہے والامۃ وھی التی تصل الی ام الرأس وھوالذی فیہ الدماغ اور اس میں دیت کا ثلث ایک تہائی ہے۔ فتاویٰ عالمگیری ج ۶ ص ۲۹ میں ہے وفی الامۃ ثلث الدیۃ

اور دیت تین چیزوں سے ہے؛

۱۔ ایک سو اونٹ جن میں بیس بنت مخاض یعنی سال کی ٹوڈیاں جو دوسرے سال میں داخل ہو چکی ہوں اور بیس عدد ابن مخاض یعنی ایسے ٹوڈے اور بیس بنت لبون یعنی پورے دو سال کی ٹوڈیاں جو تیسرے سال میں داخل ہوں اور بیس حقّہ یعنی پورے تین برس کی ٹوڈیاں جو چوتھے سال میں داخل ہوں اور بیس جذعہ یعنی ایسی پر افیں (اونٹنیاں) جو چار سال کی ہوں اور پانچویں میں پاؤں ہو، یہ پوری دیت ہے۔

۲۔ یا ایک ہزار دینار سونا یا

۳۔ دس ہزار درہم (فتاویٰ عالمگیریہ ج ۶ ص ۲۴)

اِس حساب سے اکبر علی پر لازم کہ یعقوب زخمی کو ۱/۳ ۳۳ اونٹ اسی اسی عمر کے پورے کردے یا ۱/۳ ۳۳۳ دینار دے جو یکصد چوبیس تولہ ساڑھے دس ماشہ سونا ہے یا ۱/۳ ۳۳۳۳ درہم دے جو تقریباً آٹھ صد بہتر تولہ چاندی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد و





علیٰ اصحابہٖ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ
۲۳ ربیع الاول شریف ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۷/۴/۷۴

الاستفتاء



از کراچی ۲۸ اپریل ۷۴ء لیاقت آباد کراچی مکان نمبر ۱۸۰/۴ معرفت جناب طارق صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسئلہ میں زید نے اپنی زوجہ سے بکر کو کئی بار بدفعلی میں دیکھا اور بکر کو سمجھایا لیکن بکر حرکت سے باز نہیں آیا۔ ایک دن زید اپنے گھر آیا تو بکر کو اپنی زوجہ سے بدفعلی میں مشغول پایا۔ زید کو دیکھ کر بکر بھاگ نکلا۔ زید اس کے پیچھے لگا اور اس کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ کیا شرعاً زید پر قصاص یا دیت واجب ہے؟ بینوا توجروا

خدا بخش بلو کالونی کراچی



ہاں شرعاً قصاص یا دیت ضرور لازم ہے کما نص علیہ القرآن الکریم



والحديث المنيف والكتب الفقهية فى القتل عمدا او غيره من التفاصيل۔

رہا یہ کہ فقہائے کرام نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ ایسی حالت میں تعزیرًا قتل جائز ہے اور قاتل پر قصاص یا دیت لازم نہیں تو وہ زید کو مفید نہیں کیونکہ زید نے بکر کو ایسی حالت میں نہیں بلکہ بعد میں جب کہ بھاگ کر مکان سے بھی نکل گیا، قتل کیا حالانکہ اس کو یہ اجازت یا اختیار شرعًا حاصل نہیں تھا، فتاوٰی عالمگیر طبع مصر ج ۲ ص ۱۶۷، فتاوٰی بزازیہ علٰے ہامش الہندیہ ج ۶ ص ۴۳۰ میں ہے والنظم من الاولٰى سئل الهندوانى رحمه الله تعالىٰ عن رجل وجد مع امرأته رجلا ايحل له قتله قال ان كان يعلم انه ينزجر عن الزنا بالصياح والضرب بما دون السلاح لا يحل وان علم انه لا ينزجر الا بالقتل حل له القتل وان طاوعته المرأة حل له قتلها ايضًا كذا فى النهاية وكذا نقله ايضًا فى الفتح طبع مصر ج ۵ ص ۱۱۳ والتبيين ج ۳ ص ۲۰۸ والبحر ج ۵ ص ۴۱ والتنوير والدر على هامش الشامية ج ۳ ص ۲۴۸ ولكن بتنكير المرأة اى" امرأة "بدل" امرأته" ولا يفيد ذا زيدا فان امرأته داخلة فى امرأة وانه لم يقتل اذ كان معها بل اذ هرب عنها ولا يوافقه ايضا توفيق الشامى فانه لم يقتل بكرا قبل الزنا ولا وقت الزنا اذ كان مع امرأته بل بعد الفرار عنها والخروج من مكان كان فيه معها۔



نیز بحر الرائق ج ۵ ص ۴۲ اور تنویر الابصار، در المختار، شامی ج ۳ ص ۲۵۰، فتاوٰی بزازیہ ج ۶ ص ۴۳۰ میں ہے والنظم من التنوير ويقيمه كل مسلم حال مباشرة



المعصية وبعده ليس ذٰلك لغير الحاكم۔ بحر الرائق اور شامی میں ہے لو عزره حال كونه مشغولا بالفاحشة فله ذٰلك لان ذٰلك نهی عن المنكر فكل واحد مامور به وبعد الفراغ ليس بنهی عن المنكر لان النهی عما مضٰی لا يتصور فيتمحض تعزيرا وذٰلك الی الامام اور فتح القدير وغیرہ سے اصل مسئلہ کی علت و مبنیٰ بھی یہی واضح کہ بدکاری میں مشغولیت کے وقت اجازتِ قتل ہے جبکہ کسی اور وجہ سے بدکار مشغولیت نہ چھوڑے، نص الفتح ج ۵ ص ۱۱۳ وهٰذا تنصيص علی ان الضرب تعزير يملكه الانسان وان لم يكن محتسبا وصرح فی المنتقٰی بذٰلك وهٰذا لانه من باب ازالة المنكر باليد والشارع ولی كل احد ذٰلك حيث قال من رأٰی منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه الحديث لان رؤية المنكر لا تكون الا وقت الاشتغال وكذا التغيير وهٰذا مفاد مامر عن البحر والشامی ايضًا۔

بہرحال امس و شمس کی طرح واضح کہ زید کو اِس صورت میں شرعًا قتل کی اجازت ہرگز ہرگز نہ تھی لہٰذا مجرم ہے پھر عورت کو جو اِس فساد کی اصل جڑ ہے، قتل نہ کرنا بھی اسکے عدمِ تثبت اور صدق و سداد کی دلیل ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم وعلیٰ آلہٖ واصحٰبہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۵ ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ 8-5-74





بُيُوع



احل الله البيع و حرم الربٰو

(البقرة : ٢٧٥)

"حلال کیا اللہ نے بیع کو اور حرام کیا سود"



طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة

شعب الایمان ، بیهقی
باب فی حقوق الاولاد و الاهلین
جلد : ٦ ، صفحه : ٤٢٠

"حلال روزگار کی تلاش' فرائض کے بعد ایک اہم فریضہ ہے"





تعارف



کتاب البیوع

اسلام ایک جامع دین ہے' اس میں زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ جہاں ہمیں عبادت کا حکم دیا گیا ہے' وہیں معاشرتی معاملات اور اقتصادیات و معاشیات کے آداب و اخلاق کی طرف بھی بھرپور رہنمائی فرمائی گئی تا کہ بندۂ مومن کی پوری زندگی مرضی خداوندی کے مطابق بسر ہو اور زندگی کی ناگزیر ضروریات کی انجام دہی بھی عبادت قرار پا جائے۔ ان ہی معاملات میں ایک نہایت اہمیت کا حامل معاملہ لین دین' خرید و فروخت اور تجارت ہے۔

چونکہ اکثر و بیشتر فسادات اور خرابیوں کی جڑ اور بنیادی فتنہ ناجائز طور پر جمع کیا گیا مال ہے' اس لئے اسلام نے رزق حلال کی اہمیت پر بہت زیادہ زور دیا ہے جب کہ دیگر نظاموں میں حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں۔

اسلام میں ذخیرہ اندوزی' دھوکہ دہی' ملاوٹ' جعلی اشیاء کی تیاری'



اسمگلنگ اور دیگر ناجائز ذرائع سے کاروبار کرنے کی سختی سے مذمت کی گئی ہے' ارشاد ربانی ہے :

یا ایہا الذین امنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم....

(النساء : 29)

"اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری باہمی رضامندی سے"

نیز فرمایا :

و اوفو الکیل اذا کلتم بالقسطاس المستقیم ذلک خیر و احسن تاویلا

(بنی اسرائیل : 35)

"اور جب تم کسی چیز کو ناپنے لگو تو پورا پورا ناپو اور صحیح ترازو سے تولو' یہ بہت بہتر ہے اور اس کا انجام بہت اچھا ہے"

اسلام حلال ذرائع سے دولت کمانے کے بارے میں منع نہیں کرتا بلکہ اس کی ترغیب دیتا ہے' یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا فضل قرار دیا :



فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض و ابتغوا من فضل اللہ و اذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون

(الجمعہ : 11)

"پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل (رزق حلال) کو تلاش کرو اور کثرت سے اللہ کی یاد کرتے رہو تاکہ تم کامیابی حاصل کرو"



احادیث مبارکہ میں بھی رزق حلال اور جائز تجارت کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة

(مشکوۃ المصابیح، صفحہ: 242)

"حلال کمائی کی تلاش، فرائض کے بعد ایک اہم فریضہ ہے"

نیز فرمایا:

التاجر الصدوق الامين مع النبيين و الصديقين و الشهداء

(ترمذی، ابواب البیوع، باب ما جاء فی التجار)

"راست گو اور امانت دار تاجر (روز محشر) انبیاء کرام، صدیقین اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا"



فقہائے کرام نے قرآن و حدیث سے استنباط کر کے خرید و فروخت اور تجارت کے مسائل "کتاب البیوع" میں بڑی تفصیل سے تحریر فرمائے ہیں۔ جائز اور ناجائز صورتوں کو واضح کیا ہے تاکہ رزق حلال میسر آسکے اور حرام ذرائع کا سد باب ہو۔

بیوع، جمع ہے بیع کی، علامہ راغب اصفہانی (م 502ھ) نے بیع کا لغوی معنی یوں بیان کیا ہے:

البيع اعطاء المثمن و اخذ الثمن

"قیمت والی چیز دے کر قیمت وصول کرنا، یہ بیع ہے اور اس کے برعکس شراء (خریدنا) ہے، یعنی قیمت دے کر قیمت والی چیز لے لینا"



کبھی بیع کی جگہ شراء (خرید) اور شراء پر بیع کا اطلاق ہوتا ہے' جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: و شروه بثمن بخس

"(یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے) انہیں چند درہموں کے بدلے بیچ دیا" یہاں بیچنے کو شراء (خریدنا) کہا گیا----- نیز حدیث پاک میں ہے:

لا يبعين احدكم على بيع اخيه

"کوئی شخص دوسرے کی خریداری پر خریداری نہ کرے' یہاں شراء کی جگہ بیع کا لفظ استعمال ہوا ہے"

(المفردات' جلد: 1' صفحہ: 144)

علامہ ابن نجیم (م 970ھ) فرماتے ہیں:

اگرچہ لغت کے اعتبار سے خرید و فروخت کرنے والوں میں سے ہر ایک کو بائع کہا جا سکتا ہے' تاہم بائع سے متبادر طور پر بیچنے والے کا مفہوم ذہن میں آتا ہے۔

(البحر الرائق' ج: 5' صفحہ: 256)

علامہ ابوالبرکات نسفی (م 710ھ) بیع کا شرعی معنی لکھتے ہیں:

هو مبادلة المال بالمال بالتراضى

(کنز الدقائق' کتاب البیوع' صفحہ: 207)

"باہمی رضامندی سے مال کے عوض مال کے تبادلہ (لین دین) کو بیع کہتے ہیں"

صاحب بحر' بدائع صنائع کے حوالے سے رقم طراز ہیں:



کسی مرغوب چیز کا مرغوب چیز سے تبادلہ بیع کہلاتا ہے۔

بیع کبھی قول سے ہوتی ہے اور کبھی فعل سے' اگر قولا ہو تو یہ ایجاب و قبول ہے (جیسے ایک نے کہا' میں نے "بیچا" اور دوسرے نے کہا "خریدا") اور فعلا ہو (جیسے ایک شخص قیمت ادا کر کے چیز لے لے اور زبان سے کچھ نہ کہے تو یہ بیع تعاطی ہے

(البحر الرائق' جلد: 5' صفحہ: 257)



بیع و شراء کی شرائط

(1) خرید و فروخت کرنے والے عاقل بالغ ہوں' پاگل اور ناسمجھ بچہ کی بیع درست نہیں۔

(2) ایجاب و قبول ایک مجلس میں ہو۔

(3) بیچی جانے والی چیز کا ملک میں ہونا ضروری ہے' جنگل کی لکڑیاں یا شکار کو فروخت کرنا جائز نہیں' ہاں اسے قبضہ میں لینے کے بعد فروخت کیا جا سکتا ہے----- یونہی اپنی مملوکہ زمین کے کنارے اگنے والی گھاس کی بیع درست نہیں کہ وہ مملوک نہیں۔

(4) بائع اور مشتری کا ایک دوسرے کے کلام کو سننا۔

(5) مبیع (بیچی جانے والی چیز) کا مال متقوم' ہونا ضروری ہے' اس لئے مردار کی بیع درست نہیں کہ یہ مال ہی نہیں----- یونہی خنزیر اور شراب کی بیع' کہ یہ مسلمانوں کے حق میں مال متقوم نہیں۔

(6) مبیع ملک میں ہونا اور مقدور التسلیم ہونا ضروری ہے' حمل کی بیع درست نہیں کہ ابھی اس کا قبضہ دینا اور خریدار کے سپرد کرنا ممکن نہیں' ہو

سکتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے پیٹ پھولا ہوا ہو یا حمل زندہ نہ ہو۔

(7) بیچی جانے والی چیز اور اس کی قیمت میں کوئی ابہام نہ ہو------ مثلا اگر کہے کہ ریوڑ میں سے کوئی بکری میں نے بیچی' تو یہ بیع درست نہیں ہو گی کہ اس طرح کی بیع مبہم ہونے کی وجہ سے باعث نزاع بن سکتی ہے۔

غرض اسلام نے ہر اس طریقہ کی ممانعت کر دی' جو دھوکہ دہی' اشتباہ اور نزاع کا باعث بنے۔ اسی لئے شریعت میں ذخیرہ اندوزی' ملاوٹ' جعلی اشیاء کی تیاری' دھوکہ دہی اور سٹہ وغیرہ کو حرام قرار دیا گیا ہے' تاکہ رزق حلال میسر آ سکے اور حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچا جا سکے۔



فقہائے کرام نے خرید و فروخت کے آداب و مسائل پر بہت تفصیل سے لکھا ہے---- کاش ہمارے ملک میں مکمل اسلامی قوانین کا نفاذ ہو' شرعی اصولوں کے مطابق خرید و فروخت اور تجارت کا نظام رائج ہو تاکہ اسلامی برکات کا ظہور ہو اور معاشرہ سرمایہ کارانہ استحصال سے نجات پا کر خوشحال ہو سکے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ آج کل چونکہ اسلامی قوانین کا نفاذ نہیں ہے اسی لئے تجارت میں بھی ان اصولوں کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی---- اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ فتاویٰ نوریہ کی اس جلد میں کتاب الفرائض بہت مفصل ہے' کیونکہ اس میں لوگوں کا مالی مفاد اور طمع ہے' اسی لئے وراثت کے مسائل کثرت سے پوچھے گئے' مگر خرید و فروخت کے معاملات میں کتاب البیوع کے اندر صرف نو (9) استفتاءات ہیں---- ظاہر ہے فتاویٰ میں صرف انہیں سوالات کا جواب دیا جاتا ہے



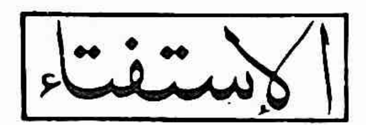
جن کے بارے میں استفتاء کیا جائے۔

اس موضوع پر استفتاءات کی کمی سے حرمت و حلت کے سلسلے میں عوام کی لاپرواہی اور تجارتی امور کے بارے میں شرعی احکام معلوم کرنے میں عدم دلچسپی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

(مرتب)



کِتابُ البیُوع





کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ قرض گندم شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا ماجورین من رب العالمین۔

المستفتی المحترم جناب سیّد مہر علی شاہ صاحب دام لطفہٗ



بلاشک و شبہہ و ریب قطعاً قرضِ گندم جائز ہے، عنایہ شرح ہدایہ ج۶ ص۲۷۹، مبسوط امام سرخسی علیہ الرحمہ ج۱۴ ص ۳۰، ۳۱، فتح القدیر ج۶ ص۲۷۹ و النظم من المبسوط الاقراض جائز فی کل مکیل او موزون وکذلک فی



العددیات المتقاربۃ یعنی قرض دینا جائز ہے ہر ایسی چیز میں جو ماپی جائے یا تولی جائے اور ایسے ہی گنتی کی ان چیزوں میں جن کے افراد میں زیادہ فرق نہ ہو، شامی ج۴ ص۲۴۹ میں ہے وفی الفتاویٰ الھندیۃ استقرض حنطۃ فاعطی مثلھا بعد ما تغیر سعرھا یجبر المقرض علی القبول، فتاویٰ عالمگیر ج۳ ص۱۰۰ استقرض رجل من رجل حنطۃ وامرہ ان یزرعہ فی ارض المستقرض فقد صح القرض البتہ گندم چونکہ شرعاً مکیل ہے لہذا یہ ضروری ہے کہ ناپ کر قرض دیا جائے اور ایسے ہی جبکہ گندم کو فروخت کیا جائے ناپنا ضروری ہے اور تول سے جائز نہیں اور روپیہ وغیرہ سے تول کر فروخت کرنا بھی جائز ہے، درالمختار ص۱۵۶ میں ہے وما نص الشارع علی کونہ کیلیا کبر وشعیر وتمر وملح او وزنیا کذھب وفضۃ فھو کذلک لا یتغیر ابدا فلم یصح بیع حنطۃ بحنطۃ الخ فتاویٰ عالمگیری ج۳ ص۹۸ میں ہے لاخیر فی قرض الحنطۃ والدقیق وزنا۔



باقی رہی وہ حدیث شریف جس میں یداً بیدٍ کی قید ہے، اس سے قرض کی ممانعت سمجھنی نہایت ہی بیجا ہے کہ اس حدیث شریف میں اور روایت رفع میں لفظ بیع مقدر ہے اور روایت نصب میں بیعوا، مبسوط ج۱۲ ص۱۱۰، ہدایہ مطبوع مع الفتح ج۶ ص۱۴۷، فتح القدیر، عنایہ شرح ہدایہ ج۶ ص۱۴۷: والنظم من العنایۃ وروی بروایتین بالرفع مثلاً بمثل وبالنصب مثلا بمثل ومعنی الاول بیع الحنطۃ (الیٰ ان قال ومعنی الثانی بیعوا، البحرالرائق ج۶ ص۱۲۷، قسطلانی شرح صحیح البخاری ج۴ ص۴۹، عینی شرح صحیح البخاری ج۱۱ ص۲۵۲ والنظم للعینی قولہ والبر بالبر ای وبیع البر



بالبر وھکذا یقدر فی البواقی، ترمذی شریف ج۱ ص ۱۴۹ میں حدیث مذکور کے ماتحت ہے والعمل علی ھذا عند اھل العلم لا یرون ان یباع البر بالبر الامثلا بمثل اور ایسے ہی بیع، موطا امام مالک ج۱ ص ۲۴۴ اور اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج۳ ص ۱۹ میں ہے بلکہ اس حدیث شریف کے طرق و روایاتِ کثیرہ میں مادۂ بیع موجود، حدیث دانی صرف اس کا نام نہیں کہ ایک روایت سے حدیث کو دیکھ لیا اور حکم لگا دیا بلکہ طرقِ مختلفہ پر نظر کرکے نتیجہ نکالنا لازم ہے، صحیح مسلم شریف ج۲ ص ۲۴ اور سنن الکبرٰی بیہقی ج۵ ص ۲۷۷ میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ہے ینھی عن بیع الذھب بالذھب الحدیث سننِ بیہقی ج۵ ص ۲۷۶، ۲۷۷ میں انہیں حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے لا تبیعوا الذھب بالذھب الحدیث، سنن ابن ماجہ ص۱۶۴ میں انہیں حضرت عبادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حدیث میں ہے نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الورق بالورق الحدیث تو روزِ روشن کی طرح معلوم ہوا کہ یداً بیدٍ کی قید بیع میں ہے تو خواہ مخواہ قرض کو اس حدیث شریف سے کیوں ممنوع قرار دیا جاتا ہے اور اگر یہی شوق دامنگیر ہے تو صرف قرض گندم نہیں بلکہ روپیہ اشرفی وغیرہ کا قرض بھی حرام ہو جائے گا کہ اس حدیث شریف میں گندم کے ساتھ سونے چاندی کا بھی ذکر ہے، یہ عجب کہ ایک چیز حرام ہو جائے اور دوسری حلال حالانکہ دونوں ایک ہی حدیث شریف میں یکساں مذکور ہوں، بیع تو مبادلۃ المال بالمال بالتراضی کا نام ہے اور قرض ما تعطیہ من مثلی لتتقاضاہ یعنی وہ مثلی شئے جسے دیا جائے اور اسی کا تقاضا کیا جائے یہیں سے معلوم ہوا کہ قرض درحقیقت ایک خاص قسم کی عاریۃ کا نام ہے تو جواز خود بخود





ہی ثابت ہوگیا۔

مبسوط ج ۱۴ ص ۱۳۱ میں ہے ان القرض فی معنی العاریۃ لان مایستردہ المقرض فی الحکم کانہ عین مادفع اذ لولم یجعل کذلک کان مبادلۃ الشیئ بجنسہ نسیئۃ وذلک حرام اور ایسے ہی ص ۳۴ میں ہے یعنی قرض معنیً عاریۃ میں ہے اور جو چیز قرض دینے والا واپس لیتا ہے حکماً ایسا ہے گویا کہ اسی چیز کو واپس لیتا ہے جس کو اس نے دیا ہے اور یہ مبادلہ نہیں، ہاں اگر مبادلہ ہوتا تو تمام مکیلات وموزونات میں قرض حرام ہوتا اور صرف گندم کی تخصیص نہ ہوئی مگر جب حقیقۃً مبادلہ نہیں تو جائز ہے اور صورتِ مبادلہ کا اعتبار نہیں اور یہی وجہ ہے کہ لفظ عاریۃ سے بھی قرض ثابت ہوجاتا ہے، مبسوط ج ۱۴ ص ۳۴، فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۲۰۰ میں ہے والنظم من الھندیۃ وعاریۃ کل شیئ یجوز قرضہ قرض تو اس وشمس کی طرح واضح ولائح ہوا کہ قرض گندم جائز ہے۔



واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی الحنفی القادری نورہ ربہ قوۃ علیٰ کل غبی وغوی

۲۱ رذی قعدہ ۱۳۶۳ھ

استقراض الحنطہ قطعاً جائز ہے، جو شخص اس کا منکر ہو گویا کہ وہ اقوال السلف اور حدیث شریف کا منکر ہے کیونکہ استقراض الحنطہ حدیث شریف اور معتبرہ کتبِ فقہیہ سے ثابت ہے، قبلہ مجیب صاحب



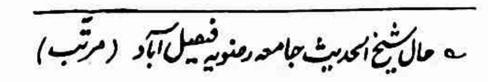
نے جو جواب فرمایا ہے، بالکل ان کے موافق ہے۔
فقیر غلام رسول غفرلہ نائب مدرس دارالعلوم حنفیہ فریدیہ

الاستفتاء



بحضرۃ عمدۃ الاماثل و زبدۃ الافاضل مولوی محمد نوراللہ صاحب
سلمہ اللہ تعالےٰ من المصائب

السلام علیکم قبل ازیں ایک مسئلہ لکھ کر حوالہ طالب علموں کو کیا تھا، امید کہ آپ کو مل گیا ہوگا لہٰذا حامل روانہ ہوتا ہے، آپ جواب مسئلہ لکھ کر حوالہ اس کے کر دیں، تاکید ہے، بوجہ عدم فرصت مکمل تحقیق نہیں کی گئی، کچھ تحقیق کی ہے کہ آپ کی تحقیق سے مکمل ہو جائیں گے، مختصر یہ ہے کہ ایک شخص کی چند موہراں و ایک نامہ دو ہر بڑیاں زری چوری ہو گئی ہیں، کیا یہ ذوات الامثال یا ذوات القیم ہیں اور اندازہ قیمت کس وقت کا ہو گا، وقت چوری یا خصومۃ یا فیصلہ جواب مسئلہ مفصل ہے، سند کتاب تحریر کریں، اگر نہ لکھا ہو تو لکھ کر حوالہ حامل ہذا کریں۔ اس مسئلہ میں مختلف فتوٰی علماء سے ہیں، کچھ فتوٰی میرے خلاف ہیں اور کچھ موافق، اس واسطے میں نے آپ سے فتوٰی طلب کیا



ﮧ حال شیخ الحدیث جامعہ رضویہ فیصل آباد (مرتب)



تاکہ تسلی ہو جائے۔

نصیر الدین بقلم خود از رکن پورہ ضلع منٹگمری





زیور از موزون ہے اور موزونات ذوات الامثال ہیں لہٰذا زیور مثلی ہے تو مضمون بالمثل ہوگا، رہا یہ شبہہ کہ جمیع موزونات ذوات الامثال نہیں کہ جن کی تبعیض مضر ہو وہ ذوات الامثال نہیں، تکملہ فتح القدیر ج ۸ ص ۲۴۹ میں ہے من الموزونات ما لیس بمثلی وھو الموزون الذی فی تبعیضہ ضرر کالمصوغ من القمقم والطشت ومثلہ فی العنایۃ شرح الھدایۃ (ج ۸ ص ۲۴۹) اور جن میں صنعت عباد کو دخل ہو وہ بھی مثلی نہیں، یہ دو عنوان ہیں، معنون تقریباً ایک ہی ہے۔

اقول یہ استثناء علی طریق العموم نہیں کہ زیور ضرور شامل ہو بلکہ بہت سی چیزیں مثلی ملتی ہیں جنہیں تبعیض ضرر دیتی ہے اور صنعت عباد سے ہیں مثلاً شامی ج ۵ ص ۱۶۰ میں فصولین سے ہے حتی لو کان سواء بان اتخذا عنی الصابونین من دھن واحد نضسن مثلہ، اسی صفحہ میں ہے اما

الکاغذ فمثلی کما فی الھندیۃ قلت وکذا فی الفصولین
اسی جلد کے ص ۱۶۱ میں ہے والخل والعصیر والدقیق والنخالۃ والجص
والنورۃ والقطن والصوف وغزلہ والتبن بجمیع انواعہ مثلی
لہذا شامی علیہ الرحمہ نے ہی تصریح فرمادی کہ اگر مماثلت مصنوعات میں ممکن ہو تو مثلی
ہوسکتی ہے ج ۵، ص ۱۶۰ فعلی ھٰذا ینبغی ان یقال ان امکنت المماثلۃ الخ
بلکہ دراہم ودنانیر کو تبعیض ضرور مضر پہنچاتی ہے اور صنعت عباد سے بھی ہیں مگر اجماعاً
مثلی ہیں وللہ الحمد علی حسن الافہام بلکہ درالمختار اور ردالمختار میں جو مثلیت
کا ضابطہ درر و منحہ وغیرہما سے بیان کیا ہے شامی کے یہ لفظ ہیں وقد فصل
الفقہاء المثلیات وذوات القیم ولا احتیاج الی ذلک فما یوجد لہ
المثل فی الاسواق بلا تفاوت یعتد بہ فھو مثلی ومالیس کذلک
فمن ذوات القیم، ہر کلیہ میں زیور ضرور داخل کہ اول تو اس کی مثل بازاروں
میں بلا تفاوت ہی مل سکتی ہے ورنہ تفاوت غیر معتد بہ کے ساتھ تو ضرور مل سکتی ہے
اور اختلافِ زمانہ کی وجہ سے نرخ کا مختلف ہونا مثلیت کو مضر نہیں، شامی ج ۴
ص ۲۳۹ میں ہے ولا ینظر الی غلاء الدراھم ولا الی رخصھا و
کذلک کل مایکال ویوزن (الی ان قال) وفی الفتوی الھندیۃ
استقرض حنطۃ فاعطی مثلھا بعد ما تغیر سعرھا یجبر المقرض
علی القبول، اسی صفحہ میں ہے ولھٰذا ظھر انہ لوکانت الدراھم
خالصۃ او غالبۃ کالریال الفرنجی فی زماننا فالواجب رد مثلھا الخ
ہاں اختلاف وتفاوت آحاد موزون ومکیل کی وجہ سے ثمن مختلف ہو جائے تو
مثلیت کو مضر ہے کما فی رد المحتار ج ۵ ص ۱۶۱ مفھوماً پس یہی ظاہر ہے





کہ زیور مثلی اور مضمون بالمثل ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی المحبوب المعلی و آلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۵۔۱۰۔ ۱۳۶۱ھ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ زید کپڑا خریدنے کے لئے کراچی روانہ ہوا تو بکر نے بھی بارہ سو روپیہ زید کو دیا کہ جیسا کپڑا اپنے لئے خریدیں ویسا ہی میرے لئے خرید کر لیتے آنا تو زید نے ویسا ہی کیا مگر علیحدہ نہ لایا، جب بکر مانگنے گیا تو کپڑا دینے کا نہ اقرار کیا نہ انکار اور اس کپڑے کو فروخت بھی بلا اجازت کرتا رہا، تین چار روز کے بعد کپڑا چوری ہوگیا تو بکر اپنے روپیہ کا زید سے مطالبہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

نیز آیاتِ قرآنی وحدیث شریف سے فتویٰ وغیرہ سے جواب مزین فرمایا جائے۔

مولوی غلام حسین ساکن چک $\frac{15}{10R}$ از سنگو کا ضلع منٹگمری







زید اندریں صورت وکیل ہے اور وکیل امین ہوتا ہے اور امین پر لازم کہ امانت کی رعایت کرے اور خیانت نہ کرے اور ایسے ہی زید نے وعدہ کیا اور وعدہ کی وفا بھی ضروری ہے، حضرتِ رب العلمین ارشاد فرماتا ہے والذین ھم لاٰمٰنٰتھم وعھدھم راعون، سورۃ المؤمنون وسورۃ المعارج تفسیر ارشاد العقل السلیم کبیر، بیضاوی، جلالین، صاوی، جمل، مدارک، معالم التنزیل، خازن میں ان امانت وعہد کے عموم کو عموم پر ہی برقرار رکھا، خازن کے کلمات یہ ہیں ومنھا ما یکون بین العباد کالودائع والصنائع والاسرار وغیر ذٰلک فیجب الوفاء بہ ایضًا۔ (ج ۵ ص ۲۷)

حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ راوی کہ حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کے تین نشان بیان فرمائے اگرچہ وہ روزے دار اور نمازی اور اسلام کا مدعی ہو، جب بات کرے، جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے، پورا نہ کرے اور جب امین بنایا جائے، خیانت کرے، اٰیۃ المنافق ثلاث زاد مسلم وان صام وصلی وزعم انہ مسلم ثم اتفقا اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا اؤتمن خان، مشکوٰۃ شریف ص ۱۷،

ان دو آیتوں اور ایک حدیث شریف کے علاوہ صدہا آیات و احادیث سے ثابت کہ رعایتِ امانات وعہد نہایت ضروری ہے، تو زید کا کپڑا ملا دینا جو امانت



میں خیانت اور وعدہ خلافی ہے، بدترین جرم ہے اور موجبِ ضمان ہے، مبسوط ج ۱۱ ص ۱۱۰، فتاوٰی قاضیخان ج ۴ ص ۷۶۰، سراجیہ ص ۸۳، ہدایہ ج ۳ ص ۲۵۷، عنایہ ج ۷ ص ۴۵۵، کفایہ ج ۷ ص ۴۵۵، فتاوٰی عالمگیری ج ۳ ص ۴۶۹، وقایہ شرح الوقایہ ج ۴ ص ۲۸۲، کنزالدقائق ص ۲۹۹، قدوری ص ۱۵۰، بحرالرائق ج ۷ ص ۲۷۶، تنویرالابصار، درالمختار ردالمحتار ج ۴ ص ۶۸۵، خلاصۃ الفتاوٰی ج ۴ ص ۲۸۱ والنظم من التنویر لو خلطها المودع بماله بغیر اذن بحیث لا تتمیز ضمنها، درالمختار وغیرہ اسفارِ مذکورہ میں یہ علت بیان فرمائی لاستھلاکہا بالخلط، بحرالرائق ج ۷ ص ۱۴۱، درالمختار تصریحاً وشامی تقریباً ج ۴ ص ۵۶۲ میں ہے انہ امین خصوصاً جب بکر نے یہ شرط کیا کہ الگ للئے کہ شرطِ مؤکل کا اعتبار ضروری ہے اور اسی بنا پر وکیل کو امین کیا اور بارہ سو روپیہ کا گراں قدر سرمایہ دیا، شامی ج ۴ ص ۵۶۵ میں ہے وجملۃ الامر ان کل ما قید بہ المؤکل ان مفیدا من کل وجہ یلزم رعایتہ، نیز مؤکل کے مطالبہ کی صورت میں نہ دینا بھی عندالقدرۃ موجبِ ضمان ہے، زبان سے تو اگرچہ زید نے انکار نہیں کیا مگر فروخت کرنا جو شروع کردیا، یہ دلیلِ حبس وغصب ہے جو موجبِ ضمان ہے، کنزالدقائق ص ۲۹۹، بحرالرائق ص ۲۷۵ درالمختار شامی ج ۴ ص ۶۸۲، ہدایہ ج ۳ ص ۲۵۷، عنایہ ج ۷ ص ۴۵۴، فتاوٰی عالمگیری ج ۳ ص ۱۷۴ والنظم من الھندیۃ فان طلبہا صاحبہا فحبسہا عنہ وھو یقدر علٰی تسلیمہا ضمن تو اگر ملا دینے کی وجہ سے ضمانت شرعاً لازم ہوتی تب بھی اس وجہ سے ضمان لازم ہوجاتی۔

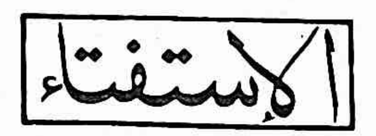
الحاصل زید پر لازم کہ بکر کے کپڑے کی قیمت بطور ضمان بطیبِ خاطر



ادا کر دے کہ دنیا و آخرت میں رسوا نہ ہو، حدیث شریف میں ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الا لا ایمان لمن لا امانۃ لہ ولا دین لمن لا عہد لہ، خبردار نہیں ایمان اس شخص کا جو امین نہیں اور نہیں دین اس کا جو وفادار نہیں رواہ البغوی فی المعالم باسنادہ حضرت رب العالمین فرماتا ہے یا ایہا الذین اٰمنوا اوفوا بالعقود اور یہ بھی تاکیداً فرمایا ہے ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامٰنٰت الیٰ اھلہا بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ادا کرو، تفسیر خازن، معالم التنزیل، ابو السعود، کبیر، جلالین، بیضاوی وغیرہا میں ہے والنظم من الخازن لا یمتنع من خصوص السبب عموم الحکم فیدخل فی ذٰلک جمیع الامٰنٰت التی یحملہا الانسان۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ واٰلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ



الاستفتاء

ایک آدمی نے اپنی گائے کی قیمت یکصد روپیہ مقرر کر کے کسی دوسرے



آدمی کو پچاس روپیہ وصول کر کے نصف پر دے دی، بعد ازاں وہ مر گئی یا چوری ہو گئی تو کیا پچاس روپیہ اپنے حصہ کا اس مشتری نصف سے لے سکتا ہے یا نہیں؟





شرعاً اس صورت کا نام شرکت ہے اور شرکت بھی صحیح ہے فتاوی عالمگیری ج۲ ص ۳۰۹ میں ہے والحیلۃ فی ذلک ان یبیع نصف البقرۃ من ذلک الرجل ونصف الدجاجۃ ونصف بذر الفیلق بثمن معلوم حتی تصیر البقرۃ واجناسہا مشترکۃ بینہما فیکون الحادث منہا علی الشرکۃ کذا فی الظہیریۃ اور شریک شرعاً امین ہے، قدوری ص ۱۲۵، شرح الوقایہ ج ۲ ص ۱۰۴، در المختار رد المحتار ج ۳ ص ۴۷۸، کنز الدقائق، بحر الرائق ج ۵ ص ۱۸۰، ہدایہ، فتح القدیر ج ۵ ص ۴۰۴ میں ہے والنظم من الہدایۃ ویدہ فی المال ید امانۃ فتح القدیر میں ہے ای ید الشریک مطلقا اور امین پر بلا تعدی ضمان نہیں و ذا مفہوم شرعا اور شرح الوقایہ ج ۲ ص ۱۰۴، فتاویٰ ہندیہ

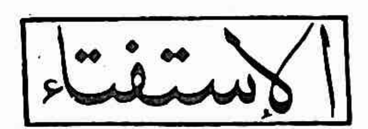


ج ۲ ص ۳۰۶، ۳۰۷ میں ہے والنظم من الهندية و ما ضاع من مال الشركة في يد احدهما فلا ضمان عليه في نصيب شريكه و يقبل قول كل واحد منهما في متاع ضاع مع يمينه كذا في البدائع، شامی ج ۳ ص ۳۴۸ میں ہے قوله والضياع اى ضياع المال كله او بعضا ولو من غير تجارة تو مشتری نصف پر جو بائع کا شریک اور امین بھی ہے، ضمان نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و صحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ نصرہ ربہ و قواہ

۱۵؍ ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ



نوٹ:- رجسٹر میں سوال درج نہیں صرف درج ذیل عبارت تحریر ہے۔ (مرتب)

"حضرت مولانا مولوی نصیر الدین صاحب رکن پوری کے سوال کا جواب"





بگرامی خدمت امثل البرکت حضرت مولانا صاحب دامت نصرتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :- مزاج ہمایوں !

حسب تصریح فقہاء کرام مضاربت میں صورت خسران میں شرط اشتراک رب المال ومضارب فی الخسران باطل ہے اور مضاربت صحیحہ ہوتی ہے، بدائع صنائع ج ۶ ص ۸۶، ہدایہ ج ۳ ص ۲۴۲، عالمگیری ج ۳ ص ۴۳۵ میں ہے والنظم من البدائع لو شرطا فی العقد ان تکون الوضیعۃ علیہما بطل الشرط والمضاربۃ صحیحۃ مگر اصل قیاس عدم جواز ہے اور جزئیات ومسائل عامہ کی بناء عرف وعادت تجار پر ہے جو صورت رسم وعادت تجار میں آجائے وہ جائز ہے جب تک نص آیت حدیث کی تصریح غیر ماؤل کے مصادم ومتعارض نہ ہو، کتب مذہب مہذب کی مضاربت دیکھئے استدلالات مسائل میں من صنع التجار من رسم التجار، عادۃ التجار عرف التجار متعارف التجار المعروف بین التجار کے ہم معنی کلمات متکرر ومکرر گونج رہے ہیں جن سے نمایاں وہویدا ہے کہ مبنی ومدار عرف وعادت ہے بلکہ خود فقہائے کرام نے تصریح کلیت عرف وعادت فرمادی، بدائع ج ۶ ص ۸۸ میں ہے تصرف المضارب مبنی علی عادۃ التجار، مبسوط ج ۲۲ ص ۵۳ میں ہے



ماھومن صنع التجار یملک المضارب بمطلق العقد،

ہدایہ ج ۳ ص ۲۵۱ میں ہے لہ الامر العام المعروف بین الناس

نیز مبسوط ج ۲۲ ص ۴۷ میں ہے تصرف المضارب غیر مقید بمثلہ

بل بما ھو من صنع التجار عادۃ، تنویر الابصار میں ہے او اعتادہ

التجار، درالمختار میں ہے ھٰذا ھو الاصل، نہایہ اور شامی نے مقرر کہا ہے

ج ۴ ص ۴۷۷، نیز مبسوط ج ۲۲ ص ۴۵ میں ہے. ما لیس من صنع

التجار عادۃ کشراء السفینۃ یؤخذ باصل القیاس فیہ

اور حدوث و قدوم عرف دونوں کا اعتبار ہے للاطلاقات المذکورۃ

والاطلاق حجۃ قویۃ کما بین فی مظانہ اور جزئیات خاصہ سے

بھی ہویدا ہے۔

تمام متقدمین متفق ہیں کہ اگر مال مضاربت میں سلطان جابر طمع کرے

اور مضارب دفع شر کی غرض سے کوئی چیز دے کر نجات حاصل کرے تو اس کی ضمان لازم ہوگی

مضارب پر مگر متاخرین نے عدم ضمان کی تصریح فرمادی، مبسوط ج ۲۲ ص ۹۶

عالمگیر ج ۳ ص ۳۶۳، عقود الدریہ ج ۲ ص ۳۴، ۴۷ میں ہے والنظم من

العقود قال مشائخنا رحمھم اللہ تعالیٰ فی زماننا لا ضمان

علی المضارب فیما یعطی من مال المضاربۃ الی سلطان

طمع الخ یونہی اگر مضارب مال مضاربت اپنے مال میں ملا دے تو ضمان

پڑتی ہے مگر متاخرین نے فرمایا، اگر عرف عام ہو جائے تو ضمان نہیں، عقود الدریہ

ج ۲ ص ۷۳ میں ہے وغلب ھٰذا التعارف فانہ لو خلط المضارب

ذلک لا یضمن، ثلثین ج ۲ ص ۱۳۱ میں ہے ان المفتی لیس



له الجمود على المنقول فى كتب ظاهر الرواية من غير مراعاة الزمان واهله والا يضيع حقوقا كثيرة ويكون ضرره اعظم من نفعه، نیز ص ۱۳۲ میں ہے من البحر عن الكافى والاحكام تبتنى على العرف فيعتبر فى كل اقليم وفى كل عصر عرف اهله نیز ص ۱۳۳ میں ہے فهذه المنقول ونحوها دالة على اعتبار العرف الخاص وان خالف المنصوص عليه فى كتب المذهب مالم يخالف النص الشرعى

نیز اسی میں ہے ليس للمفتى ولا القاضى ان يحكما بظاهر الرواية ويتركا العرف رد المحتار ج ۴ ص ۴۹۰، ثلاثین ج ۲ ص ۱۴۲ میں علامہ عینی سے ہے والبناء على العادة الظاهرة واجب

میں نے اچھی طرح استفسار کیا ہے، آج عرفِ عام یہ ہے کہ رب المال ومضارب دونوں شریکِ نفع ونقصان ہوتے ہیں تو فتوائے جواز چاہیے بلکہ لازم ولابدی ہے۔



والله تعالىٰ اعلم وصلى الله تعالىٰ على حبيبه وآله وصحبه وبارك وسلم۔

باقی سائل زبانی عرض کرے گا باذنہ تعالے۔

عزیز محمد سعید وحافظ صاحب وغیرہم احباب سے سلامِ مسنون الاسلام۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۰ ر رمضان المبارک



الاستفتاء



کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ غلام محمد سہو اور قائم دتو کی دکان آڑھت کی میاں چنوں میں تھی اور قائم دتو نے غلام محمد کو کہا تھا کہ میں چک میں دکان پر کام کرتا رہوں گا اور تو آڑھت کی دکان چلا اور نفع ونقصان ہمارا، تمہارا یہاں اور وہاں کا نصف ونصف ہوگا لہٰذا غلام محمد کام کرنے لگ گیا، روئی کے موقع پر کچھ زمینداروں اور دکانداروں نے کہا کہ ہمارا سودا کارخانہ سے کرادے تو اس نے ان کی کپاس کا جو اُترنے والی تھی، چونتیس روپے فی من کے حساب سے کرادیا، جب کپاس اترنے لگی تو بھاؤ تیز ہوگیا، زمینداروں اور دوکانداروں نے مال نہ دیا، کارخانہ والوں نے غلام محمد سے مال طلب کیا، غلام محمد نے آکر قائم دتو کو کہا کہ میاں یہ بات ہے تو بھی کوشش کر اور میں بھی کرتا ہوں، وہ چپ رہا، غلام محمد نے کوشش کرکے مال پورا تو کیا لیکن پھر بھی بھاؤ کی گرانی کی وجہ سے جو کہ تقریباً پینتالیس، پچاس روپیہ کو پہنچ چکا تھا ۱۹۵۱/.. روپیہ خسارا پڑا، اب قائم دتو انکار کرتا ہے کہ میں نہیں ادا کرتا، تو اکیلا ادا کردے لیکن میاں چنوں اور بورے والہ وغیرہ کے آڑھتی اور سیکرٹری وغیرہ نے فیصلہ دیا ہے کہ یہ چیز ہماری آڑھت کے سودوں میں عام رائج ہے اور عرف عام کو پہنچ چکی



ہے کہ اس سے متنازع فیہ مقدمہ میں دونوں فریق نصف ونصف کے ذمہ دار ہیں اور مولوی ولی محمد نے قائم دتّو کے حق میں فیصلہ دیا تھا لیکن بورے والہ میں جب اس نے تحقیق کی تو پہلے فیصلہ کو رد کر دیا اور اپنی قلم سے لکھ دیا کہ میں نے پہلا فیصلہ جو کیا تھا وہ بغیر تحقیق کے تھا، اب تحقیق کرنے سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ سودا کنٹریکٹ آڑھت میں ہی شامل ہے اور دونوں فریق نصف ونصف کے خسارہ کے ذمہ دار ہیں مولوی ولی محمد کی قلمی تحریر اور آڑھتیوں کے فیصلہ جناب کی خدمت میں حاضر کئے گئے ہیں، جناب مہربانی فرماکر شریعت کے رو سے مدلل فیصلہ فرمائیں کہ آیا یہ رقم قائم دتّو کو دینی آتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

السائل: غلام محمد ولد احمد دین قوم سہو سکنہ چک ۲۵/۱۴-ایل
تحصیل وضلع منٹگمری
۲۷۔۱۰۔۵۷

نوٹ: دیگر عرض یہ ہے کہ یہ جھگڑا ہمارا چھ سال سے چلا آرہا ہے اس پر جو کچھ میرا خرچ آیا ہے اس کے لینے کا بندہ حقدار ہے یا نہیں؟

(سائل نے استفسار کے ساتھ ہی ایک میاں چنوں کی ۵۷-۹-۱۵ کی تحریر (جس میں بہت سے معتبر آڑھتیوں کے دستخط تھے) حاضر کی اور ایک منڈی بورے والہ کے آڑھتیوں کی ۵۷-۹-۱۶ کی تحریر (جس میں ذمہ دار آڑھتیوں کے دستخطوں کے علاوہ مولوی ولی محمد کی قلمی تحریر موجود تھی) بھی حاضر کی۔)





۱۔ صورتِ مندرجہ بالا میں شرعاً مسمیٰ قائم ڈلو پر لازم کہ حسب دستور و رواج مسمی غلام محمد سہو کو نصف رقم خسارہ ۹۷۵/۸ ادا کر دے کہ شرعاً عرف و رواج کا بڑا اعتبار ہے حتی کہ فقہاءِ کرام نے تصریح فرمائی کہ مفتی و قاضی کے لئے یہ جائز نہیں کہ عرف کے خلاف فتوے یا فیصلہ کریں۔ رسائلِ شامی ج ۲ ص ۱۳۳ میں ہے لیس للمفتی ولا للقاضی ان یحکما بظاھر الروایۃ ویترکا العرف الخ اور ص ۱۳۱ میں فرمایا والا یضیع حقوقا کثیرۃ ویکون ضررہ اعظم من نفعہ۔ یعنی اگر مفتی عرف و رواج کے خلاف فتوے تو بہت سے حق ضائع کر دے گا اور اس کی ضرر اس کے نفع سے بہت بڑی ہو گی بلکہ علماء فرماتے ہیں کہ جسے اہلِ زمان کے عادات واطوار معلوم نہ ہوں تو وہ جاہل ہے یعنی فتویٰ نہیں دے سکتا، رسائل کے ج ۲ ص ۱۳۰ میں ہے من لم یکن عالما باھل زمانہ فھو جاھل، رسائل ج ۲ ص ۱۲۷ میں ہے من المسائل التی اختلف حکمھا لاختلاف عادات اھل الزمان و احوالھم التی لابد للمجتھد من معرفتھا وھی کثیرۃ جدا لایمکن استقصاؤھا۔

اور مشائخ عظام نے یہ بھی تصریح فرمائی کہ ایسے احکام کا ابتناء عرف پر ہے، شامی ردالمحتار ج۴ ص ۲۶۲، ۲۶۳ اور رسائل ج۲ ص ۱۳۲ میں بحرالرائق سے اور بحرالرائق ج۶ ص ۱۳۶ میں کافی سے ہے والاحکام تبتنی علی العرف فیعتبر فی کل اقلیم وکل عصر عرف اھلہ، درالمختار شامی ج۳ ص ۵۱۸ میں ہے ان التعامل یترك به القیاس لحدیث ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن، شامی فرماتے ہیں و فی شرح البیری عن المبسوط ان الثابت بالعرف کالثابت بالنص نیز شامی ج۴ ص ۴۹۰ میں ہے قال العلامۃ العینی و البناء علی العادۃ الظاھرۃ واجب، ج۴ ص ۴۹۱ میں ہے بل مثلہ کل ما جرت العادۃ به۔ اور الاشباہ والنظائر میں فتاوٰی ظہیریہ اور فتاوٰی بزازیہ سے ہے المشروط عرفا کالمشروط شرعا۔

جسے کوئی شک وشبہ یا زیادتِ تحقیق کا شوق ہو تو رسالہ نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف اور ردالمحتار وغیرہ کا مطالعہ کرے، پھر یہاں تو قائم دلّو نقصان کا صراحۃً التزام بھی کر چکا تو حکمِ قرآنِ کریم اوفوا بالعقود کی بنا پر بھی لازم کہ حصہ خسارہ ادا کرے۔



۲۔ قائم دلّو پر جائز و صحیح خرچ مقدمہ ادا کرنا بھی ضروری ہے لحکم العرف۔

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم



وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ بروز اتوار بوقتِ عصر

<u>تصدیق</u>

حضرت امامِ اہلسنت والجماعت سید قبلہ ابوالبرکات سید احمد مدظلہم العالی جو مولانا غلام صابر صاحب نے مؤرخہ ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۸ھ کو کروائی۔

"حضرت مولانا مفتی ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب متع اللہ المسلمین بانوار علومہ نے متخاصمین کے بارہ جو فتوٰی ارقام فرما کر حکم صادر فرمایا ہے، اگر تاجروں کے مابین یہی عرف ورواج ہے تو بلاشبہہ درست و واجب العمل ہے فقط کما فی المبسوط الثابت فی العرف کالثابت بالنص

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

فقیر قادری ابوالبرکات غفرلہٗ

ناظم و مفتی دار العلوم مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور پاکستان"



مہر دار الافتاء

مرکزی انجمن حزب الاحناف، ہند، لاہور

<u>تائید از</u>

(تحریکِ پاکستان کے ممتاز رہنما، غازیٔ کشمیر، مجاہد تحریکِ ختمِ نبوت حضرت علامہ ابوالحسنات قادری (مرتب))

جواب صحیح ہے

ابوالحسنات سید محمد احمد قادری خطیب جامع مسجد وزیر خان، لاہور

مہر

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک شخص جو کہ گندم وغیرہ کی تجارت کرتا ہے، بایں وجہ دکان میں گندم چنے وغیرہ جمع کر کے رکھتا ہے، گندم کی آمد و رفت ہمیشہ رہتی ہے اور موجودہ نرخ جو بھی ہو اس کے مطابق خرید و فروخت ہوتی رہتی ہے اور فصل کے موقع پر گندم اکٹھی کرتا ہے پھر اسے موجودہ جو بھی نرخ ہو اس کے مطابق وقتاً فوقتاً فروخت کرتے رہتے ہیں، یہ تجارت شرعاً کیسی ہے اور ایسے تاجر کے ساتھ مل کر کام کیا جائے تو کیا حکم ہے؟ ذرا وضاحت سے بیان فرمائیں، عین نوازش ہو گی، بینوا توجروا۔

سائل: محمد سلیمان از ملیسی بمعرفت حضرت مولانا غلام حسین صاحب خطیب ملیسی



ایسی تجارت شرعاً جائز ہے اور نیک نیتی ہو تو ثواب بھی ہے، اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے احل اللہ البیع نیز فرمایا الا ان تکون تجارۃ



عن تراض، گندم نخود وغیرہ میں شرعاً ایک صورت تجارت کی ناجائز ہے جسے احتکار کہا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ شہر کا غلہ جمع کرے اور انتظار گرانی یا انتظار قحط میں رہے اور جلدی فروخت نہ کرے اور لوگوں کی تکلیف کا باعث بنے، فتاوٰی عالمگیری ج ۳ ص ۱۰۳ میں ہے و ذلك ان یشتری طعاما فی مصر و یمتنع من بیعه و ذلك یضر بالناس اور اگر لوگوں کو فروخت نہ کرنے سے تکلیف نہ ہو تو خرید کر رکھنا احتکار و ناجائز نہیں، اسی میں ہے وان اشتری فی ذلك المصر وحبسه ولا یضر باهل المصر لا بأس به اور یہ شخص تو فروخت کرتا رہتا ہے اور لوگوں کو غلہ جمع کرکے بھوکا نہیں رکھتا تو اس میں کسی کا نقصان نہیں بلکہ زمینداروں کا مفاد ہے، اگر ایسی خرید و فروخت بھی جائز نہ ہو تو زمیندار بچارے جنس جمع کرکے رکھیں تو ان کے ضروریات کیسے پورے ہوں؟ بہر حال یہ صورت احتکار نہیں اور جب جائز ہے تو مل کر کام کرنا بھی ناجائز نہیں بلکہ بہتر ہے کہ اہل اسلام کا میل جول شرعاً محمود ہے اور وہی آیتیں بھی جواز کی کافی دلیل ہیں۔



واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبه وآله واصحابه وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۲۵ ذی الحجۃ المبارکہ ۸۳ھ

۵/۶۴



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں ایک درس گاہ مسجد میں چالو کیا گیا اور فطرانہ زکوٰۃ وغیرہ کی آمدنی سے مدرسہ کے نام سپیکر خریدا گیا، کچھ عرصہ بعد درس گاہ علیحدہ ہونے کی صورت میں لاؤڈ سپیکر مسجد والے چند لوگ ملکیت سمجھ کر درس گاہ کو حقوقِ ملکیت سے محروم کر دیا اور سپیکر مسجد میں استعمال ہو رہا ہے جس کا شرارت فساد کے ہونے سے اچھے نتیجہ کی امید نہیں لہذا شرعاً فیصلہ کا کیا حکم ہے، بینوا توجروا۔

حاجی محمد یوسف بقلم خود ولد محمد رمضان

مہتمم مدرسہ جامعہ غوثیہ حضرت خواجہ محمد پناہ رحمۃ اللہ تعالیٰ ۱۲ ۷/۲۶





اگر لاؤڈ سپیکر مسجد کے لئے نہیں، مدرسہ کے لئے خریدا گیا ہے تو وہ مدرسہ کا ہی ہے، اس پر کسی کو اختیار نہیں کہ مسجد کا سمجھ کر مسجد کا قبضہ کرادیں، اذان وغیرہ اس پر ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ ناجائز طریقہ سے حاصل کردہ



چیز مسجد کے لئے اور زیادہ غیر مناسب ہے، اللہ تعالیٰ کے پاک گھر میں پاک چیز ہی استعمال کی جائے، حدیثِ پاک میں ہے ان اللہ طیب لا یقبل الا طیبا لہذا ان لوگوں پر لازم ہے کہ مدرسہ کا حق مدرسہ کے سپرد کر دیں، قرآنِ کریم میں ہے ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامنٰت الیٰ اھلھا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۲ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ ۱۸-۹-۷۶





الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور بکر دو حقیقی بھائی تھے، بقضائے الٰہی زید کا چھوٹا بھائی بکر فوت ہوگیا، زید نے اپنے برادرزادوں کی کفالت اپنے ذمہ لے لی، ان کے تمام حقوق پورے کئے اب وہ خود صاحبِ اولاد ہیں اور اپنی اولاد کے خود کفیل ہیں، کاروبار کے لحاظ سے وہ کسی کے محتاج نہیں، زید کی اولاد بھی جوان ہو چکی ہے اس کو ذاتی طور پر وسعت مکانی کی ضرورت ہے اس لئے اس کا مطالبہ ہے کہ اس کے بھتیجے



مکان خالی کردیں لیکن وہ اس شرط پر مکان خالی کریں گے کہ ان کا تایا زید انہیں مبلغ تین ہزار روپے پہلے دے ورنہ وہ مکان خالی نہیں کریں گے، کیا اس طرح کا شرطیہ لین دین شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

نوٹ:۔ حلفیہ بیان کیا جاتا ہے کہ امرتسر کے غیر دعوے دار مہاجر ہونے کی حیثیت سے زید نے اس مکان کو نقد معاوضہ میں حاصل کیا ہے اس میں بکر کا قطعاً کوئی حصہ یا دخل نہیں۔





جبکہ زید ان کا محسن و مربّی ہے اور بلا معاوضہ ان کی پرورش اور دوسرے حقوق پورے کئے ہیں تو ان کا تین ہزار روپے کا مطالبہ بالکل بے جا ہے جو کسی وجہ سے قطعاً جائز نہیں خصوصاً جبکہ ان کے عقائد و اعمال و اقوال بھی شریعت غرا کے خلاف ہیں تو زید پر لازم ہے کہ ان کو ایک پیسہ بھی نہ دے بحکم الآیات والاحادیث و الفقہ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ



وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۸-۳-۷۹



سُود

یا ایها الذین آمنوا اتقوا اللّٰہ و

ذروا ما بقی من الربٰو ان کنتم

مومنین ٥ فان لم تفعلوا فاذنوا

بحرب من اللّٰہ و رسولہ

(البقرہ : ٧٩ ٢٧٨)



"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود میں سے' اگر تم ایمان رکھتے ہو' پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اعلان جنگ سن لو' اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے"



لعن رسول اللہ ﷺ اکل الربٰو و موکلہ و کاتبہ و شاھدیہ و قال ھم سواء

(صحیح مسلم ، باب الربو)

"رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے، سود دینے والے، سود لکھنے والے اور سود کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ وہ سب (اس جرم میں) برابر ہیں"





تعارف

کتاب الربٰو



اللہ تعالیٰ مالک الملک اور قادر مطلق ہے' اس نے بندوں کی بہتری کے لئے جو احکام مقرر فرمائے ہیں وہ سراسر مبنی بر حکمت ہیں' اس نے ہمیں جو دین عطا فرمایا' اس میں امن و سلامتی' محبت و اخوت' عفو و درگذر اور ہمدردی و خیر خواہی کا حکم دیا گیا ہے۔ اسلام ایسے عادلانہ معاشی و سماجی نظام کا تصور پیش کرتا ہے جو لوٹ مار' دھوکہ دہی اور ظلم و استحصال سے پاک ہو' اسلام کی منشا یہ ہے کہ دولت کی منصفانہ تقسیم ہو اور یہ صرف چند ہاتھوں میں مرتکز ہو کر نہ رہ جائے بلکہ صدقات و عطیات کی صورت میں دولت امیروں سے منتقل ہو کر غریبوں کی طرف آئے' اس کے برعکس ربو پر مبنی (سودی) نظام غریبوں سے دولت لوٹ کر امیروں کی تجوریاں بھرتا ہے۔

ربٰو کا معنی

ربو کا مادہ "ر' ب' و" ہے---- یہ زیادتی' نمو' اضافہ' بڑھوتری'



بلندی اور چڑھائی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے----- شیخ ابوالبرکات نسفی علیہ الرحمہ (م 710ھ) اس کا شرعی معنی یوں بیان کرتے ہیں:

هو فضل مال خال عن العوض فی معاوضة مال بمال

(مدارک التنزیل، ج: 1، صفحہ: 107)

"بلا معاوضہ مال، مال پر زیادتی، ربو ہے"

یہ لفظ الف، واو اور یاء کے ساتھ ربا، ربو اور ربیٰ تینوں طرح لکھا جا سکتا ہے۔ ربا کی دو قسمیں ہیں:

(1) ربا النسیئہ

(2) ربا الفضل



ربا النسیئہ

سود کی یہ قسم قرض کی صورت میں تھی، امام فخرالدین رازی (م 606ھ) نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

اما ربا النسیئة فهو الذی کان مشهورا فی الجاهلیة، و ذلک انهم کانو یدفعون المال علی ان یاخذوا کل شهر قدرا معینا، و یکون راس المال باقیا، ثم اذا حل الدین طالبو المدیون براس المال، فان تعذر علیه الاداء زاد فی الحق و الاجل، فهذا هو الربا الذی کانوا فی الجاهلیة یتعاملون به

(تفسیر کبیر، ج: 7، صفحہ: 91)

"ربا النسیئہ ایسا امر ہے جو زمانہ جاہلیت میں مشہور اور متعارف تھا، اس کی صورت یہ ہوتی کہ لوگ کسی شخص کو اس شرط پر قرض دیتے کہ وہ اس کے عوض ہر ماہ معین رقم ادا کرتا رہے گا،



جبکہ اصل رقم مقروض کے ذمہ واجب الادا رہے گی' مدت پوری ہو جانے کے بعد قرض خواہ' مقروض سے اصل زر کا مطالبہ کرتا جسے مقروض اگر ادا نہ کرسکتا تو قرض خواہ مدت ادائی اور شرح سود میں اضافہ کر دیتا' زمانہ جاہلیت میں یہ طریقہ عام طور پر رائج اور متداول تھا" (اور موجودہ دور کے سودی قرضوں کی زیادہ تر یہی صورت ہے)

ربا النسیئہ کو ربا القرآن بھی کہتے ہیں' کیونکہ اس کی حرمت قرآن کریم کی نص قطعی سے ثابت ہے۔



ربا الفضل

ہم جنس وزنی یا کیلی اشیاء میں زیادتی کے ساتھ دست بدست اور نقد و نقد بیع کو ربا الفضل کہتے ہیں' مثلا ایک صاع (ٹوپہ) گندم کو دو صاع گندم کے معاوضہ میں نقد فروخت کیا جائے----- ربا الفضل کو ربا الحدیث بھی کہتے ہیں اور اس کی حرمت حدیث پاک سے ثابت ہے----- حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الذهب بالذهب و الفضة بالفضة و البر بالبر و الشعير بالشعير و التمر بالتمر و الملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء يدا بيد فاذا اختلفت هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يدا بيد

(صحیح مسلم' جلد: 2' صفحہ: 25)

"سونے کو سونے کے عوض' چاندی کو چاندی کے' گندم کو گندم کے' جو کو جو کے' کھجور کو کھجور کے اور نمک کو نمک کے



عوض برابر برابر اور دست بدست فروخت کرو اور اقسام مختلف ہوں
تو جیسے چاہو بیع کرو (یعنی کمی بیشی کے ساتھ بیع کا اختیار ہے)
بشرطیکہ دست بدست ہو"

فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ حرمت کا یہ حکم ان چھ اشیاء کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جو چیزیں ان کے معنی میں شریک ہوں ان میں بھی تفاضل کے ساتھ بیع حرام ہے۔ البتہ ان چھ چیزوں میں حرمت ربا کی علت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے' ملاجیون (م 1130ھ) لکھتے ہیں:

فعلل ابو حنیفۃ بالقدر و الجنس و الشافعی بالطعم و الثمنیۃ و مالک بالاقتیات و الادخار

(نور الانوار' صفحہ: 71)

"امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ (م 150ھ) قدر (ماپ تول) اور جنس میں اتحاد کو' امام شافعی رضی اللہ عنہ (م 204ھ) طعم (غذائیت) اور ثمنیت کو' امام مالک رضی اللہ عنہ (م 179ھ) غذائیت اور ذخیرہ کے قابل ہونے کو علت گردانتے ہیں"



احناف کے نزدیک چونکہ قدر و جنس کا اعتبار ہے' لہٰذا ہر وہ چیز جس کی بیع ماپنے یا تولنے سے ہوتی ہے' اتحاد جنس کی صورت میں اس کی تفاضل کے ساتھ نقد بیع حرام ہوگی اور ادھار میں برابر برابر بھی حرام ہے۔ لہٰذا ایک صاع گندم کے بدلے دوصاع گندم کی بیع نقد اور ادھار دونوں صورتوں میں ناجائز ہے اور ایک صاع گندم کی ایک صاع گندم کے ساتھ بیع نقد و نقد جائز اور ادھار میں حرام ہے۔ اگر قدر و جنس میں سے ایک وصف پائی جائے تو



تفاضل جائز اور ادھار ناجائز ہے' چنانچہ ایک صاع گندم کے بدلے دو صاع جو کا نقد لین دین کیا جا سکتا ہے اور ادھار میں منع ہے' کیونکہ گندم اور جو کا تعلق قدر (وزن و کیل) سے ہے مگر جنس مختلف ہے۔

یونہی ایک انڈے کے بدلے دو انڈوں کی بیع نقد جائز ہے اور ادھار منع' اس لئے کہ یہاں اتحاد جنس ہے مگر وصف قدر نہیں کیونکہ انڈے وزنی یا کیلی چیز نہیں بلکہ عددی ہیں۔

جہاں قدر اور جنس میں سے کوئی وصف بھی نہ پایا جائے' وہاں بیع میں تفاضل اور ادھار دونوں جائز ہیں' جیسے گھڑی کے عوض میں قلم کا سودا نقد و ادھار جائز ہے کہ ان کی جنس بھی مختلف ہے اور کیلی یا وزنی بھی نہیں۔



حرمت ربو

ربو پہلی شریعتوں میں بھی حرام تھا' یہود میں سود کی عادت بد جڑ پکڑ چکی تھی جس کی وجہ سے وہ غضب الٰہی کے مستحق ٹھہرے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی نعمتوں کا دروازہ بند کر دیا----- قرآن کریم میں ہے:

و اخذ هم الربوا و قد نهوا عنه و اكلهم اموال الناس بالباطل و اعتدنا للكفرين منهم عذابا اليما ○

(النساء: 4' آیت: 161)

"اور ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ وہ اس سے منع کیے گئے تھے اور اس بنا پر کہ وہ لوگوں کے مال ناحق کھاتے تھے اور ان میں سے کافروں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے"

یہود کی یہ رسم بد زمانہ جاہلیت میں عربوں میں بھی رائج ہو گئی۔ حضور



سید عالم ﷺ نے جہاں دیگر رسوم بد کا استیصال فرمایا' وہیں سود ایسے گھناؤنے کاروبار کی سختی سے ممانعت فرمائی۔

وہ معاشرہ جس میں سود کی وبا عام اور لوگ اس کے عادی مجرم بن چکے تھے' اللہ تعالٰی نے انسداد سود کے لئے شراب کی طرح بہ تدریج احکام نازل فرمائے

مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی سورۂ روم میں سود پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا:

و ما اٰتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عند اللہ و ما اٰتیتم من زکوٰۃ تریدون وجہ اللہ فاولٰئک ھم المضعفون ○

(الروم: 39)

"اور جو مال تم سود حاصل کرنے کے لئے دیتے ہو کہ وہ لوگوں کے مال میں شامل ہو کر بڑھتا (ہی) رہے تو وہ اللہ کے حضور نہیں بڑھے گا اور تم جو زکوۃ (اور خیرات) دیتے ہو رضائے الٰہی کے طلب گار بن کر' پس یہی لوگ ہیں (جو اپنے مالوں کو) کئی گنا کر لیتے ہیں"



یعنی سود سے جمع کردہ دولت کی اللہ تعالٰی کے ہاں کوئی وقعت نہیں' اس کے بعد مدینہ منورہ میں یہ آیت نازل ہوئی:

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا الربوٰ اضعافا مضٰعفۃً و اتقوا اللہ لعلکم تفلحون ○

(آل عمران: 130)

"اے ایمان والو! دوگنا چوگنا سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاجاؤ"



اس آیت مبارکہ میں اس خرابی کی طرف اشارہ فرمایا کہ سود کی رقم دوگنی چوگنی ہو جاتی ہے، جس سے غریب، غریب تر اور امیر، امیر تر ہو جاتے ہیں اور ایسا ظالمانہ استحصال اسلام سے میل نہیں کھاتا۔ اس سے اگلی آیت میں "و اتقوا النار التی اعدت للکفرین" "کافروں کے لئے تیار کردہ آگ سے بچو" فرما کر سود خوروں کو سخت تہدید فرمائی، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

هی اخوف ایه فی القران حیث اوعد الله المنافقین بالنار المعدة للکفرین ان یتقوه فی اجتناب محارمه

(مدارک، جلد: 1، صفحہ: 141)

"یہ آیت، آیات قرآنی میں سب سے زیادہ ڈرانے والی ہے، اس میں دوزخ سے، جو درحقیقت کفار کے لئے تیار کیا گیا ہے، ان (عملی) منافقین کو بھی ڈرایا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے نہیں بچتے"



اس کے بعد درج ذیل آیات میں سود کو دوٹوک انداز میں حرام قرار دیا گیا:

الذین یاکلون الربٰو لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطٰن من المس ذٰلک بانهم قالوا انما البیع مثل الربٰوا و احل الله البیع و حرم الربٰو فمن جاءه موعظة من ربه فانتهی فله ما سلف و امره الی الله و من عاد فاولئک اصحب النار هم فیها خلدون ○ یمحق الله الربٰو و یربی الصدقات و الله لا یحب کل کفار اثیم

(البقرہ: 275-276)



"جو لوگ سود کھاتے ہیں (قیامت کے دن) نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسے چھو کر شیطان نے مخبوط الحواس بنا دیا ہو' یہ حالت اس لئے ہوگی کہ وہ کہا کرتے تھے بیع تو سود ہی کی مانند ہے حالانکہ حلال فرمایا اللہ تعالیٰ نے تجارت کو اور حرام کیا سود کو' پس جس کے پاس اپنے رب کی طرف سے نصیحت آئی' پھر وہ (سود سے) باز آگیا تو جو پہلے لے چکا سو وہ لے چکا' اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو شخص پھر سود کھانے لگے وہ دوزخی ہیں' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے"

ان آیات مبارکہ میں سود خوار کی شدید مذمت بیان فرمائی کہ وہ روز حشر مخبوط الحواس' جنون زدہ اور لڑکھڑاتے ہوں گے' ان آیات میں اس وقت کی سرمایہ دارانہ ذہنیت کے ایک باطل مزعومہ کا رد فرمایا' آج کے سود خواروں کا بھی یہی استدلال ہے کہ سود میں بھی بیع ہی کی طرح کا منافع ہے' پھر کیا وجہ ہے کہ بیع حلال ہے اور سود حرام ہو----- حالانکہ یہ تصور سرے سے غلط' سراسر لغو اور باطل ہے کیونکہ بیع میں آدمی کی محنت' ذہانت اور سرمایہ خرچ ہونے کے ساتھ ساتھ تاجر کو منافع حاصل ہونے کا یقین نہیں ہوتا' اسے ہر لحظہ نقصان کا دھڑکا رہتا ہے' اس کے برعکس سود خوار مہاجن کو اصل زر محفوظ رہنے کے ساتھ ایک متعین رقم برابر ملتے رہنے کا کامل یقین ہوتا ہے' یہ زائد رقم مفت خوری کی بدترین شکل اور غریب' لاچار اور مظلوم لوگوں کے استحصال کے سوا اور کچھ نہیں----- تجارت میں گاہک طے شدہ قیمت' اپنی ضرورت اور رضامندی سے سودا خریدتا ہے' جبکہ سود میں ضرورت مند





کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا ہے۔

مفاسد سود

اللہ تعالیٰ نے سود کو یوں ہی حرام قرار نہیں دیا، حقیقت یہ ہے کہ اس میں بے شمار مفاسد ہیں۔

☆ سود آدمی کو بے رحم بنا دیتا ہے، سود خوار کا مطمح نظر جلب زر اور طلب منفعت ہے، جس کی وجہ سے وہ بے مروت، شقی اور سنگدل بن کر غریبوں کی مجبوری سے نہایت بے رحمی کے ساتھ فائدہ اٹھاتا ہے اور بے ایمانی اور فریب دہی کے نت نئے طریقے ایجاد کرتا ہے۔



☆ سود خواری کی وجہ سے مال و زر کی محبت اس کے دل میں راسخ ہو جاتی ہے اور وہ طمع، لالچ اور حرص میں اس حد تک جا پہنچتا ہے کہ حلال و حرام کا امتیاز کھو بیٹھتا ہے۔

☆ سود خور خود غرضی، بخل، ظلم، شقاوت اور سنگدلی کا مرقع بن جاتا ہے، وہ معاشرہ میں امداد باہمی اور ہمدردی و خیرخواہی کی صفات سے محروم ہو جاتا ہے، بلا محنت و مشقت مال ہاتھ آجانے کی وجہ سے اس کے نفس میں دناءت و زرپرستی کی ہوس غالب ہو جاتی ہے اور وہ ذاتی مفادات کا اسیر بن کر رہ جاتا ہے——— اس کا ہر قدم اسلام کی منشا کے خلاف اٹھتا ہے۔

سود کے ایسے ہی مفاسد کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس کی حرمت کا اعلان انتہائی تہدید آمیز الفاظ میں کیا، ارشاد فرمایا:

یا ایہا الذین امنو اتقوا اللہ و ذروا ما بقی من الربٰو ان کنتم مومنین ○ فان



لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ و ان تبتم فلکم رءوس اموالکم لا تظلمون و لا تظلمون ○

(البقرہ: 79 - 278)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود میں سے اگر تم (صدق دل سے) ایمان رکھتے ہو' پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اعلان جنگ سن لو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اور اگر تم توبہ کرلو تو تمہارے لئے تمہارے اصل مال ہیں' نہ تم ظلم کیا کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے"

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس قدر شدید تہدید کسی اور گناہ کے بارے میں نہیں فرمائی' اس واضح تنبیہہ کے بعد بھی جو باز نہ آئے اس کے لئے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔

حرمت سود پر احادیث مبارکہ بڑی کثرت سے وارد ہیں۔

ظاہر ہے یہ شدید وعید اور حرمت سود کا شرعی حکم صرف ایسے کاروبار کے لئے ہے جس پر سود کا اطلاق ہوتا ہو۔

شریعت مطہرہ نے جہاں سود کو حرام قرار دیا وہاں تجارت اور جائز طریقہ سے نفع کمانے کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے----- سود کی لعنت سے بچنے اور جائز منافع کی ایک بہترین صورت مضاربت ہے' جس کی شرعا اجازت دی گئی ہے۔

مضاربت میں ایک شخص کا سرمایہ ہوتا ہے اور دوسرا شخص اس پر محنت کرتا ہے' نفع میں آدھے یا تہائی حصہ کا معاہدہ کرلیا جائے تو یہ منافع جائز اور





حلال ہو گا۔۔۔۔۔ اس صورت میں جتنا منافع ہوگا اسی تناسب سے سرمایہ خرچ کرنے والے کو حصہ ملے گا۔ بنک بجائے سود کے مضاربت کا طریقہ رائج کرے تو سود کی لعنت سے بچا جا سکتا ہے۔

فتاویٰ نوریہ کی کتاب الربو انتہائی مختصر ہے' اس میں صرف تین استفتاءات کے جوابات دیے گئے ہیں۔

جس معاشرے کی انفرادی و اجتماعی معیشت کا تمام تر انحصار سود پر ہو اور صاحب تقویٰ لوگوں کے لئے بھی اس مصیبت سے بچ نکلنا نہایت مشکل ہو چکا ہو' ایسے معاشرے کے افراد میں سودی معاملات کا فہم حاصل کرنے کا جذبہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس موضوع پر استفتاءات بہت کم موصول ہوئے ہیں۔

(مرتب)



کتاب الربوٰ

الاستفتاء



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے کہ کیا غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے لئے سود دینا یا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس وقت انگلینڈ میں آباد لاکھوں مسلمانوں کو یہ مسئلہ مندرجہ ذیل صورتوں میں درپیش ہے:

۱۔ ہر ایک مسجد کمیٹی، مسلم ویلفیئر کمیٹی یا مسلم فیونرل (کفن دفن) کمیٹی وغیرہ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے اپنے متعلقہ ارکان سے چندہ اکٹھا کر کے ایک فنڈ قائم کرتے ہیں اور حفاظت کی خاطر بنک میں رکھتے ہیں، بنک اس رقم پر سود دیتا ہے جو اس رقم میں جمع ہوتا رہتا ہے۔

۲۔ مزدوری پیشہ لوگ اپنے پس انداز اثاثے بنکوں میں جمع کراتے ہیں اور بنک اس میں قانون کے مطابق سود کا اضافہ کرتا ہے۔

۳۔ بعض اشخاص کئی ضرورتوں کے لئے بنک یا فنانس کمپنیوں سے قرضے لیتے ہیں



اور بنک اِس قرض پر سود وصول کرتے ہیں۔

۴۔ چوتھا معاملہ تو بہت سنگین ہے یعنی رہائشی مکانوں کی خریداری، یہاں مکان اتنے مہنگے ہیں کہ کوئی بھی شخص پہلی بار رہائش کے لئے مکان نہیں خرید سکتا لہٰذا اسے بنک فنانس سوسائٹی سے پانچ دس یا پندرہ سال کے لئے قسطوں پر قرضہ حاصل کرنا پڑتا ہے جسے مارگج کہتے ہیں۔ اس قرضہ پر بنک یا فنانس سوسائٹی سود وصول کرتی ہے حتّٰی کہ کبھی مسجد کمیٹیاں بھی نماز روزہ کے لئے کوئی عمارت برائے مسجد خریدنا چاہیں اور اپنے ارکان و دیگر امدادی احباب کے تعاون کے باوجود مطلوبہ رقم مہیا نہیں کر سکتیں تو مجبوراً بنک کی طرف رُخ کرتی ہیں اور مارگج کے مرحلہ سے گزرتی ہیں یعنی متعلقہ عمارت کے کاغذات بنک میں رکھ کر مطلوبہ رقم حاصل کرتے ہیں اور اس پر سود ادا کرتے ہیں۔



۵۔ کچھ عرصہ سے پاکستانی بنکوں نے بھی اپنی شاخیں قائم کی ہیں۔

اگر تو سود ہر حال میں ناجائز ہے پھر تو مسلم، اگر غیر مسلم بنک سے جائز ہے تو مسلم بنک یا کمیٹی کے بارے میں کیا حکم ہے، اگر اس کے لئے بھی وہی حکم ہے تو فبہا بصورتِ دیگر مسلمان سود وغیرہ کی جائز سہولت کے پیشِ نظر پاکستانی بنک سے لین دین نہ رکھیں تو قومی و ملکی مفاد پر اثر پڑتا ہے۔

۶۔ انشورنس جو سود ادر جزا کی ترقی یافتہ صورت ہے غیر مسلم ممالک میں بھی کیا اس کے دارالاسلام والے ہی احکام ہیں یا دارالحرب میں کچھ گنجائش ہے اور مسلمان اپنے مال اولاد کے حفظِ ماتقدم کے تحت غیر مسلم ممالک میں انشورنس کرا سکتے ہیں۔

امید واثق ہے کہ آپ ائمۂ اربعہ کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرما کر اجر کے مستحق ہونگے۔

(نوٹ) استفتاء ہٰذا لندن سے بواسطہ حضرتِ مولانا علاّمہ پیر محمد کرم شاہ صاحب مدظلہم بھیرہ شریف



مؤرخہ ۸۰-۵-۲۲ کو موصول ہوا۔





مالِ حربی غیر معصوم مباح ہے، جب مسلم اس پر غدر و خیانت کے سوا اس کی رضا سے قبضہ کرلے تو مالک ہوجاتا ہے لہٰذا اس میں ربٰو جاری ہی نہیں ہوتی۔ بدائع صنائع ج ۵ ص ۱۹۲ میں ہے فمنها ان یکون البدلان معصومین فان کان احدھما غیر معصوم لا یتحقق الربٰو عندنا (الی ان قال) وعلٰی ھٰذا الاصل یخرج ما اذا دخل مسلم دار الحرب تاجرا فباع درھما بدرھمین (الی ان قال) انه یجوز عند ابی حنیفة و محمد رضی اللہ تعالٰی عنھما نیز اسی میں ہے ولھما ان مال الحربی لیس بمعصوم بل ھو مباح فی نفسه الا ان المسلم المستامن منع من تملکه من غیر رضاه لما فیه من الغدر و الخیانة الخ اور یونہی قدوری اور اس کی شرح الجوہرۃ النیرہ ج ۱ ص ۲۶۲ میں ہے بتقریر حسن جدًا اور یونہی تنویر الابصار، درالمختار، طحطاوی علی الدر ج ۳ ص ۱۱۲ میں ہے، طحطاوی کے لفظ یہ ہیں وقد تقدم ان شرط الربٰو عصمة البدلین جمیعا اور یوں ہی ہدایہ اور اس کی شرح عینی ج ۳ ص ۱۶۵ میں ہے اور فتح القدیر و عنایہ ج ۶ ص ۱۷۸ میں بھی اور یونہی غرر الاحکام مع شرح درر الحکام ج ۲ ص ۱۸۹



میں ہے اور مبسوط ج ۱۴ ص ۵۶ اور ہندیہ ج ۳ ص ۴۸ وغیرہا میں یوں ہی ہے۔

عینی علی الہدایہ اور فتح القدیر مبسوط وغیرہا میں حدیث مرسل ہے والنظم للسرخسی علیہ الرحمۃ ذکر عن مکحول عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لاربٰو بین المسلمین وبین اھل الحرب وھٰذا الحدیث ان کان مرسلا فمکحول فقیہ ثقۃ والمرسل من مثلہ مقبول وھو دلیل لابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللّٰہ حالانکہ جب کوئی مجتہد کسی حدیث سے استدلال کرے تو وہ تصحیح حدیث ہے کما فی کشف الغمہ والشامی ج ۴ ص ۵۱ والنظم لہ ان المجتھد اذا استدل بحدیث کان تصحیحا لہ کما فی التحریر وغیرہ اور اس میں دونوں صورتیں برابر ہیں مسلمان کو نفع پہنچے یا حربی کو، چنانچہ مبسوط ج ۱۴ ص ۵۹، فتح القدیر اور عنایہ ج ۶ ص ۱۷۸، طحاوی علی الدر ج ۳ ص ۱۱۲ میں ہے والنظم من المبسوط ویستوی ان کان المسلم اخذ الدرھمین بالدرھم او الدرھم بالدرھمین لانہ طیب نفس الکافر بما اعطاہ قل ذٰلک او کثر واخذ مالہ بطریق الاباحۃ کما قررناہ۔



۱تا۴ تک کے جوابات واضح ہوگئے اور ۶ کا یہی جواب ہوگیا کہ یہ سب سُود نہیں اور جائز ہے، باقی ۵ کا معاملہ ذرا سنگین ہے مگر چونکہ اب پاکستانی بنک بھی سود نہیں کہتے بلکہ منافع کے نام سے دیتے ہیں تو ظاہر یہی ہے کہ یہ ایک مضاربت کی صورت ہے، گو فاسد ہی ہو تو قبضے سے ملک ثابت ہوجاتا ہے اور پاکستانی بینکوں کے ہوتے ہوئے غیر مسلم بینکوں کی طرف میلان سے قومی اور ملکی وقار سخت مجروح ہوتا ہے جو اس سے بھی بُرا ہے بہر حال مجھے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مضاربت کی بنا پر ہے حالانکہ مبسوط ج ۱۴ ص ۵۸،۵۷



میں ہے ان فعل المسلم یجب حمله علی احسن الوجوه ما امکن
شامی ج۳ ص ۳۶۳ میں ہے حمل احوال المسلمین علی الصلاح واجب
اور ارشادِ رب العالمین ہے ان بعض الظن اثم وقد جاء النہی فی
الاحادیث المبارکۃ عن الظن السوء۔

واللّٰہ تعالیٰ اعلم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی حبیبه الاکرم
واٰله وصحبه وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللّٰہ النعیمی غفرلہٗ
۶ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۰ھ ۲۲-۵-۸۰





کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اِس بارہ میں کہ زید نے چند
دوکانیں کرایہ پر دینے کے لئے تعمیر کرائیں، اب کرایہ ماہوار کے علاوہ کرایہ داروں سے
ایک ایک لاکھ روپے بطور پگڑی وصول کرتا ہے اور کرایہ نامہ یا زبانی ان سے یہ طے کرتا ہے
کہ جب وہ دکان چھوڑیں گے اور دوسرا کرایہ دار جو وہاں آئے گا، لاکھ روپے سے
جتنا زائد بطور پگڑی دے گا اس زائد رقم کا ۲۵ فیصد مالک دکان یعنی زید لے گا۔
قرآن وحدیث کی روشنی میں ارشاد فرمائیں یہ پگڑی والی رقم اور زائد رقم



پگڑی کا ۲۵ فیصد شرعاً جائز ہے یا حرام؟
رشید احمد نوری منیجر تاج منشن، لاہور





اشیاء میں اصل اباحت ہے یعنی جب تک دلائل شرعیہ سے کسی شے کی حرمت و ممانعت ثابت نہ ہو حلال و جائز الاستعمال رہتی ہے۔ استعمال کرنے والے پر کوئی گرفت نہیں کہ ایسی شے ہے ہی معاف۔ قرآن کریم نے صاف صاف فرما دیا ہے عفی اللہ عنہا (سورۃ المائدہ) (ترجمہ) اللہ انہیں معاف کرچکا ہے۔
یہ مضمون اور آیات واحادیث سے ثابت ہے۔ دیکھو فتاوٰی نوریہ ج ا ص ۲۵۴
اور جب یہ عرفِ خاص ہے یعنی کرایہ پر دکانیں اٹھتی ہیں اور لوگوں کو معلوم ہے تو اسلئے بھی جائز ہے کہ اہلِ اسلام کا عرف یعنی رواج معتبر ہے، دیکھو فتاوٰی نوریہ میں اس کی تفصیل۔ بہرحال یہ عامیانہ خیال ہے کہ ایسے معاملات میں لوگ اپنی عقل کو دخل دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں پر اتنا بوجھ ہے حالانکہ کرایہ داروں کو بھی کافی منافع ہوتا ہے تب ہی تو وہ خرچ کردیتے ہیں۔
محررِ مذہب حنفیہ امام محمد شاگردِ امامِ اعظم علیہما الرحمہ فرماتے ہیں قال محمد وبہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ



وهو قول ابی حنیفة واصحابہ کذا فی الظهیریة۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۷ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۲ھ مطابق ۸۲-۴-۲۲

الاستفتاء



کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں ایک شخص نے بغرض تجارت ۱۰۰ افراد سے دو لاکھ روپیہ اس شرط پر قرض لیا کہ ایک ماہ بعد واپس کروں گا اور پچاس ہزار روپیہ بطور انعام ۱۰ افراد کو قرعہ اندازی کے ذریعہ تقسیم کروں گا، جس کا نام نکل آئے، تجارت میں نفع یا نقصان ہیرا، قرعہ اندازی میں ان افراد کے نام نکلے جن کے صرف ۱۰۰ یا ۱۰۰۰ ہزار روپیہ قرض دیا تھا، ان کو یہ انعام حلال ہے یا حرام؟

محمد رفیق قاضی ۵۲۸، ریلوے پولیس لائن لاہور



انا للہ وانا الیہ راجعون، عجب وقت ہے حیلے بہانوں سے حرام کھانے



کی کوشش، حضور پاک نے فرمایا تھا کہ نام تبدیل کر شراب استعمال ہوگی اور کسا قال، یہ کیا انعام ہے، سیدھا سود کہیں، پھر قرعہ اندازی کہیں، بالکل پرہیز کیا جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

محررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۹۰۱۰۸۰



ہ مشکوٰۃ صد ۲۶۱ (مرتب)







و ان كنتم على سفر و لم تجدوا
كاتبا فرهٰن مقبوضة

(البقره : ۲۸۳)

"اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو کوئی چیز
گروی رکھ لیا کرو اور اس کا قبضہ دے دیا کرو"



ان النبی ﷺ اشتری طعاما من رجل یھودی الی اجل و رھنه درعا من حدید

صحیح بخاری

باب شری النبی ﷺ بالنسیئة



"نبی کریم ﷺ نے ایک یہودی کے پاس اپنی لوہے کی زرہ گروی رکھ کر اس سے ادھار غلہ خریدا"



تعارف



کتاب الرہن

گروی رکھنے کو عربی میں رہن کہتے ہیں۔ امام برہان الدین المرغینانی علیہ الرحمہ (م 593ھ) رہن کا لغوی معنی یوں بیان کرتے ہیں:

حبس الشئی بای سبب کان (ہدایہ)

"چیز کو روک لینا' سبب خواہ کوئی بھی ہو"

اصطلاح شریعت میں رہن (گروی رکھنا) یہ ہے کہ کسی کے مال کو اپنے پاس اس لئے روک لینا تاکہ اس کے ذریعے اپنے حق کو کلی یا جزوی طور پر وصول کر سکے۔

گویا رہن کا مقصد یہ ہے کہ قرض لینے والا جب قرض دہندہ کے پاس اپنا مال گروی رکھ دے گا تو اسے یقین ہو گا کہ مجھے قرض واپس مل جائے گا اور رقم ضائع نہیں ہو گی۔

گروی رکھنے کا حکم قرآن کریم میں آیا ہے' ارشاد ربانی ہے:

ان کنتم علی سفر و لم تجدوا کاتبا فرھن مقبوضۃ

(البقرہ: 283)

"اور اگر تم سفر میں ہو اور تحریر کنندہ موجود نہ ہو تو کوئی چیز
گروی رکھ لیا کرو اور اس کا قبضہ دے دیا کرو"

اس آیت مبارکہ میں بحالت سفر گروی رکھنے کا بیان ہے' جب کہ حضر میں رہن کا جواز حدیث پاک سے ثابت ہے۔۔۔۔۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

لقد رهن النبی صلی اللہ علیہ وسلم درعا لہ بالمدینۃ عند یهودی و اخذ منہ شعیرا لاهلہ

(بخاری' جلد: 1' صفحہ: 278)

"نبی کریم ﷺ نے مدینہ پاک میں ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی اور اس سے اپنے اہل خانہ کے لئے جَو قرض لئے"



قرض کے بدلے اپنی کوئی چیز گروی رکھنے والے کو "راہن" اور جس کے پاس سامان گروی رکھا جائے اسے "مرتہن" کہتے ہیں' جب کہ گروی رکھی گئی چیز کو "مرہون" اور کبھی "رہن" بھی کہہ دیتے ہیں۔

مرہون (گروی رکھی گئی چیز مثلاً زمین' جانور وغیرہ) سے مرتہن کو نفع حاصل کرنے کی اجازت نہیں۔ اگر کھیتی باڑی کرے یا جانور پر سوار ہو' دودھ وغیرہ استعمال کرے یا کسی بھی صورت میں نفع اٹھائے گا تو وہ ناجائز اور سود کے زمرہ میں شمار ہو گا۔

گروی چیز اگر مرتہن سے ضائع ہو جائے' اس کی مالیت قرض جتنی ہے تو

حساب برابر ہو گیا۔ اگر مرہون کی قیمت زیادہ ہے تو قرض ساقط ہو گیا اور مرتہن، راہن کو کچھ نہیں دے گا کہ قرض سے زائد مالیت امانت تھی جس کے ضیاع کی کوئی ضمانت نہیں اور اگر گروی چیز کی قیمت قرض سے کم ہو مثلاً یہ چیز پانچ صد روپے کی ہو اور قرض ایک ہزار روپے تھا تو پانچ صد ساقط ہو گئے بقایا پانچ صد روپے گروی رکھنے والا (راہن) مقروض شخص، مرتہن (قرض دہندہ) کو ادا کرے گا۔

کتاب الرہن میں تین استفتاء ات کے جوابات ہیں۔

(مرتب)



کتاب الرہن



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ زید نے زمین خریدنے کے لئے بکر سے آٹھ ہزار روپیہ مانگا تو بکر نے روپیہ اس شرط پر دیا کہ رقم کی ادائیگی تک زمین میرے قبضہ میں رہے اور جملہ آمدنی بھی میری ہی ہوگی جب رقم ادا کی گئی تو زمین واپس دے دونگا مگر وہ آمدنی اس رقم میں شمار نہ کی جائے گی تو کیا بکر کی یہ شرط درست ہے اور آمدنی بغیر عوض کے لے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

نیز آیات و حدیث و فقہ سے جواب درست فرمایا جاوے۔

سائل : مولوی غلام حسین چک $\frac{18}{10R}$ سنگو کا ضلع منٹگمری







بکر نے آٹھ ہزار قرض کے عوض آٹھ ہزار لینا ٹھہرایا اور زمین کی آمدنی مدت مجہولہ تک بھی مزید براں لینی شرط کی اور یہ صراحۃً سود ہے کہ شریعت غرا کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ ایسا قرض جس میں مقرض کی منفعت مشروط ہو ربو ہے تفسیر خازن ج ۱ ص ۲۵۲، تفسیر معالم التنزیل ج ۱ ص ۲۵۲، تفسیر روح البیان ج ۱ ص ۴۳۷ میں ہے کل قرض جر منفعۃ فھو ربو و مثلہ فی المبسوط للامام شمس الائمۃ السرخسی ج ۱۴ ص ۳۵ والدر المختار ورد المحتار ج ۴ ص ۲۴۲ نیز شامی ج ۴ ص ۲۴۲، شامی ج ۵ ص ۲۴۷ میں جواہر الفتاویٰ سے ہے اذا کان مشروطا صار قرضا فیہ منفعۃ وھو ربٰو، فتح القدیر ج ۶ ص ۱۴۷ میں القرض بالشرط حرام، مبسوط ج ۱۴ ص ۳۵، ہدایہ مطبوع مع الفتح ج ۶ ص ۲۵۶ فتاویٰ خیریہ ص ۱۱۸ ج ۲ میں والنظم من الخیریۃ وقد نھی عن کل قرض جر منفعۃ فتاویٰ عالمگیری میں ہے قال محمد فی کتاب الصرف ان ابا حنیفۃ کان یکرہ کل قرض جر منفعۃ، سنن بیہقی ج ۵ ص ۳۵۰ میں حضرت ابن سیرین سے ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو کچھ روپے قرض دئے اس شرط پر کہ اس کے گھوڑے پر سواری کرے گا تو حضرت عبداللہ بن مسعود جلیل القدر

صحابی نے فرمایا ما اصاب من ظهرها فهو ربًا اس پر جو سواری کرے وہ سود ہے، موطا امام مالک ص ۲۸۳ میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا وان کان قبضة من علف فهو ربا کہ اگرچہ مٹھی بھر گھاس ہو تو وہ بھی سود ہے، سنن بیہقی کے اسی صفحہ پر حضرت فضالہ بن عبید صحابی سے ہے کہ آپ نے فرمایا کل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربٰوا، سنن بیہقی ج۶ ص ۳۸ میں حضرت ابراہیم تابعی سے ہے کہ سلف صالحین (جو سادات تابعین اور صحابہ کرام تھے) رہن سے ذرہ بھر نفع اٹھانے کو بھی ضرور ضرور برا جانتے تھے ان کانوا لیکرهون ان یستمتعوا من الرهن بشیٔ، اسی صفحہ پہ امام شافعی کا فتویٰ نقل فرماتے ہیں لیس للمرتهن منها شیٔ اور ایسے ہی ص ۳۹ میں حضرت معاذ بن جبل صحابی اور شعبی تابعی سے ہے اور حضرت شریح جلیل القدر تابعی اور حضرت عبد اللہ بن مسعود صحابی نے اس کا نام سود رکھا، حضرت شریح کا ذکر ان الفاظ میں ہے سئل شریح عن رجل ارتهن بقرة فشرب من لبنها قال ذلك شرب الربٰوا اور حضرت ابن مسعود کا فتویٰ کنز العمال ج۳ ص ۲۴۸ میں بھی مذکور ہے برمز عب و النظم جاء رجل الی ابن مسعود فقال ان رجلا رهنني فرسا فركبتها قال ما اصبت ظهرها فهو ربًا اور سود سخت ترین حرام ہے اور بدترین کام قرآن کریم کی متعدد آیات مبارکہ اور بکثرت احادیث شریفہ اور اجماع امت وجمیع ائمہ اور قیاس شرعی سے خباثت سود اور شقاوت سود خوار ثابت، قرآن کریم کی صرف ایک آیت پاک سنئے یا ایها الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربٰوا ان کنتم مؤمنین وان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من



اللّٰه و رسولہ" اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود، اگر تم مسلمان ہو، پھر اگر ایسا نہ ہو تو یقین کر لو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا، اور صرف ایک حدیث شریف بھی سنیں، مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۶ میں بروایت ابن ماجہ و بیہقی فی شعب الایمان سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا الربوا سبعون جزأ ایسرها ان ینکح الرجل امہ یعنی سود کے ستر ٹکڑے ہیں، ان ستر کا سب سے ہلکا یہ ہے کہ مرد اپنی ماں کے ساتھ مجامعت کرے، اعاذنا اللہ تعالےٰ من ذلک۔

فتویٰ کو ذرا طول اس وجہ سے دیا کہ آج یہ وبائے عام واقع ہے کہ لوگ ایسی صورتوں کو رہن کا نام دے کر اس خالص سود کو شیر مادر تصور کئے ہوئے ہیں حالانکہ ہمارے حضرات فقہائے کرام نے ایسی صورتوں کو اجارہ فاسد کے مرتبہ میں قرار دیا کہ اگر نفع اٹھائے تو اجر لازم اور رہن نہ ہوگا، شامی ج ۵ ص ۲۷۴ میں ہے قال فی التتارخانیۃ ما نصہ و لو استقرض دراهم و سلم حمارہ الی المقرض یستعملہ الی شهرین حتی یوفیہ دینہ او دارہ یسکنها فهو بمنزلۃ الاجارۃ الفاسدۃ ان استعملہ فعلیہ اجر مثلہ ولا یکون رهنا اور ایسے ہی ص ۵۳ میں ہے مع زیادۃ التعلیل لان المستقرض انما اسکنہ فی دارہ عوضا عن منفعۃ القرض لا مجانا، بلکہ یہ لزوم اجر مثل حدیث شریف سے مستفاد ہے، کنز العمال ج ۳ ص ۲۴۷، ۲۴۸ میں برمز طب حضرت سمرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہے من رهن ارضا بدین علیہ فانہ یقضی من ثمرتها ما فضل



بعد نفقتها يقضى ذلك من دينه ذلك الذى عليه بعد ان يحسب لصاحبها الذى هى عنده عمله ونفقته بالعدل الحاصل

اجرِ مثل دے کر جان چھڑائے اگر کچھ نفع اٹھا چکا ہے تو اور اگر ابھی تک نفع نہیں اٹھا چکا تو شرط کو اٹھا کر معاملہ نیک کرے ورنہ زمرۂ سود خواراں میں داخل اور وعید و عذاب ربٰو خواران اُسے شامل ہوگا، وما علینا الا البلاغ المبین۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی نصرہ ربہ القوی

۲۸ ربیع الاول شریف ۱۳۶۶ھ



الجواب صحیح

نصیر الدین، رکن پور

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے مبلغ بیس روپے بطور قرضہ طلب کیا کہ مجھے بیس روپے کی ضرورت ہے، مجھے دو، بکر نے کہا کہ کل تم کو دوں گا اور وعدہ اس وقت ادائیگی قرض کا ایک ماہ کا دونوں فریقوں نے مقرر کیا۔



دوسرے روز زید نے اپنے لڑکے کی بیوی کو کہا کہ بکر سے میں نے مبلغ بیس روپے قرض لینا کیا ہے، تم بکر سے لے آنا۔ دوسرے روز وہ عورت بکر سے روپیہ لینے کی غرض سے گئی تو بکر نے کہا مجھ کو کوئی چیز اعتبار وصولی روپیہ کیلئے دے دو جو میرے پاس رہے گی، جس وقت روپیہ ادا کردو گے اس وقت روپیہ وصول کرکے تمہاری چیز واپس کردوں گا۔ اس وقت عورت نے کان سے دو والیاں سونا کی جو کہ ایک تولہ تین ماشہ تین رتی زید بیان کرتا ہے کہ بکر کو دی گئی اور بیس روپے وہ عورت لے گئی۔

بکر کا گھر اس شہر میں نہیں ہے، مال لے کر اپنے رشتہ دار کے پاس آیا ہوا تھا، جب تقریباً بیس یوم گزرے تو بکر نے زید کو کہا کہ میں اب واپس اپنے گھر جاتا ہوں تم روپیہ دے دو اور مال اپنا لے لو ورنہ تم کو میرے گھر جانا پڑے گا اور مال اس جگہ ملے گا۔ زید نے کہا کہ ابھی وعدہ میں تقریباً دس روز رہتے ہیں، میرے پاس اس وقت روپیہ نہیں ہے میں تمہارے گھر سے لے آؤں گا اور روپیہ بھی وہاں دے دوں گا۔



ابھی پہلے وعدہ ایک ماہ سے دو تین روز کم تھے کہ بکر جس گھر میں رہتا تھا اس گھر کو چوروں نے پچھلی طرف سے نقب لگا کر مال چوری کرلیا، مالک مکان کا گھر نہ تھا۔ بکر کا بیان ہے کہ اس کوٹھے کے دروازہ کے آگے اس رات پانچ آدمیوں مرد وزن کی چارپائیاں تھیں جو سوئے ہوئے تھے، ایک بکر اور ایک آدمی اور تھا اور تین عورتیں تھیں اور وہ والیاں جو کہ زید کی تھیں اس کوٹھے کے اندر صندوق تھا اس میں دوسرا مال مالک مکان کا تھا اور وہ والیاں زید کی اور پندرہ روپے میرے تھے، اس صندوق میں ڈبہ میں رکھی ہوئی تھیں، وہ سب مال چوروں نے



چوری کرلیا۔

علی الصبح دروازہ کھولنے پر نقب لگی ہوئی پچھلی طرف معلوم ہوئی، سراغ برآمد ہوئی، مالک مکان بھی بعد میں آگیا۔ بکر اور مالک کا رشتہ، بکر کی ہمشیرہ مالک مکان کی منکوحہ ہے اور مالک مکان کی ہمشیرہ بکر کی منکوحہ ہے اور بکر بیان کرتا ہے کہ وہ والیاں میں جس وقت زید کو کہا تھا لے کر اپنے گھر چلا گیا تھا، واپس آکر اس صندوق میں رکھ دی تھیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے وہ والیاں جو کہ چوری ہوئی ہیں۔ زید بکر سے لے سکتا ہے یا کہ نہیں؟ جو صورت ہو بیان فرماویں، جس کوٹھہ میں سے چوری ہوئی ہے اس پچھلی طرف کوئی آبادی نہیں ہے۔



مستفتی سے چند امور کا استفسار کیا تو حسب ذیل جواب دیا :۔

۱۔ وہ والیاں زید کے لڑکے کی بیوی کے ملک تھیں۔

۲۔ راہنہ نے زید کی اجازت کے سوا رہن رکھی تھیں۔

۳۔ بکر نے دونوں بار ان والیوں کو زید و راہنہ کی اجازت کے سوا اپنے رشتہ دار کے گھر رکھیں تھیں، ہاں زید و راہنہ کو یہ معلوم تھا کہ بکر رشتہ دار کے گھر آیا ہوا ہے لہذا غالباً انہی کے گھر رکھے گا اور بکر نے دونوں بار مالک مکان کی اجازت سے اسکی بیوی یعنی اپنی ہمشیرہ کو والیاں دیں کہ رکھ دو۔

۴۔ بکر کے اس قول پر کہ والیاں چوری ہوگئی ہیں، زید و راہنہ دونوں شک کرتے ہیں۔

۵۔ اس عورت نے وہ قرض زید کے لئے مانگا اور کہا تھا کہ قرض جو زید مانگ گیا ہے



میں لینے کے لئے آئی ہوں اور والیاں اپنی طرف یا زید کی طرف سے رہن رکھنے کا خیال نہیں کیا، غصہ سے جلدی جلدی بلا سوچے سمجھے بکر کو کہا کہ لو تو والیاں پکڑ اور قرض دو۔

السائل: محمد رمضان نوری (محقق[1] خطیب ہوشنہ ضلع منٹگمری)





از روئے مذہبِ مہذّبِ حنفیہ وہ طلائی بالیاں رہن لیں، رہن ہونے کے لئے مستقرض کا ملک شرط نہیں اور نہ اجازت۔ فتاوٰی عالمگیری ج ۴ ص ۱۵۸ میں ہے فرھن اجنبی بالالف عبدا بغیر امر المطلوب الی ان قالوا فھو جائز خصوصاً یہ صورت کہ راہنہ زید کی نہایت قریب اور پھر وکیل برائے قبضِ قرض بھی ہے اور لفظِ رہن بھی شرط نہیں۔ ج ۴ ص ۱۴۸ میں ہے اما لفظۃ الرھن فلیست بشرط۔ وہ کوٹھہ محلِ حفاظت ہے پیچھے سے خالی تھا تو دروازے پر پانچ آدمی تھے۔ بکر کا بہنوئی کی اجازت سے بہن کے پاس رکھنا تعدی اور خیانت نہیں جبکہ انہیں قابلِ اعتبار جانتا ہے اور اپنا مال بھی ان کے پاس لغرضِ

---

[1] بانی دارالعلوم قادریہ نعیمیہ حویلی لکھا (م ۱۶ اکتوبر ۱۹۸۸ء رحمہ اللہ تعالیٰ)

حفاظت رکھنا ہے۔

ج ۳ ص ۴۶۴ میں ہے: اه دفع الی امین من امنائه ممن یشق به فی ماله ولیس فی عیاله ان لا یضمن لانه لما کان موثوقا به فی ماله فکذا فی الودیعة ثم قال وعلیه الفتوی کذا فی النهایة۔ خصوصاً جبکہ بکر وراہنہ کو قرائن سے معلوم تھا کہ غالباً انہی کے پاس رکھے گا اور پھر چپ رہے و السکوت فی معرض البیان بیان بلکہ ظاہر سوال تو یہ ہے کہ ان دنوں میں بکر کی عارضی سکونت اسی مکان میں تھی اور ان کے ساتھ رہتا تھا تو وہ مکان حکماً اس کا اپنا مکان مشترک بنا اور وہ دونوں من فی عیاله اصطلاحاً داخل ہوتے۔



ج ۳ ص ۴۶۴ میں ہے و العبرة فی هذا الباب للمساکنة اور ج ۳ ص ۴۶۷ میں ہے فان کان اتخذ دارا للسکنی بای طریق کان تو ایداع عند الاجنبی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ رہا اپنے ساتھ لے جانا پھر واپس لانا تو وہ بھی قابلِ اعتراض نہیں۔

ج ۳ ص ۴۶۵ میں ہے اذا لم یعین مکان الحفظ اولم ینه عن الاخراج نصا بل امره بالحفظ مطلقا فسافر بها الی ان قالوا وان کان الطریق امنا ولا حمل لها ولا مؤنة لا یضمن بالاجماع بلکہ یہ لے جانا اور لانا الٹے دلیل احتیاط وتحفظ خاص ہے کما لا یخفی پس اندریں حالات رہن چوری ہو گیا تو بکر کا قرض ساقط ہو گیا کہ رہن ساقط ہو گیا کہ رہن اس لئے مانگا اور رکھا تھا کہ قرض ادا نہ کرنے کا خطرہ نہ رہے کہ ادا نہ کرنے کی صورت میں اس سے پورا کر لے گا اور یہ اسے منظور تھا۔



ج ۴ ص ۱۵۶ میں ہے وان کانت قیمتہ اکثر من الدین سقط الدین اور چونکہ معاوضہ رہن میں ساقط ہوا تو راہنہ کا حق ہو گیا کہ زید سے وصول کرے اور قرض سے زائد مالیت رہن کا حصہ بلا معاوضہ ضائع ہو گیا، اس کا مطالبہ راہنہ کسی سے نہیں کر سکتی بکر سے اس لئے کہ زائد حصہ کے حق میں امین محض تھا۔

ج ۴ ص ۱۶۴ میں ہے اعلم بان عین الرهن امانۃ فی ید المرتهن بمنزلۃ الودیعۃ ففی کل موضع لو فعل المودع بالودیعۃ لایغرم فکذلک اذا فعل المرتهن ذلک بالرهن لایغرم اور زید سے اس لئے نہیں کر سکتی کہ اس کے امر و اذن سے نہیں رکھا بلکہ اپنے ارادے سے رکھا ولا لزوم الا بالالتزام ہاں زید کو چاہئے کہ اس بیچاری کا نقصان پورا کر دے اور احسان کا بدلہ احسان ہی ہوتا ہے البتہ اگر راہنہ بکر کی تصدیق نہیں کرتی تو حلف مانگ سکتی ہے اور اگر حلف سے انکار کرے تو اس کے پاس ہونا ثابت ہو جائے گا (وعلی ھذا التقدیر ان اختلفا فی وزن القرطین فلیستفت مرۃ اخری)



ج ۳ ص ۴۷۴ میں ہے رجل اودع رجلا عینا فادعی المستودع هلاکہا وکذبہ المودع واراد تحلیفہ فنکل عن الیمین فنکولہ عن الیمین یکون اقرارا ببقاء العین الخ

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحٰبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ الحنفی القادری النعیمی البصیر فوری غفرلہ

۱۰ رجب ۱۳۷۳ھ
۱۶ / ۳ / ۵۴



الاستفتاء

۷۸۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک سید صاحب غریب تھے اور بکریاں پالتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مالدار کر دیا اور لوگ ان سے قرضہ لیں منافع کے ساتھ اور زیورات بطورِ رہن رکھ دیں، اتفاقاً ڈاکوؤں نے شاہ صاحب پر ڈاکہ ڈالا اور دو گھنٹے تک فائرنگ کرتے ہوئے شاہ صاحب کا ذاتی روپیہ وغیرہ بھی لے گئے اور وہ رہن رکھے ہوئے زیورات بھی لے گئے۔ شاہ صاحب نے مقدمہ کیا مگر کچھ دے لیکر چھوٹ گئے۔ اب وہ رہن رکھنے والے زمیندار شاہ صاحب کو تنگ کرتے ہیں کہ ہمارے زیورات دو اور قرضہ واپس لو تو شاہ صاحب بیچارے کہاں سے دیں؟ اب وہ محض فقیر ہیں۔



شرع شریف سے اس کا کیا حل ہے حالانکہ رہن رکھنے والے لوگ قرب و جوار میں تھے اور دو گھنٹے تک فائرنگ کرتے رہے مگر کسی نے شاہ صاحب کی امداد نہ کی سب کو پتہ ہے کہ ڈاکو پڑ گئے اور مال لوٹ لے گئے مگر وہ زمیندار طور پر شاہ صاحب کو تنگ کرتے ہیں۔ قرآن وحدیث اور فقہِ حنفی سے جواب دیں۔

بینوا توجروا

السائل: سید لال شاہ صاحب ولد حسن شاہ صاحب موضع بنگلہ بلوچ نزد منچن آباد







منافع پر قرضہ سود کی صورت اور سود واجب الادا نہیں ہاں اصل قرض واجب الادا ہے کما فی القرآن الکریم والحدیث الشریف اور گروی کھا ہوا زیور وغیرہ چونکہ قرض کے عوض ہے لہٰذا اس کے ہلاک ہونے کی صورت میں اگر زیور قرض کا ہم قیمت ہے تو قرض بھی گیا اور زیور بھی گیا اور اگر قرض سے کم قیمت کا ہے تو وہ کمی واجب الادا ہے مثلاً قرض دس ہزار ہے اور زیور نو ہزار کا ہے تو ایک ہزار اصلی قرض واجب الادا ہے اور اگر زیور کی قیمت زیادہ ہے مثلاً قرض دس ہزار کے بدلے جو زیور رہن ہے وہ گیارہ ہزار ہے تو یہ ایک ہزار زائد امانت ہے تو یہ ساقط ہو گیا۔

ہدایہ ج۴ ص۵۱۸، کنز الدقائق ص۳۶۰، قدوری ص۱۰۳، درر غرر ج۲ ص۲۴۹، فتاوی سراجیہ ص۱۳۴، فتاوی ہندیہ ج۴ ص۴۵۶، تنویر الابصار، در المختار، رد المحتار شامی ج۵ ص۴۲۵، ۵۲۶، طحطاوی ج۴ ص۲۳۶، بدائع صنائع ج۶ ص۱۶۲، ۱۶۳، تبیین الحقائق ج۶ ص۶۳، ۶۴، تکملہ بحر الرائق ج۸ ص۲۳۴ میں بالفاظ متقاربہ ہے والنظم من الہدایۃ وھو مضمون بالاقل من قیمتہ و من الدین فاذا ھلک فی ید المرتھن و قیمتہ والدین سواء صار المرتھن مستوفیا لدینہ وان کان قیمۃ الرھن اکثر فالفضل امانۃ الی ان

قال فان کانت اقل سقط من الدین۔

اور یونہی عینی علی الہدایہ ج۴ ص ۳۸۹ اور مبسوطِ سرخسی ج۲۱ ص ۶۴ میں حضرتِ عمر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے یہی فتوٰی ذکر کیا گیا ہے اور حضرتِ مولا علی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ان المرتھن فی الفضل امین اور قرآنِ کریم میں ہے لاتظلمون ولاتظلمون (آیتِ کریمہ ۲۷۹ پارہ ۳) یعنی نہ ظلم کرو تم اور نہ ظلم کیا جائے تمہارے اوپر۔

بہرحال فقہ کی نہایت مستند پندرہ کتابوں سے ہمارا حنفی مذہب تحریر کیا گیا ہے تو وہ لوگ سیّد صاحب پر ظلم نہ کریں، اگر زیادہ تھا اور زیور کم تو زیادہ حصہ ادا کریں اور اگر زیور زیادہ تھا تو زیادہ گر گیا، مانگ نہیں سکتے جبکہ سیّد صاحب کی کوئی زیادتی نہیں اور قرآنِ کریم کا حکم بھی یہی ہے کہ ظلم نہ کریں اور یونہی حدیث شریف کا حکم ہے، وہ لوگ اپنے انجام سے ڈریں کہ سیّد غریب کو غربت کی وجہ سے تنگ نہ کریں بلکہ ظاہر یہی ہے کہ ڈاکہ بھی ان لوگوں کی مرضی سے پڑا۔



قیامت کے دن جب سیّد صاحب اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں یہ مقدمہ پیش کریں گے کہ مجھے یوں تنگ کیا گیا ہے اور حضور پُرنور سیّدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم بھی اپنے لڑکے مظلوم کی حمایت کریں تو یہ کہاں جائیں گے؟ کس سے شفاعت کرائینگے؟

واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ الاعظم واھل بیتہ الکرام وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمّد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۰ شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ مطابق ۸۲-۶-۳

دعوے



یاایها الذین آمنوا اتقوا اللّٰہ و قولوا قولا سدیدا

(الاحزاب : ٧٠)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور ہمیشہ سچی اور درست بات کہا کرو"



لو يعطى الناس بدعواهم لادعى
الناس دماء رجال و ا والهم و لكن
اليمين على المدعى عليه

صحيح مسلم ، كتاب الاقضية ،
باب يمين على المدعى عليه



”اگر لوگوں کو محض ان کے دعویٰ کی بنا پر دے دیا جایا
کرے تو کتنے ہی لوگ خون اور مال کا دعویٰ کر ڈالیں گے‘
ولیکن مدعیٰ علیہ پر حلف ہے“



تعارف



کتاب الدعویٰ

دعویٰ' ایسے قول کو کہتے ہیں جو دوسروں سے حق طلب کرنے کے لئے قاضی کے حضور پیش کیا جائے۔

مدعی سے مراد ایسا شخص ہے جو اگر اپنا دعویٰ ترک کر دے تو اسے مجبور نہ کیا جائے۔ جبکہ مدعی علیہ کو مجبور کیا جائے گا۔۔۔۔۔ مثلاً ایک شخص نے کسی سے ایک ہزار روپے لینے ہوں' وہ اگر اپنی رقم کی واپسی کا مطالبہ نہ کرے تو قاضی (تمام حالات سے واقفیت کے باوجود) اسے دعویٰ کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اس کے برعکس وہ شخص جس کے ذمہ رقم ہے اگر اس پر دعویٰ کر دیا جائے تو لازمی طور پر اسے جواب دینے پر مجبور کیا جائے گا۔

دعویٰ کے لئے چند شرائط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے :

(1) مدعی عاقل بالغ ہونا چاہیے اور اگر نابالغ ہو تو ضروری ہے کہ وہ سمجھدار ہو۔ اتنا چھوٹا بچہ جسے تمیز نہ ہو' مدعی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔



(2) مدعی کو چاہیے کہ وہ اپنے دعویٰ میں جزم و یقین کے ساتھ بیان دے۔ اگر شک و شبہ سے کام لیتے ہوئے یوں کہے کہ "میرا گمان ہے" یا "مجھے شبہ ہے" تو ایسی صورت میں اس کا دعویٰ قابل سماعت نہ ہو گا۔

(3) جس چیز کا دعویٰ کرے وہ معلوم ہو' اگر یوں کہے کہ فلاں کے ذمہ میرا کچھ حق ہے تو ایسا مجہول دعویٰ معتبر نہ ہو گا۔

(4) دعویٰ ایسا ہونا چاہیے جس کے ثبوت کا احتمال ہو۔ ایسا دعویٰ جس کا وجود محال ہو' باطل ہے۔ مثلاً بڑی عمر کے شخص یا کسی معروف النسب کے باپ ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کا اعتبار نہیں۔

(5) عادۃً محال چیز کا دعویٰ باطل ہے۔ مثلاً ایسا غریب شخص جس کے فقرو فاقہ اور محتاجی سے سب آگاہ ہوں' یہ دعویٰ کرے کہ میں نے فلاں امیر شخص سے لاکھوں روپے لینے ہیں۔

(6) مدعی خود اپنی زبان سے دعویٰ کرے' اگر بولنے سے عاجز ہے تو تحریر پیش کرے۔

(7) اپنے دعویٰ کا ثبوت مدعی علیہ یا اس کے نائب کے روبرو پیش کرے۔

(8) اس کے دعویٰ میں تضاد نہ ہو۔



جب دعویٰ صحیح طور پر دائر ہو گیا تو اب مدعی علیہ پر ہاں یا نہ کے ساتھ اس کا جواب لازم ہو گیا۔ خاموشی اختیار کرے گا تو انکار سمجھا جائے گا۔ مدعی کو گواہ پیش کرنے کا حق ہے اور اگر وہ گواہ پیش نہ کر سکے تو پھر مدعی علیہ پر حلف ہے۔ دعویٰ منقولہ' غیر منقولہ جائیداد' وراثت' امانت' ثبوت نسب وغیرہ



معاملات کثیرہ میں ہو سکتا ہے۔

فتاویٰ نوریہ کی "کتاب الدعوىٰ" میں ادنیٰ مناسبت سے باب ثبوت النسب اور باب حضانۃ الولد (حق پرورش اولاد) کے علاوہ اجارہ اور اعارہ سے متعلق بھی ایک فتویٰ شامل ہے--- مجموعی طور پر اس کتاب میں 13 فتوے ہیں۔

(مرتب)





کتاب الدعویٰ

الاستفتاء



کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ کارخانہ پر قبضہ عمر کا ہے بطور الاٹ، جو اس سے پہلے الاٹ کسی نے نہیں کرایا، ہندوستان سے آتے ہی اَلاٹ کرایا گیا تھا۔ ہندوؤں کے ماسوا کسی کا قبضہ عمر کے بغیر نہیں ہوا مگر جائداد عمر کی ہندوستان میں ثابت نہیں۔ زید کی جائداد مذکور کارخانہ سے زیادہ ہوگی، کم نہیں مطابق دو تین سال سے عمر زید کی مقدمہ بازی شروع ہے جو کہ عمر بطور رشوت یا سفارش کے الاٹ کارخانہ کسے قبضہ سے برکنار نہیں ہوا۔

اب اِس حالت میں عمر زید کو کہتا ہے کہ پانچہزار روپیہ لے لو اور مقدمہ بازی اور تنازع سے باز رہو۔ آیا یہ روپے زید کو لینے درست ہیں یا نہیں اور اپنی حاجت دینی دنیوی میں صرف کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔





مصالحت جائز و بہتر امر ہے، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے والصلح خیر اور ایسے ہی احادیثِ شریفہ اور اقوالِ ائمہ کرام سے صراحۃً ثابت ہے، ہدایہ میں ہے والصلح جائز عن دعوی الاموال لانہ فی معنی البیع علیٰ مامر والمنافع لانہا تملك بعقد الاجارۃ تو یہ صلح بھی جائز ہونی چاہیے اور مبلغاتِ مذکورہ لینا اور حوائجِ دین و دنیا میں صرف کرنا بھی جائز ہونا چاہیے مگر اس صورت میں زید پر یہ حقِ انتفاع مطلقاً چھوڑنا تاوقتیکہ اسے اپنی متروکہ جائداد کا مستقل معاوضہ مل جائے، لازم ہونا چاہیے یعنی جس قدر جائداد کے لحاظ سے اس کارخانہ متنازع فیہا پر حقِ انتفاع زید کے لئے ثابت ہے اتنی جائداد کے حقِ انتفاع کا مطالبہ مطلقاً ترک کردے، نہ یہ کارخانہ طلب کرے اور نہ ہی کوئی اور کارخانہ یا جائداد طلب کرے ہاں مستقل معاوضہ جب ملے گا تو لے سکے گا البتہ اپنی زائد جائداد کی بنا پر حقِ انتفاع کسی اور کارخانہ یا جائداد اس کے لئے ثابت رہیگا ھٰذا ماعندی۔

واللّٰہ تعالیٰ اعلم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہٖ واصحابہٖ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللّٰہ النعیمی غفرلہٗ

۱۷ رجب المرجب ۷۵ھ بوقتِ عصر



الاستفتاء

مسمّٰی سلیمان نے کہا کہ میں نے اپنی لڑکی اپنے بھائی کے لڑکے کو نکاح کر دی اور لڑکے کے باپ نے لڑکی کو بھینس دی اور پھر اپنے لڑکے سے اس بھینس کا عوض بھی لے لیا، اب اس بھینس کی کٹی جس کی پرورش لڑکی نے کی ہے، دوسرے دودھ سے ہے مگر اسکے بھائی نے اپنی بھتیجی سے وہ کٹی جو بھینس بن چکی ہے چھین لی ہے۔ آیا از روئے شرع اس کا یہ کام جائز ہے یا ناجائز ہے اور وہ بھینس کس کا حق ہے؟

سائل: دایا سلیمان از پائی پور تحصیل پاکپتن شریف

۲۲-۲-۸۰





وہ بھینس شرعاً سلیمان کی لڑکی کا حق ہے اور اس کے بھائی نے جو واپس کی ہے وہ ظلم کیا ہے، اس پر لازم ہے کہ لڑکی کو واپس کر دے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و



صحبہ و بارک و سلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۹ ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ ۲۶-۲-۸۰





۷۸۶
۹۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں صورت کہ زید نے زیورات اشتراء وغیرہ کے ذریعہ حاصل کیے، ہند زوجۂ زید، زید کی رضاء و رغبت سے استعمال کرتی رہی، اب بعد از انتقالِ زید دعویٰ کرتی ہے کہ یہ زیورات میرے ملک میں ہیں حالانکہ زید کا اشتراء وغیرہ طریق ملک اقرارِ ہند یا بیّنہ سے ثابت ہے، آیا دعویٰ ہند بلا اثبات ہبہ وغیرہا محض بایں وجہ کہ رضائے زید سے اس کے سامنے استعمال کرتی رہی ہے معتبر ہو سکتا ہے؟

بینوا ماجورین
من رب العالمین





رضا و رغبت سے استعمال کرنا دلیلِ تملیک قطعاً نہیں بن سکتا کہ اجارہ، اعارہ، ہبہ، بیع کئی احتمالات پر استعمال ہو سکتا ہے اور محتمل دلیل نہیں بن سکتا ہر چند یہ کلیہ اظہر من الشمس ہے اور قرآنِ کریم و احادیثِ شریفہ سے صراحتہً ثابت مگر پھر بھی تسکینِ قلب کے لئے صریح جزئیہ زیبِ قلم ہے۔

بحر الرائق ج ۷ ص ۲۲۵، رد المحتار ج ۴ ص ۵۹۸ میں ہے ولا یکون استمتاعها بمشريه و رضاه بذلك دليلا على ان ملكها ذلك كما تفهمه النساء و العوام و قد افتيت بذلك مرارا۔ اس ایک ہی جزئیہ نے صورتِ مسئولہ کا پورا پورا فیصلہ کر دیا یعنی عوام اور عورتوں کا یہ خیال ہے کہ عورت کا استعمال اور مرد کا اس استعمال کو پسند کرنا تملیک ہے مگر یہ خیال غلط ہے اور کئی مرتبہ اس پر فتوے دے چکے ہیں یعنی کامل طور پر محقق ہو چکا ہے۔

نیز شامی ج ۴ ص ۷۱۸ میں ہے و قال الرملی و هذا صريح في رد كلام اكثر العوام ان تمتع المرأة يوجب التمليك ولا شك في فساده یعنی عوام کا خیال ہے اور اس کے غلط ہونے میں کوئی شک نہیں اور شریعہ جو وضعِ مسئلہ میں وارد ہوا ہے، مثال کے طریقے پر وارد ہوا ہے کہ شرار ایک مستقل اور نمایاں



طریقِ ملک ہے، مقصود مملوکہ ہے کہ اصل مدار ملک پر ہے، شراء من حیث ہو ہو یقیناً مراد نہیں وذا من اجلی البدیہیات چنانچہ زوجہ کے اقرار اشترار زوج سے سقوطِ قول ودعویٰ زوجہ کا جزئیہ جو بحر الرائق ج ۷ ص ۲۲۵، شامی ج ۲ ص ۵۰۳ نیز ج ۴ ص ۵۹۸ نیز ج ۴ ص ۱۸ میں ہے اس کی تعلیل لانہا اقرت بالملک لزوجہا سے اظہر من الشمس ہے کہ مدار ملک پر ہے وھذا نص الجزئیۃ فی المذکورات عن البدائع۔

وفی البدائع ج ۲ ص ۳۱۰ ھذا کلہ اذا لم تقر المرأۃ ان ھذا المتاع اشتراہ فان اقرت بذلک سقط قولہا لانہا اقرت بالملک لزوجہا ثم ادعت الانتقال الیہا فلا یثبت الا بالبینۃ اور ایسے ہی اگر زوجہ یہ دعوٰے کرے کہ میں نے زوج سے خرید لیا ہے کہ اصل مالک بائع ہی ہوتا ہے۔



فتاویٰ خانیہ ج ۱ ص ۱۸۲، فتاویٰ ہندیہ ج ۲ ص ۳۴۴، بحر الرائق ج ۷ ص ۲۲۵، شامی ج ۴ ص ۵۹۸ میں ہے ولو ادعت المرأۃ بمتاع انہا اشترت عن زوجہا کان المتاع للزوج وعلیہا البینۃ اور تعلیلِ مذکور سے یہ بھی واضح کہ اقرار المرأۃ من حیث ہو ہو بھی یقیناً مراد نہیں بلکہ ثبوتِ ملک شرعی طور پر چاہیے لہٰذا بحر الرائق ج ۷ ص ۲۲۵، شامی ج ۴ ص ۵۹۸ میں تصریح فرما دی ولا یخفی انہ لو برھن علی شرائہ کان کاقرارہا بشرائہ فلابد من بینۃ علی الانتقال الیہا منہ بہبۃ او نحو ذلک۔

اور جب امس و شمس کی طرح واضح ہوا کہ مدار ملک پر ہے تو بلا ریب خلیفۂ مالک یعنی وارث کو بھی بعد از موتِ زوج یہ حق پہنچتا ہے کہ ثبوتِ ملک یا اثبات سے قولِ زوجہ کو ساقط کرے اور بلا دلیل نہ ملنے اور یہی وجہ ہے کہ جزئیت اقرار زوجہ جس کا اصل ماخذ خانیہ ہے،

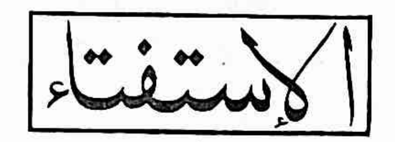


خانیہ اور ہندیہ میں صور خلاف (جس میں صورت موت زوج بھی ہے) کے بعد بیان فرمایا اور بدائع سے بحر الرائق اور شامی کی نقل میں ھذا کلہ سن چکے جو صورت موت زوج اور نزاع وارث کو بھی شامل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ وآلہ واصحابہ و بارک و سلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۶ رشعبان المعظم ۶۶ھ





الاستفتاء

بخدمتِ اقدس جناب قبلہ فقیہِ اعظم محدّثِ پاکستان حضرت مولانا الحاج ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی دامت برکاتہم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ؛ مزاج ہمایوں !

بعد تسلیمات غلام معروض کہ بندہ کو ایک نہایت ہی پیچیدہ مسئلہ کی وجہ سے ذہنی پریشانی لاحق ہے، امید ہے کہ آپ اپنی گونہ مصروفیات اور طویل علالت کے باوجود کرم فرماتے ہوئے بندہ کی ذہنی پریشانی کا ازالہ فرمائیں گے۔

السوال : زید کو ورثہ میں چند کتبِ دینیہ ملیں لیکن زید خود اَن پڑھ (جاہل) تھا اور کسی کو استفادہ کی غرض سے دینے کا شعور بھی نہیں رکھتا تھا، اس کی بیوی نے وہ کتب بکر کے ہاتھ مبلغ پانچسو ۵۰۰ روپے کے عوض فروخت کر دیں۔ تقریباً ایک سال کا عرصہ گزر جانے پر بکر کے



دل میں یہ خیال آیا کہ مبادا یہ کتب چوری کی نہ ہوں تو اس نے زید کی بیوی سے رجوع کیا کہ اپنی کتابیں واپس لے لو اور رقم بھی واپس نہ کرو لیکن عورت کتابیں واپس نہیں لیتی کیونکہ اس کے خاوند کو علم نہیں ہے کہ کتابیں کہاں گئیں۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ بکر نے ایصالِ ثواب اور نیک نیتی کی بنا پر خریدی تھیں لیکن اب خوفِ خدا کی وجہ سے واپس کرنا چاہتا ہے کہ کہیں مجھے پکڑ نہ ہو کہ زید فتنہ پرور آدمی ہے اگر اسے علم ہو جائے کہ اس کی بیوی نے بکر کے ہاتھ کتابیں فروخت کر دی ہیں تو بھی اور واپس چلی جائیں تو بھی فساد کا اندیشہ ہے اور مقدمہ کا خطرہ ہے۔

آپ شرع شریف کی روشنی میں بیان فرمائیں کہ وہ کتب بکر اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا نہیں تو شرعاً گنہگار تو نہیں ہوگا۔ مختصر جواب سے مشکور فرمائیں، عین کرم نوازی ہوگی۔

المستفتی: سید محمد عبدالغفار شاہ سکنہ تھانہ ساہو کا متعلم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ رجسٹرڈ بصیر پور شریف ۱۵ ۹/۸۱





زید کی بیوی نے غلطی کی بلاوجہ فروخت کر دی ہاں اگر اس نے زید سے حقِ مہر یا کوئی چیز لینی ہے جو شرعاً زید کو ادا کرنی لازم تھی تو اس کے بعد وہ عورت فروخت کر سکتی ہے



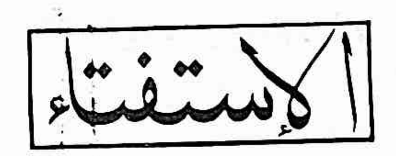
اور رقم وصول کر سکتی ہے کہ شرعاً جس کے ذمہ حق لازم ہو اور وہ دے نہ مگر کوئی چیز اسکی اس کے ہاتھ آجائے تو اس چیز سے وہ اپنا حق ادا کر سکتی ہے کما فی الشامیۃ وغیرھا مگر بکر دیکھے کہ وہ کتابیں اگر پانچسد روپے سے زیادہ ہوں تو کچھ اور رقم دیدے، پرانی اور مستعمل کتابوں کی قیمت کا اندازہ لگالے۔

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ واٰلہ واصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۲ صفر ۱۴۰۲ھ ۲۲-۱۲-۸۱





کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ بخشایا اور احمد اور ایک شخص تیسرا کے کھیت خربوزہ ماہ ہاڑ میں قریب قریب تھے اور ہر ایک اپنے اپنے کھیت میں رہا کرتے تھے۔ رات کے وقت مسمیٰ بخشایا کے پاس مسمیٰ احمد گیا کہ میں حقہ پیتا ہوں اس نے کہا کہ اسی جگہ پڑا ہو گا لے جاؤ اور پیو، وہ اس وقت حقہ لے کر اپنے کھیت میں چلا گیا اس کے بعد تیسرے شخص کا مہمان مسمیٰ رمضان آیا ہوا تھا وہ بھی مسمیٰ بخشایا کے پاس آگیا اور اس نے کہا کہ میں حقہ پیتا ہوں۔

بخشایا مذکور نے کہا کہ دیکھ لو، اگر پڑا ہے تو پی لو..... ورنہ حقہ مجھ سے مسمیٰ احمد



نے طلب کیا تھا وہ لے گیا ہوگا۔ اس مہمان نے حقہ تلاش کیا مگر وہ اس جگہ نہ ملا تو پھر وہ مسمیٰ احمد کے پاس آیا کہ حقہ تم مسمیٰ بخشایا کا لایا ہو تو اس نے کہا کہ میں لایا ہوں حقہ پڑا ہے تو پھر وہ مہمان حقہ لے کر جہاں وہ مہمان رہا ہوا تھا، چلا گیا، وہاں جاکر حقہ پی کر سو گیا اور حقہ وہیں رکھ چھوڑا۔

علی الصبح اٹھا تو حقہّ وہاں نہ پایا یعنی چوری گیا اور ایک چیز اس کی بھی یعنی کپڑا چوری ہوگیا۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا وہ حقہ اصل مالک لے سکتا ہے اور اگر لے سکتا ہے تو وہ حقہّ مسمیٰ احمد دیوے یا وہ مہمان جو حقہّ احمد سے لایا تھا وہ دیوے؟ براہِ مہربانی مفصل جواب سے سرفراز فرمائیں۔

السائل: صادق محمد ہوتیانہ بقلم خود ۵۵-۱-۳۱





یہ سوال مفصل نہیں لہٰذا مفصل جواب متعسّر ہے مگر چند ظاہر صورتوں کا حکمِ فقہی لکھا جاتا ہے، اگر کوئی اور صورت ہو تو دوبارہ استفسار کر سکتے ہیں۔

۱- بخشایا نے صرف احمد کے پینے کے لئے دیا ہو (کہ وہ کہتا ہے میں حقہّ پیتا ہوں اور الفاظ "لے جاؤ اور پیو" محض جمعِ تعظیمی ہوں یا سائل نے اپنی تہذیب کے لحاظ سے

پنجابی افرادی الفاظ کو جمع بنا دیا) اور بقرینہ لفظ پیتا ہوں صیغۂ حال یہ مراد ہو کہ پی کر واپس دے جائے کہ لے جاؤ اور پیو، اسی کے جواب میں کہتا ہے اور خود اس کا عادی حقہ ہونا بھی یہی چاہتا ہے کہ واپس کیا جائے اور یہ بھی مراد ہو کہ اپنے کھیت میں ہی پیئے، پھر احمد نے پی کر رکھ دیا (کہ رمضان کو کہتا ہے حقہ پڑا ہے) تو اس صورت میں احمد کو حقہ کی ضمانت پڑتی ہے کہ اس نے خلاف ورزی کی ہے۔

فتاویٰ عالمگیر ج ۳ ص ۴۸۰، فتاویٰ العقود الدریہ ج ۲ ص ۸۷، ۸۹، شامی ج ۴ ص ۶۹۷، جامع الفصولین ج ۲ ص ۱۱۳، بدائع صنائع ج ۶ ص ۲۱۵ و النظم من الهندية ولا فرق بين ان تكون العارية موقتة نصا او دلالة حتى قيل ان من استعار قدوما ليكسر حطبا فكسره وامسك حتى هلكت عنده ضمن هكذا في الفتاوى العتابية



اور اگر اس صورت میں احمد نے خود نہ پیا ہو تب بھی یہی حکم ہے البتہ یہ شرط ہے کہ بخشایا نے رمضان کو احمد سے حقہ لینے کی اجازت نہ دی ہو اور سوال سے ظاہر بلکہ اظہر یہی ہے (کہ اگر پڑا اور لے گیا ہوگا) احتمالی الفاظ استعمال کرتا ہے تو چونکہ رمضان نے بلا اجازت لیا ہے لہٰذا اسے بھی ضمانت پڑتی ہے تو مالکِ حقہ مختار ہے جس ایک سے چاہے وصول کر سکتا ہے، احمد سے وصول کرے تو احمد رمضان سے وصول کر سکتا ہے اور اگر بخشایا براہِ راست رمضان سے وصول کرے تو احمد بری ہو جائیگا۔

بدائع ج ۶ ص ۲۱۸ میں ہے فصارت العين في يده كالمغصوب

فتاویٰ عالمگیر ج ۳ ص ۶۵۳ میں ہے فللمالك ان يضمن الاول او الثاني فان ضمن المالك الغاصب الاول يرجع الاول على الثاني بما ضمن وان ضمن الثاني لا يرجع على الاول الخ

۴ : بخشایا نے رات بھر کے لئے دیا ہو اور یہ ان کا عرف ہو تو پھر بھی وہی حکم ہوگا کہ احمد نے حقہ کی حفاظت نہ کی، رمضان بلا اجازت دوسرے کھیت میں لے گیا اور اگر اسی کھیت میں رکھنا مشروط نہ ہو تب بھی وہی حکم ہے کہ گو اس صورت میں احمد مستعار دے سکتا تھا بشرطیکہ خود نہ پی چکا ہو مگر لایا ہو اور میں لایا ہوں حقہ پڑا ہے، استعارہ اور اعارہ کے لفظ نہیں حالانکہ اعارہ میں لفظِ ایجاب لازم ہے۔

شامی ج۴ ص ۶۹۱، عالمگیری ج ۳ ص ۴۷۸، بحر الرائق ج ۷ ص ۲۸۰، فتاوی قاضیخان ص ۷۶۶ والنظم لہ۔ ان الاعارۃ لاتثبت بالسکوت اور جب اعارہ نہ بنا تو اس کا چپ رہنا اسے خائن بنا رہا ہے وذا ظاھر جدا۔



۵ بخشایا نے "لے جاؤ اور پیو" سے جمعی معنے مراد لیا ہو اور ان کی عادت کے لحاظ سے تیسرے کھیت والے میزبان اور رمضان مہمان بھی عموم میں داخل ہوں مگر یہ شرط عرفاً اور عادۃً ہو کہ جلدی واپس کر جائیں تو پھر صرف رمضان کو دینا پڑے گا کہ جب وہ لے گیا اور واپس نہ کیا تو وہی مجرم ہوا اور اگر اسی عمومی صورت میں رات بھر رکھنے کی اجازت عادۃً تھی تو مالک کسی سے بھی وصول نہیں کر سکتا کہ کھیتوں میں پاس سونا بھی حفاظت شمار کیا جاتا ہے۔

فتاوٰی عالمگیر ج ۳ ص ۴۸۴ میں ہے نام قاعدا او مضطجعا والمستعار تحت رأسہ او موضوعا بین یدیہ و بحوالیہ یعد حافظا کذا فی الوجیز الکردری نیز ص ۴۸۰ و ۴۸۱ میں ہے اذا وضع المستعیر المستعار بین یدیہ ونام قاعدا لاضمان علیہ وان نام مضطجعا ھو فی المصر یضمن والا فلا کذا فی خزانۃ المفتین۔



واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ
وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ
۹ر جمادی الاخریٰ ۷۴؁ھ

الاستفتاء



بخدمت اقدس حضرت مولانا علامہ مرجع الفتاویٰ والمفتین شیخ الاسلام والمسلمین قبلہ فقیہ اعظم دامت برکاتہم العالیہ بصیر پور شریف

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ: مزاجِ ہمایوں۔

معروض آنکہ فقیر موضع ساہو کا تھانہ تحصیل بوریوالہ ضلع وہاڑی میں خطیب ہے گذشتہ جمعۃ المبارکہ کے موقع پر بنابریں مضمون ایک رقعہ پیش ہوا کہ موضع ہندالہ السنی بنگلہ میں سے مسمّٰی شان محمد کھرل اپنی مسجد کی بیٹری برائے چارج کرانے موضع ساہو کا میں مسجد بیت الرحمٰن میں حافظ محمد منشا صاحب جو کہ نابینا ہیں اور پردیسی (غریب الدیار) ہونے کی وجہ سے مسجد میں رہائش پذیر ہیں، کے پاس لایا، حافظ صاحب نے دوسرے دن عصر کا وعدہ فرمایا لیکن صوفی شان محمد مذکور کسی کام کی رکاوٹ کے بسبب نہ آسکا اور اس نے دوسرے آدمی کو بیٹری لینے بھیجدیا جو اپنی بیٹری نہ پہچانتا تھا۔ حافظ صاحب جو بیٹری دی وہ کسی دوسری سے تبدیل ہوگئی تھی۔ گاؤں جانے پر نمازیوں نے شور برپا کر دیا



کہ ہماری بیڑی تو بڑی تھی یہ چھوٹی ہے۔ تب شان محمد مذکور وہ چھوٹی بیڑی لیکر واپس حافظ صاحب کے پاس آیا تو حافظ صاحب نے کہا کہ تمہاری بیڑی گم ہوگئی ہے لہٰذا یہ بیڑی اور مبلغ /۲۰۰ روپے لے جاؤ جس پر شان محمد مذکور راضی نہ ہوا تو حافظ صاحب نے کہا کہ اس کے علاوہ پھر شرعی فیصلہ پر ہی کوئی قدم اٹھایا جا سکتا ہے یعنی شرعاً جو حکم ہو میں تعمیل کروں گا۔

السائل

سید عبد الغفار شاہ غفرلہٗ متعلم دار العلوم ہٰذا
مستقل سکونت تھانہ ساہو کا ضلع دہاڑی بقلم خود





یہ مسئلہ اجیر مشترک کا ہے وہ حافظ صاحب اجیر خاص نہیں بلکہ اجیر مشترک ہے کیونکہ وہ سب کی بیڑیاں جو کہ آتے ہیں بھرتے ہیں حالانکہ اجیر مشترک کے ہاتھ میں جو بیڑی آئے وہ امانت ہے لہٰذا حافظ صاحب کو ضمانت نہیں پڑتی۔ فتاوی عالمگیری ج ۳ ص ۵۵۵ اور قدوری ص ۹۱ میں ہے واللفظ من الهندية وحكم الاجير المشترك ان هلك في يده من غير صنعه فلا ضمان عليه في قول ابي حنيفة رضي الله عنه۔



ہاں اگر حافظ صاحب پر یہ شبہہ ہو کہ دیدہ دانستہ کسی اور کو دے دی ہے تو صفائی کی قسم اٹھوا سکتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ علی حبیبہ الاکرم والہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۰ ر ذی القعدۃ الحرام ۱۴۰۱ھ ۸۱-۹-۱۰





باب ثبوت النسب

الاستفتاء



کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک شخص ایک لڑکے کو جو اس کی منکوحہ بیوی کے بطن سے ہے، اپنا بیٹا کہتا رہا ہے اور ڈی سی، اسے ڈی سی کی عدالت میں بیان دیتا رہا ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے جس کی اٹھارہ بیس نقول محکمہ نقول سے حاصل ہو سکتی ہیں اور فنانشل کمشنر سے لے کر پٹواری تک کاغذات میں بیٹا درج ہے اور وہ شخص اس لڑکے کا بیٹا ہونے کا اقرار کرتا رہا ہے۔ اب دس بارہ سال کے بعد وہ شخص اس لڑکے سے خفا ہو کر اپنا بیٹا ہونے سے انکار کرتا ہے۔ آیا اس کا یہ انکار بروئے شریعت صحیح ہوگا اور وہ لڑکا محروم عن الارث ہوگا؟

بروئے فقہِ حنفی جواب تحریر فرما کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔ والسلام

السائل

فدوی نور الحسن کوٹ دیوامل ضلع منٹگمری

بمعرفت

حاجی سید محمد اسحاق شاہ صاحب حجاج چوک منٹگمری







جب منکوحہ کے پیٹ سے بعد از نکاح پورے چھ ماہ یا زائد زمانہ گذرنے پر بچہ پیدا ہو تو اس کی نسب ناکح سے ثابت ہو جاتی ہے اقرار کرے یا سکوت۔ فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۱۳۹ میں ہے وان جاءت بہ لستۃ اشھر فصاعدا یثبت نسبہ منہ اعترف بہ الزوج او سکت اور جبکہ صورتِ مسئولہ میں دس بارہ سال تک اقراری رہا ہے تو نسب صراحۃً ثابت ہو چکی بشرطیکہ بعد از نکاح والی شرطِ مذکور پائی گئی ہو، اب اسکا انکار محض لغو اور بے کار ہے۔

فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۱۳۱ میں ہے اذا اقر بالولد صریحا او دلالۃ لا یصح النفی بعد ذلک اور جب لڑکا ہی رہا تو وارث ہوگا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۵ ربیع الثانی ۱۳۷۶ھ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام کہ ہدایت اللہ کی شادی کے وقت اسکے والد میاں رحیم بخش نے معتبر گواہاں کے روبرو یہ کہا کہ ہدایت اللہ میرا حقیقی بیٹا ہے۔

۲۔ یہ کہ میرا نکاح ہدایت اللہ کی والدہ کے ساتھ فلاں فلاں گواہاں کے روبرو ہوا تھا یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہوگا کہ بیانِ بالا دیتے وقت گواہان موقع نکاح کا انتقال ہوچکا ہوا تھا۔



۳۔ یہ کہ میاں رحیم بخش نے اپنی زندگی میں اپنی جائداد ہدایت اللہ اور ہدایت اللہ کے بیٹے کے نام رجسٹری کرتے ہوئے ہدایت اللہ کو بیٹا اور اس کے بیٹے کو اپنا پوتا ظاہر کیا ہے۔

اب مفتیانِ شرع مبین سے یہ سوال کہ کیا میاں رحیم بخش کا اقرارِ نکاح ہدایت اللہ کے ثبوتِ نسب کے لئے کفایت کرسکے گا؟

سائل : راشد قریشی مدرسہ مرکزی دار التجوید والقرارت رجسٹرڈ
چوک شاہ عالم گیٹ اندرون لاڈا آزاد پاکستان گڈس ٹرانسپورٹ لاہور



میاں رحیم بخش کا معتمد گواہوں کے سامنے صرف یہ کہنا کہ ہدایت اللہ میرا حقیقی بیٹا ہے، ثبوتِ نسب کے لئے کافی ہے بشرطیکہ:

۱۔ ان کی عمروں میں اتنا تفاوت ہو کہ ہدایت اللہ کا ہم عمر رحیم بخش کا بیٹا بن سکتا ہو۔

۲۔ اور ہدایت اللہ کسی اور شخص کا ثابت النسب بیٹا نہ ہو۔

۳۔ اور ہدایت اللہ بھی تصدیق کرتا ہو۔



اور جب ہدایت اللہ رحیم بخش کا بیٹا بن گیا تو لامحالہ اس کا بیٹا رحیم بخش کا پوتا بنے گا۔
کنزالدقائق، بحرالرائق ج ۷ ص ۲۵۵، تبیین الحقائق ج ۵ ص ۲۷، فتاوی سراجیہ ص ۱۲۳، بدائع صنائع ج ۷ ص ۲۲۸، ہدایہ، کفایہ۔ عنایہ ج ۷ ص ۳۶۶، تنویرالابصار، درالمختار، ردالمحتار ج ۴ ص ۶۴۲، ملتقی الابحر، مجمع الانہر، درالمنتقٰی ج ۲ ص ۳۰۴، فتاوی عالمگیر ج ۳ ص ۳۹۸ میں ہے (والنظم من الھندیۃ) یصح اقرار الرجل بالولد بشرط ان یکون المقر لہ بحال یولد مثلہ لمثلہ وان لا یکون المقر لہ ثابت النسب من غیرہ وان یصدق المقر لہ المقر فی اقرارہ اذا کانت لہ عبارۃ صحیحۃ
نیز اسی میں ہے حتی انہ اذا اقر بالابن مثلا فالابن المقر لہ یرث مع سائر ورثۃ المقر وان جحد سائر الورثۃ نسبہ۔

واللّٰہ تعالیٰ اعلم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللّٰہ النعیمی غفرلہٗ

۱۹ ربیع الثانی سنہ ۹۰ھ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اندریں مسئلہ کہ محمد حنیف ولد محمد رمضان چک ۱۴ ج.ب یہ کہتا ہے کہ جب میری شادی ہوئی تو میری عمر اس وقت آٹھ سال تھی اور شادی کے بعد سات ماہ میں لڑکا پیدا ہو گیا اور میں نے اس لڑکے کا اسی وقت انکار کر دیا کہ یہ میرا لڑکا نہیں بلکہ حرام زادہ ہے اور اب بھی میں انکار کر رہا ہوں کہ یہ میرا لڑکا نہیں، کیا وہ لڑکا میری وراثت کا مالک بن سکتا ہے یا نہیں؟

نشان انگوٹھا محمد حنیف ولد محمد رمضان چک نمبر ۱۴



اگر سوال صحیح اور واقعی ہے تو وہ لڑکا محمد حنیف کا لڑکا نہیں بن سکتا، وارث بھی نہیں بن سکتا، آٹھ سالہ بچہ کا باپ بننا ممکن نہیں تو نسب کیسے ثابت ہو، مبسوط ج ۶ ص ۵۳ میں ہے انہ لا یصلح ان یکون والدا یعنی بچہ باپ بننے کے قابل نہیں فتح القدیر ج ۴ ص ۱۴۹ میں ہے ولا یمکن ثبوتہ فی الولد اور ص ۱۵۱ میں ہے لان الصبی لاماء لہ فلا یتصور منہ العلوق (وھذا من الھدایۃ) یعنی خاوند بچہ ہو تو ثبوت نسب ممکن نہیں کہ بچے کے لئے پانی (مادۂ منویہ) نہیں تو اس سے حاملہ ہونا متصور ہی نہیں اور یونہی تبیین الحقائق ج ۳ ص ۱۳۱ وغیرہ میں ہے لہٰذا مبسوط عامۂ اسفارِ مذہب مہذب میں مصرح ہے ان النسب لا یثبت منہ یعنی بلاشبہ بچے سے نسب ثابت نہیں ہوتی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ





کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین اندریں کہ زید نے مرض الموت



میں اپنے بالغ لڑکے بکر جو ہندہ زوجۂ اولیٰ کے بطن سے ہے، کے متعلق زینب زوجۂ ثانیہ یا کسی اور کے ورغلانے سے وصیۃً لکھ دیا کہ یہ میرا لڑکا نہیں، حرام زادہ ہے اور تیسرے دن مر گیا تو آیا بکر مذکور وراثتِ زید سے محروم رہے گا یا وارث ہوگا؟ بینوا اماجورین من رب العٰلمین۔





سوال سے پُرظاہر کہ ہندہ منکوحۂ زید بنکاح صحیح ہے اور بکر انعقادِ نکاح سے چھٹے ماہ یا اس کے بعد پیدا ہوا اور زید اسے اپنا لڑکا سمجھتا رہا تو نفیٔ مذکور سے نسب بکر ہرگز ہرگز منتفی نہیں ہوسکتی، بدستور زید کا لڑکا ہے، حدیث [عہ] شریف میں ہے الولد للفراش۔ ہدایہ، فتح القدیر عنایہ ج ۴ مصری، ص ۱۲۵، ۱۲۶۔ درالمختار، ردالمحتار ج ۲، ص ۸۱۳، فتاوی عالمگیری مجیدی ج ۲ ص ۱۳۱ والنظم من الهندية واذا نفى الرجل ولد امرأته عقيب الولادة او فى الحال التى يقبل التهنئة ويبتاع آلة الولادة صح نفيه ولاعن به وان نفاه بعد ذلك لاعن ويثبت النسب ولو كان غائبا عن امرأته ولم يعلم بالولادة حتى قدم له النفى عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى فى مقدار ما تقبل التهنئة۔ نیز ہندیہ ج ۲ ص ۱۳۱ میں ہے اذا

عہ ابوداؤد ج ۲ ص ۴۰، ترمذی ج ۲ ص ۳۳۔ منہ غفرلہ

اقر بالولد صریحا او دلالۃ لایصح النفی بعد ذلک سواء کان بحضرۃ الولادۃ او بعدھا و الصریح ان یقول الولد منی او یقول ھٰذا ولدی والدلالۃ ان یسکت اذا ھنیٔ لکنہ یلاعن کذا فی غایۃ البیان۔ بلکہ منکوحہ کا بچہ صرف نفی سے کسی صورت میں بھی منتفی النّسب نہیں ہوسکتا، اگرچہ عقیب الولادۃ ہی ہو کہ اسمیں بھی لعان وتفریق وقطعِ قاضی شرط ہے۔ بحر الرائق ج ۴ ص ۱۱۹، رد المحتار ج ۲ ص ۸۱۱، عالمگیری ج ۲ ص ۱۳۲ میں ہے و النظم منہا و اذا فرق القاضی بینہما بعد اللعان یلزم الولد امہ۔ و روی بشر عن ابی یوسف رحمہ اللّٰہ تعالٰی انہ لابد ان یقول القاضی فرقت بینکما و قطعت نسب ھٰذا الولد منہ حتی لو لم یقل ذٰلک لاینتفی النسب عنہ و ھٰذا صحیح کذا فی المبسوط و ھٰکذا فی النہایۃ ثم ینفی القاضی نسب الولد و یلحقہ بامہ۔ وعن ابی یوسف رحمہ اللّٰہ تعالٰی ان القاضی یفرق و یقول الزمتہ امہ واخرجتہ من نسب الولد حتی لو لم یقل ذٰلک لاینتفی النسب کذا فی الکافی و فی المبسوط ھٰذا ھو الصحیح کذا فی شرح مجمع البحرین لابن الملک نیز اسی میں ہے (ج ۲ ص ۱۳۹) قال اصحابنا لثبوت النسب ثلٰث مراتب الاولٰی النکاح الصحیح و ماھو فی معناہ من النکاح الفاسد والحکم فیہ انہ یثبت النسب من غیر دعوۃ ولا ینتفی بمجرد النفی و انما ینتفی باللعان فان کانا ممن لا لعان[1] بینہما لاینتفی نسب الولد کذا فی المحیط۔ خصوصاً مرض الموت



---

[1] وکذٰلک اذا کان من اھل اللعان فلم یتلاعنا فانہ لاینتفی النسب کذا فی شرح الطحاوی و لو نفی ولد زوجتہ الحرۃ فصدقتہ فلاحد و لا لعان وھو ابنہما لایصدقان علی نفیہ کذا فی الاختیار شرح المختار ۱۲ ھندیۃ ج ۲ ص ۱۳۱۔ منہ غفرلہ



تو ایسی حالت ہے کہ اگر اس میں عورت کو طلاقِ مغلظ دے اور اس کی عدت میں فوت ہو تو وارث ہوتی ہے چہ جائیکہ بکر ثابت النّسب، بالجملہ بکر ضرور وارث زید ہے کہ زید کا لڑکا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمانِ والا ہے للرجال نصیب مما ترك الوالدان والاقربون و للنساء نصیب مما ترك الوالدان والاقربون مما قل منه او کثر نصیبا مفروضا[1] نیز فرمانِ والاشان ہے یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین الآیۃ[2]۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد واٰلہ وصحبہ وبارك وسلم۔



حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

---

[1] النساء، آیۃ ۷ [2] النساء، آیۃ ۱۱


حقِ پرورش
(حضانة الولد)

باب حضانة الولد



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک شخص مسمّٰی محمد یٰسین نے اپنی بیوی مسماۃ بشیراں کو طلاق دی جبکہ بشیراں کے بطن سے محمد یٰسین کی لڑکی بعمر چھ سات ماہ تھی، وہ بچی بشیراں کے پاس رہی اور اب ½ ۳ سال کے لگ بھگ اس کی عمر ہے۔ اب محمد یٰسین وہ لڑکی بشیراں سے لینا چاہتا ہے۔ بشیراں نے دوسری جگہ عقد کرلیا ہے اور محمد یٰسین نے بھی دوسری شادی کرلی ہے۔ بشیراں کے والدین بقیدِ حیات ہیں جو کہ اس بچی کے سگے نانا و نانی ہیں۔ محمد یٰسین کے والدین بھی بقیدِ حیات موجود ہیں جو کہ اس بچی کے سگے دادا دادی ہیں۔ اِس وقت بچی کی عمر تقریباً تین چار سال ہے۔



شرعاً حکم تو یہ فرمائیں کہ لڑکی کی تربیت کے لئے زیادہ مناسب وحقدار نانا و نانی ہیں یا دادا و دادی جبکہ بچی کے لئے دونوں فریق بضد ہیں نیز دو اڑھائی سال کے عرصہ کا خرچہ جس میں اس کی پرورش ننھیال نے کی ہے، وہ لینے کے از روئے شرع مستحق ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔





مسماۃ بشیراں کے نکاح کے بعد بشیراں کی ماں جو کہ لڑکی کی نانی ہے وہ زیادہ حقدار ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ج ۲ ص ۱۴۱ والام والجدۃ احق بالجاریۃ حتی تحیض اور جو بچی کی پرورش پر خرچ ہوا جب پہلے کچھ مقرر نہیں ہوا تھا تو اب وہ خرچ وصول نہیں کر سکتے۔ ہاں آئندہ کے لئے باقاعدہ مقرر ہو جائے تو وہ وصول کر سکتے ہیں اور یہ حق بچی کے جوان ہونے تک ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ علی خیر خلقہٖ محمد وعلی آلہٖ واصحابہٖ اجمعین وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۶ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۲ھ ۱۱ اپریل ۱۹۸۲ء



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ متین اندریں مسئلہ کہ ہندہ نامی ایک عورت کا زید کے ساتھ نکاح ہوا۔ ہندہ کے بطن سے زید کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی اور زید فوت ہو گیا۔ ہندہ بدچلن تھی وہ زید کے گھر سے چلی گئی اور لڑکے کو اپنے ساتھ لے گئی اور لڑکی جس کی عمر تقریباً چار سال تھی اسے چھوڑ گئی۔ بعد ازاں زید بھی مر گیا اور وہ لڑکی بالکل بے سہارا ہو گئی۔



بعد ازاں اس لڑکی کی سوتیلی بہن کے خاوند نے جو ایک اجنبی شخص تھا اس نے اس لڑکی کی پرورش کی، اب وہ لڑکی جوان ہے اور اس کا حقیقی بھائی جس کو ماں اپنے ساتھ لے گئی تھی وہ بھی جوان ہے۔ اب ان دونوں نے یعنی لڑکی کی ماں اور اس کے بھائی نے اپنا استحقاق جتا کر لڑکی کو لینے کی کوشش کی ہے، لڑکے پرورش کنندہ نے عرصہ بیس سال کا خرچہ مانگا ہے۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا پرورش کنندہ خرچہ لینے کا شرعاً مجاز ہے یا نہیں؟

اگر ہے تو کتنے عرصہ کا خرچہ لے سکتا ہے؟ کیا لڑکی بالغ ہونے کے بعد خرچہ لے سکے گا؟

یاد رہے کہ لڑکی بالغ ہونے کے بعد اپنے سوتیلے بہنوئی کے گھر رہتے وقت دیہاتی ماحول کے مطابق کچھ کام کاج یا ان کی کوئی خدمت بھی کرتی رہی ہو گی تو اس مدت



کا بھی خرچہ ورثاء پر لازم ہوگا۔ واضح ہو کہ ہندہ اور اس کا لڑکا خرچہ ادا کرنے پر رضامند ہیں۔

سائل: میاں فاضل سرگانہ، دولت آباد ضلع وہاڑی ۸۱-۴-۱۶





شرعاً اس سوتیلی ہمشیرہ کے خاوند کا نابالغہ بچی کو پرورش کرنا تبرع تھا یعنی اپنی مرضی سے نیک کام کرتا تھا لہٰذا اس کا معاوضہ نہیں لے سکتا۔ شامی ج ۲ ص ۹۰۶ میں ہے والنظم للتنویر والنفقۃ لا تصیر دینا الا بالقضاء او الرضا اور اس صورت میں نہ قاضی نے حکم دیا اور نہ رضائے والدین سے خرچہ ہوا تو مطالبہ نہیں کر سکتے ہاں اگر والدہ اور بھائی اپنی رضامندی سے کچھ دینا چاہیں تو ہو سکتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ علیٰ حبیبہ وآلہٖ وسلم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۱ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ ۸۱-۴-۱۷

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کے ایک عورت نوجوانی کے عالم میں



بیوہ ہوگئی، بیوہ ہونے کے وقت اس کے دو نابالغ بچے ایک لڑکی بعمر پانچ سال اور ایک لڑکا بعمر چار ماہ کا رہ گیا، اب لڑکی کی عمر تقریباً نو سال اور لڑکے کی عمر تقریباً پانچ سال ہے خاوند کی موت کے بعد عورتِ مذکورہ نے ایک غیر شخص کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کرلئے اور بغیر نکاح کے اس کے ساتھ رہنا سہنا شروع کردیا۔ عورت کے لواحقین نے اسے سمجھایا کہ وہ اس مرد کیساتھ شادی کرلے لیکن وہ شادی کے لئے بھی تیار نہیں اور اس مرد کے ساتھ تعلقات منقطع کرنے پر بھی رضامند نہیں۔ عورتِ مذکورہ کے موجودہ کردار کے باعث اسکے دونوں نابالغ بچوں پر اخلاقی لحاظ سے سخت برا اثر پڑ رہا ہے خصوصاً چھوٹا بچہ اپنی کم عمری اور معصومیت کے باعث اپنی ماں اور اسی کے آشنا کا ذکر دیگر لوگوں سے کرتا ہے، ساتھ ہی عورتِ مذکورہ دونوں یتیم بچوں کی جائداد کی آمدن پرائے آدمیوں کو کھلا کر خرد برد کر رہی ہے از روئے شرع محمدی موجودہ صورت حالات میں جو احکام دینی ہوں، صادر فرمائے جائیں

الملتمس

مجتبیٰ احمد معرفت لفٹیننٹ کرنل مشتاق احمد جنرل ہیڈ کوارٹر راولپنڈی
جنرل اسٹاف برانچ انفنٹری ڈائریکٹریٹ



اگر یہ سوال صحیح اور واقعی ہے تو لازم کہ ان یتیم بچوں کے مال کی حفاظت کی جائے



کہ ایسی ظالم ماں بیچاروں کی جائداد ضائع نہ کردے، شرعاً جب متوفی کی اولاد ہو تو بیوی ایک یا زیادہ کا آٹھواں حصّہ ہے تو اگر وہ عورت مالیتِ جائداد کا آٹھواں حصّہ ضائع یا وصول کر چکی ہے تو اس کا کوئی حق نہیں رہا ورنہ اس کا حق اس کے سپرد کر کے بچوں کی جائداد سے الگ کر دیا جائے پھر ایسی ماں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ بچوں کو جبراً اپنے پاس رکھے۔ فتاوٰی عالمگیر ج ۲ ص ۱۴۱ میں ہے الا ان تکون مرتدۃ او فاجرۃ غیر مامونۃ کذا فی الکافی شامی ج ۲ ص ۸۷۲ میں ہے والحاصل ان الحاضنۃ ان کانت فاسقۃ فسقا یلزم منہ ضیاع الولد عندھا سقط حقھا اور بچوں کی پرورش ایسا رشتہ دار مرد ہو یا عورت جو نیک نیتی سے کر سکے، کرے۔

واللّٰہ تعالٰی اعلم وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہ و اٰلہ و صحبہ و بارک و سلم۔



حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللّٰہ النعیمی غفرلہٗ

۱-۱۱-۶۳



وَصَايا



كتب عليكم اذا حضر احدكم
الموت ان ترك خيرا الوصية

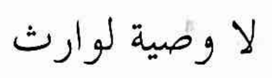
(البقره : ١٨٠)

"تمہارے اوپر فرض کیا گیا ہے' جب تم میں سے کسی
کو موت آنے لگے' اگر وہ کچھ مال چھوڑے تو وصیت
کرے"



لا وصية لوارث

(مشكوة ، باب الوصايا ، الفصل الثانی)

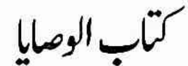


"وارث کے حق میں وصیت معتبر نہیں"



تعارف





کتاب الوصایا

وصیت کے لغوی معنی ہیں :اتصال الشیٔ یعنی ایک شئی کا دوسرے تک متصل ہونا (پہنچنا، ملنا، ملا دینا) و سمیت وصیۃ لاتصالھا بامر المیت (تاج العروس، جلد : 15، صفحہ : 394) وصیت کو بھی وصیت اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ میت کے معاملات سے متعلق و متصل ہوتی ہے۔

شرعاً کسی کو کسی چیز کے بلا عوض (تبرعاً) مالک بنا دینے کو وصیت کہتے ہیں۔

وصیت کرنے والے کو "موصی" جس کے حق میں وصیت کی جائے اسے "موصیٰ لہ" اور جس چیز کے بارے میں وصیت کی جائے اسے "موصیٰ بہ" کہا جاتا ہے۔

ابتدائے اسلام میں قریب الموت شخص کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے والدین، قریبی رشتہ داروں اور عزیزوں کے لئے وصیت کر جائے۔ بعد ازاں



جب احکام میراث نازل ہوئے تو ان میں تمام قریبی رشتہ داروں کے حصص کی تفصیل بیان کر دی گئی--- اور وصیت کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔ البتہ اپنی نوعیت اور حیثیت کے اعتبار سے اب بھی اس (کے جواز یا عدم جواز) کی کئی صورتیں ہیں:

1___ واجب: حقوق اللہ (مثلا زکوٰۃ، حج، قضا نمازیں، روزے وغیرہ) اور حقوق العباد (امانت، قرض وغیرہ) میں سے جو حق اس کے ذمہ ہو اور وہ اسے ادا نہ کر سکا ہو اس کی ادائی کی وصیت فرض یا واجب ہو گی۔

2___ مستحب: کسی کار خیر مثلا دینی مدارس، دینی طلبہ، غریب رشتہ داروں کے لئے یا دیگر امور خیر کی وصیت کرنا۔

3___ مباح: کسی جائز کام مثلا امیر رشتہ داروں یا دنیا داروں کے لئے مال کی وصیت کرنا۔

4___ مکروہ: کسی نا مناسب امر مثلا فاسق و فاجر کے حق میں وصیت کرنا۔



جس درجہ کا ناپسندیدہ امر ہو گا کراہت بھی اسی اعتبار سے ہو گی بعض صورتوں میں تنزیہی، بعض میں تحریمی، جبکہ مطلقاً حرام کام کی وصیت، ظاہر ہے، حرام و معصیت قرار پائے گی۔

وصیت کے سلسلہ میں حدیث پاک کی رو سے یہ پابندی عائد کر دی گئی ہے کہ یہ ایک تہائی سے زائد نہ ہو۔ اسی طرح ورثاء کے حصے چونکہ قرآن کریم میں متعین کر دیئے گئے ہیں اس لئے ان کے حق میں وصیت ممنوع ہے۔ اگر وارث کے حق میں یا ایک تہائی سے زائد کی وصیت کرے گا تو وہ

نافذ العمل نہیں ہو گی۔ البتہ عاقل بالغ ورثاء اپنی رضا مندی سے چاہیں تو عمل درآمد کر سکتے ہیں۔

کتاب الوصایا میں چار فتوے ہیں جن کے ضمن میں متعدد جزئیات آگئی ہیں۔

(مرتب)





كتاب الوصايا



الاستفتاء

مسمّٰے مراد جو کہ اہلِ سنت جماعت سے تعلق رکھتا تھا، فوت ہوا ہے جس کے چار لڑکے نور محمد، رجادہ، بیگ، سراج الدین تھے اور تین لڑکیاں تھیں، اس کی فوتگی کے وقت دو لڑکے نور محمد، رجادہ اور لڑکی گوماں اس کی موجودگی میں فوت ہو چکے تھے نور محمد کے چار لڑکے ہیں احمد، رمضان، سوہنا، ممّاں۔

بیگ اور سراج الدین اور دیگر معززینِ علاقہ بیان کرتے ہیں کہ متوفی نے بوقتِ فوتیدگی زبانی وصیت کی تھی کہ نور محمد پسر کی اولاد کو حصہ دیا جاوے۔ اس نے اپنی موجودگی میں ان کے حصہ کے برابر زمین تقسیم کر دی تھی، قبضہ احمد وغیرہ کا ہے، دو لڑکیاں



مسماۃ سیداں و جنت اپنا حصہ دینے کو تیار نہیں جواب دیا جاوے کہ آیا احمد وغیرہ کو مرد کے ورثہ حصے دیا جاوے یا نہیں ؟





یہ وصیت شرعاً جائز ہے، قرآنِ کریم میں ہے من بعد وصیۃ یوصی بہا او دین۔ پھر اس صورت میں تو متوفی نے زمین تقسیم کر کے تیسرے حصہ پر احمد وغیرہ کو قبضہ بھی دے دیا اور وہ باقاعدہ قبول بھی کر چکے ہیں تو وہ باقاعدہ شرعاً مالک بن چکے ہیں، فتاویٰ عالمگیر ج ۴ ص ۲۲۳ میں ہے والموصی لہ یملک بالقبول تو ان کا وہ حصہ بحال رکھا جائے اور ان کے نام انتقال کیا جائے، سیداں اور جنت کو کوئی حقِ اعتراض قطعاً نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۲ ربیع الثانی ۷۹ھ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ زید کا انتقال ہوا حالانکہ اس کا وارث صرف ایک اعیانی بھائی ہی ہے اور مرض الموت میں اس نے یہ وصیت کی کہ میرا کل مال خیرات کیا جائے اور جو نقد ہے وہ قبر پر لگایا جائے اور حقیقی بھائی کا تقاضا یہ ہے کہ سامان اور نقدی سے مجھے بھی کچھ پہنچتا ہے یا نہیں اور یہ بھی تقاضا ہے کہ قبر پر میں خود اپنے انتظام سے خرچ کروں تو کیا حکم ہے بینوا توجروا۔

نوٹ: زید کا ایک سوتیلا بھائی بھی ہے، کیا اس کو بھی کوئی حق پہنچتا ہے یا نہیں؟

السائل: عبدالحفیظ عبدالحفیظ بقلم خود ۷-۱-۷۶



حقیقی بھائی کے ہوتے ہوئے سوتیلا بھائی وارث نہیں کما فی السراجیۃ اور وصیت صرف تیسرے حصہ تک نافذ کی جائے کما فی السراجیۃ و منصوص فی



الاحاديث المرفوعة الصحيحة لہٰذا تجہیز و تکفین سے بچے ہوئے کل مال کا تیسرا حصہ خیرات کیا جائے اور دو حصے حقیقی بھائی کے ہیں اور حقیقی بھائی ہی قبر بنائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہ واصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۴ محرم الحرام ۱۳۹۶ھ   ۷۶/۱/۷





کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں کہ سمندا ورثاءِ ذیل کی موجودگی میں فوت ہوا :-

سمندا
میت

بیوی	والدہ	اَخ	اخت	اخت
ساماں	صوباں	ماچھیا	نورا	زینب

ستّاں

مگر مال تقسیم نہ ہوا اور رواج کے مطابق بیوی کے قبضہ میں ہی رہا، اب وہ بھی فوت ہو گئی اور یہ وصیت کر گئی کہ یہ کل مال مسجد کو دیا جائے تو کیا سمندا کے دوسرے ورثاء اپنے حقوق سے محروم ہیں یا اپنا اپنا حق لے سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل : ماچھیا موچی از قادر پور منشیاں







قرآنِ کریم نے حصّہ مالِ وراثت کو نصیباً مفروضاً فرمایا ہے تو وہ رواج وغیرہ سے ساقط نہیں ہو سکتا لہٰذا سمندا کے ورثاء اپنے حصّے لے سکتے ہیں اور وصیت صرف بیوی کے اپنے حصے سے (جو کل مال کی چوتھائی ہے) نافذ ہو گی اور اس کا بھی صرف تیسرا حصّہ مسجد کا حق بنے گا کہ والثلث کثیر ہاں اگر وارث بالغ اپنی خوشی سے اپنے اپنے حصّے مسجد میں لگا دیں تو جائز ہے مگر کسی نابالغ کا حصّہ بلا رضا بالغ کا حصّہ لگانا جائز نہیں کہ مسجد پر مالِ طیّب ہی لگایا جا سکتا ہے اور مالِ سمندا کا مسئلہ بوجہ اختلاطِ ربع و سدس بارہ سے آئے گا مگر چونکہ بہن بھائیوں پر باقی بعد الفرائض بلا کسر تقسیم نہیں ہو سکتا لہٰذا حسبِ ذیل قاعدہ بارہ کو چھ میں ضرب دی جائیگی اور ۷۲ سے حسبِ ذیل تقسیم درست ہو جائیگی:

سمندا مسئلہ از ۱۲ تصحیح از ۷۲

میت

بیوی	والدہ	ماچھیا اخ	نورا اخ	زینب اخت	ستاں اخت
۱۸/۷۲	۱۲/۷۲	۱۴/۷۲	۱۴/۷۲	۷/۷۲	۷/۷۲

کذا فی السراجیۃ وغیرہا من اسفار المذہب المہذب۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ



الاستفتاء

۱۔ وصیّت اور ہبہ میں از روئے شرع کیا فرق ہے؟

۲۔ کیا والد اپنی نرینہ اولاد میں سے صرف ایک کے نام جائیداد کا کچھ حصہ ہبہ کر سکتا ہے، جبکہ اس کے دو اور وارث موجود ہوں اور ان کو اس نے عاک[1] نہ کیا ہو؟

۳۔ اگر لڑکا اپنے والد کی زندگی میں فوت ہو جائے تو متوفی لڑکے کی نرینہ اولاد اپنے دادا کی جائیداد کی وارث ہو سکتی ہے؟ اگر ہو سکتی ہے تو اس کی شرح کیا ہوگی جبکہ والد کی اولاد صرف تین لڑکوں پر مشتمل ہو۔

۴۔ کسی شخص کے مرنے پر اس کی جائیداد کی تقسیم کیسے ہوگی جبکہ اس کی دو بیویاں، صرف دو لڑکیاں (ایک بیوی سے) اور ایک بھائی زندہ ہو اور ایک فوت ہو گیا ہو مگر اس کی اولاد زندہ ہو۔

السائل: مسٹر عبدالحکیم اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر سمبڑیال ضلع سیالکوٹ





۱۔ وصیّت شرعاً کسی چیز کا بلا عوض دوسرے کو اپنی موت کے بعد مالک بنا دینا اور ہبہ

---

[1] سائل نے یونہی لکھا ہے، صحیح "عاق" ہے۔ (مرتب)

کسی چیز کا دوسرے کو بلا عوض مالک بنا دینا اسی حال میں ہے تو وصیت میں ثبوتِ ملک موت کے بعد ہوگا اور ہبہ میں موت سے پہلے اور اگر ہبہ کرنیوالا فوت ہوجائے قبل از قبضہ موہوب لہٗ تو ہبہ باطل ہوجاتا ہے۔ ایک فرق تو یہ ہے قبل الموت اور بعد الموت کا، دوسرا یہ ہے کہ ہبہ وارث کو بھی کرسکتا ہے اور وصیت وارث کے لئے نہیں کرسکتا اور اگر کرے تو شرعاً بالکل باطل ہے اور بھی بہت سے فرق ہیں[س] مگر امید کہ سائل کے لئے یہ دو ہی کافی ہونگے۔



۲۔ اگر ایک کو دوسروں پر دینی فضیلت[للعہ] ہے مثلاً عالم ہے کہ خدمتِ علمِ دین میں مصروف ہے یا عبادت و مجاہدہ میں مشغول ہے تو کوئی حرج نہیں اور اگر بلا فضیلتِ دینیہ ایسا کرے تو ہبہ ہوجائے گا اور دوسروں کا اس صورت میں بھی کوئی اعتراض یا مطالبہ نہیں ہوسکتا مگر مکروہ ہے اور گنہگار ہوگا۔ بحر الرائق ص۲۸۸ ج۷

۳۔ بوقتِ وفاتِ والد ایک یا زیادہ لڑکے زندہ ہوں تو کسی لڑکے زندہ یا متوفی کی کوئی اولاد نرینہ و مادہ وارث نہیں ہوسکتی[ص] البتہ اس صورت میں دادا ان کے لئے وصیت کرسکتا ہے اور ایسے ہی مرض الموت سے پہلے ہبہ سے بھی ان کے لئے انتظامِ معاش کرسکتا ہے ان کی یتیمی کی وجہ سے۔

۴۔ کل ترکہ کے ۴۸ حصے کئے جائیں گے اور حسبِ تفصیل ذیل ہوں گے، متوفی بھائی کی اولاد اس صورت میں وارث نہیں، دونوں لڑکیوں کو سولہ، سولہ اور بیویوں کو تین تین باقی دس زندہ بھائی کے اور بیویوں کا حق برابر ہے ھٰکذا:

[س] کما فی معتبرات المذھب ۱۲
[للعہ] اور ایسے ہی اگر دائمی مریض یا اور کسی وجہ سے محتاج ہو تو جائز ہے۔ یہ فتح الباری میں حضرتِ امام احمد سے مروی ہے[ص۱۶۲ ج۵] و قواعدنا لا تاباہ بل تؤیدہ ۱۲ منہ غفر لہ [ص] سراجیہ وغیرہا ۱۲ منہ دامت برکاتہٗ



زید   اصل مسئلہ من ۲۴ تصحیح من ۴۸   سراجیہ وغیرہا

میت

لڑکی	لڑکی	بیوی	بیوی	بھائی
۱۶	۱۶	۳	۳	۱۰

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وصحبہ وآلہ وسلم

الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ الحنفی القادری الاشرفی النعیمی غفرلہ
۲۴ محرم الحرام شریف ۱۳۶۹ھ

اقول ھٰذا ھو الحق والحق بالاتباع احق
ابوالضیاء محمد باقر القادری النعیمی النوری عفی عنہ






فرائض
(قانونِ وراثت)

للرجال نصيب مما تـرك الوالـدان و
الاقربون و للنساء نصيب ممـا تـرك
الوالدان و الاقربون ممـا قـل منـه او
كثر نصيبا مفروضا

(النساء : ٧)

"مردوں کے لئے اس (مال) میں حصہ ہے' جو چھوڑ
گئے ماں باپ اور قرابت والے۔ اور عورتوں کے لئے (بھی)
حصہ ہے اس (مال) سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت
والے (خواہ) تھوڑا ہو یا بہت ----- حصہ مقرر کیا ہوا"





تعلموا الفرائض و علموها الناس

شعب الایمان ، جلد : ۲ ، صفحه : ۲۵۵

حدیث ۱۶۶۸

''علم فرائض سیکھو اور سکھاؤ''



تعارف



كتاب الفرائض

فرائض' فریضہ کی جمع ہے' جو فرض سے مشتق ہے—— فرض کا لفظ' مقرر کرنے' واضح طور پر بیان کرنے' بلاعوض مال ملنے' اور بعض دیگر معانی میں استعمال ہوتا ہے—— علم الفرائض کا تعلق میراث سے ہے' چونکہ ورثاء کے حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر و متعین ہیں اور وضاحت سے انہیں بیان کر دیا گیا ہے' اس لئے اس علم کو علم الفرائض اور علم المیراث کہتے ہیں۔

اصطلاحِ شریعت میں علم الفرائض ایسا علم ہے جس کے ذریعے میت کے ترکہ میں سے اس کے ہر ہر وارث کا حصہ معلوم کیا جا سکے۔

میت کے مال سے متعلق بالترتیب چار حقوق ہیں:

(1) تجہیز و تکفین

(2) ادائے دین (قرضہ)

(3) نفاذ وصیت (ایک تہائی تک)



(4) ان تینوں امور کے بعد بقیہ ترکہ شریعت مطہرہ کے احکام کے مطابق میت کے ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔ درج ذیل افراد بالترتیب مستحق وراثت ہوں گے:

1---- ذوی الفروض

وہ ورثاء جن کے حصے قرآن کریم میں مقرر کر دیئے گئے ہیں-----

یہ بارہ اشخاص ہیں----- چار مرد اور آٹھ عورتیں' جو کہ حسب ذیل ہیں:

1_____ میت کا باپ

2_____ میت کا دادا (جد صحیح)

3_____ میت کا اخیافی بھائی (ماں شریکا)

4_____ میت کا خاوند

5_____ میت کی بیوی

6_____ میت کی بیٹی

7_____ میت کی پوتی

8_____ میت کی سگی بہن

9_____ میت کی علاتی بہن (باپ شریکی)

10_____ میت کی اخیافی بہن (ماں شریکی)

11_____ میت کی ماں

12_____ میت کی دادی (جدہ صحیحہ)

ان (ذوی الفروض) کے لئے چھ حصے مقرر ہیں:





1_____ نصف (1/2)

2_____ چوتھائی (1/4)

3_____ آٹھواں (1/8)

4_____ ایک تہائی (1/3)

5_____ دو تہائی (2/3)

6_____ چھٹا (1/6)



2— عصبات

ایسے وارث جو ذوی الفروض سے باقی بچنے والا تمام مال سمیٹ لیں اور ذی فرض نہ ہونے کی صورت میں تمام ترکہ کے حق دار ٹھہریں——

عصبات کی تفصیل یہ ہے:

میت کے اصول (باپ، دادا)

میت کے فروع (بیٹا، پوتا)

میت کے باپ کے فروع (بھائی، بھتیجا)

میت کے دادا کے فروع (چچا، چچا کا بیٹا)، جبکہ یہ مذکر ہوں، البتہ میت کی بیٹی، پوتی، حقیقی اور علاتی بہن اپنے بھائیوں کے ساتھ اور یہ حقیقی اور علاتی بہنیں میت کی بیٹی اور پوتی کے ساتھ بھی عصبہ ہو جاتی ہیں۔

3— رد علی ذوی الفروض

عصبات نہ ہونے کی صورت میں بقایا مال دوبارہ ذوی الفروض پر تقسیم کیا جائے گا۔



4--- ذوی الارحام

میت کے وہ قرابت دار جو نہ ذوی الفروض میں سے ہوں اور نہ ہی عصبات میں سے، جیسے ماموں، نانا، خالہ وغیرہ

نوٹ:---

○ قریبی رشتہ دار کی موجودگی میں دور کا رشتہ دار محروم ہو گا (جیسے باپ کی موجودگی میں دادا محروم)

○ قوی قرابت دار ضعیف قرابت دار کو محروم کرتا ہے (جیسے حقیقی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی محروم ہو گا)



5--- مولیٰ الموالاۃ

وہ شخص جس سے میت نے زندگی میں معاہدہ کر لیا ہو کہ ہم میں سے جو پہلے فوت ہو دوسرا اس کے مال کا مستحق ہو گا۔

6--- مقرلہ **بالنسب**

متوفی نے اپنی زندگی میں کسی مجہول **النسب** شخص کے بارے میں نسب کا اقرار کر رکھا ہو۔

7--- موصیٰ لہ **بجمیع المال**

جس شخص کے لئے میت نے تمام مال کی وصیت کی ہو۔



8۔۔۔ بیت المال

درج بالا مستحقین میں کوئی بھی موجود نہ ہو تو میت کا تمام ترکہ بیت المال (سرکاری خزانہ) کی ملکیت ہو گا تاکہ تمام مسلمانوں کے کام آسکے۔

موانع میراث

وراثت سے رکاوٹ کے اسباب درج ذیل چار امور ہیں:

(1) غلامی (یہ صورت اس وقت مفقود ہے)

(2) وارث اپنے مورث کو ناحق قتل کر دے۔۔۔۔ (اس میں قتل بالسبب کے علاوہ باقی تمام اقسام قتل شامل ہیں' مزید تفصیل کے لئے "کتاب الدیۃ و القصاص" کا تعارف ملاحظہ کریں)



(3) اختلاف مذاہب۔۔۔۔ البتہ مرتد کے زمانہ ارتداد سے پہلے کی جائیداد سے مسلمان وارث کو میراث ملے گی۔

(4) اختلاف دار۔۔۔۔ غیر مسلم وارث و موروث میں مملکت کا اختلاف مانع وراثت ہے۔ یعنی ایک دارالاسلام کی حدود میں اس کا شہری ہو اور دوسرا دارالکفر کا رہنے والا ہو' جیسے حربی و ذمی اور مستامن اور ذمی کہ ان میں سے ایک دارالاسلام کا شہری ہو اور دوسرا دارالکفر کا' ان کو ایک دوسرے کی میراث نہیں ملے گی۔۔۔۔ البتہ اگر مسلمان دارالکفر میں جاکر فوت ہو یا دارالاسلام میں فوت ہو اور اس کے مسلمان وارث دارالکفر میں مقیم ہوں تو اختلاف دار کے باوجود حق وراثت سے محروم نہیں ہوں گے۔۔۔۔ (درالمختار / ردالمحتار' جلد: 5' 73 - 672)



فتاویٰ نوریہ کی کتاب الفرائض کافی مفصل ہے۔ اس میں درج ذیل ابواب شامل ہیں۔

1____ باب ذوی الفروض

ذوی الفروض، جن کے حصص قرآن کریم میں مقرر کر دیئے گئے ہیں، تفصیل اسی مضمون میں پہلے بیان کر دی گئی ہے----

2____ باب العصبات

عصبات کی تفصیل بھی اسی مضمون کے گزشتہ صفحات میں درج ہے----



3____ باب ذوی الارحام

ان کی تشریح بھی پہلے بیان ہو چکی ہے----

4--- باب العول

ذوی الفروض کے حصص کی تعداد زیادہ اور مخرج ادائے فرض سے کم رہے تو مخرج کے اجزاء میں حسابی زیادتی پیدا کرنے کے عمل کو "عول" کہتے ہیں

5--- باب الرد

عول کے برعکس ذوی الفروض کے حصص کم اور مخرج زیادہ ہو تو بقیہ، ذوی الفروض پر لوٹا کر ان کے حصص میں اضافہ کرنے کو "رد" کہتے ہیں



6--- باب التصحیح

وارثوں کے کسی گروہ کا حصہ پورے طور پر نہ بٹ سکے تو ضرب وغیرہ دے کر ایسی صورت کی جائے جس سے وہ حصہ پورا تقسیم ہو جائے اسے "تصحیح" کہتے ہیں

7——— باب المناسخہ



میت کی میراث ابھی تقسیم نہ ہوئی تھی کہ بعض وارث فوت ہو جائیں تو مورث اعلیٰ کی میراث ان مرنے والے ورثاء کی طرف منتقل کر دینا "مناسخہ" کہلاتا ہے

8_____ باب مسائل الشتی

اس باب میں ترکہ، مفقود الخبر شخص اور دیگر متفرق امور کے بارے استفتاءات شامل ہیں

مجموعی طور پر کتاب الفرائض میں (154) استفتاء ات شامل ہیں۔

(مرتب)

ذوِی الفُروض



کتاب الفرائض

الاستفتاء

خلاصۂ سوال یہ کہ جمال متوفی نے ایک عورت منکوحہ اور ایک لڑکی چھوڑی ہے علاوہ ازیں اس نے ایک عورت جو اغوا کر کے لایا تھا جس کا نکاح کسی اور کے ساتھ ہے اسکو بھی چھوڑا ہے اور عورت منکوحہ تقریباً سات سال سے اس کے پاس نہیں رہی بلکہ اپنے میکے رہی تو شرعاً اس کی وراثت کا حق کس کو ہے؟ — نیز حاملِ رقعہ نے بیان کیا کہ متوفی جمال کی تین ہمشیرہ ہیں، دو حقیقی اور ایک سوتیلی اور ان دو حقیقی بہنوں میں سے ایک دینِ اسلام چھوڑ کر الگ ہوگئی اور متوفی کا باپ اور ماں اور بھائی موجود نہیں۔







از روئے شریعتِ مطہرہ جمال متوفی کے وارث اس کی منکوحہ عورت اور لڑکی اور سگی بہن ہیں۔ کُل مالِ متروک وضعِ اخراجاتِ کفن و دفن و قرض و وصیّت کے بعد میں سے آٹھواں حصّہ عورتِ منکوحہ کا حق ہے اور نصف لڑکی کا حق ہے اور باقی حقیقی بہن کا اور آپس کے نزاع یا عورت کے میکے چلے جانے سے اس کا حق سلب نہیں ہو سکتا جب تک طلاق کا صحیح ثبوت نہ ملے اور عورت کے اِس کہنے سے کہ جمال نے مجھے ماں بہن کہا تھا، کچھ نہیں ہوتا، بدستور عورت عورت کا حق پا سکتی ہے اور دوسری عورت اِغوا کردہ کا قطعاً یقیناً کوئی کسی قسم کا حق نہیں ہے اور سوتیلی بہن اور دینِ اسلام سے الگ ہونے والی بہن، ان دونوں کا بھی کوئی حق نہیں۔ یہ احکام شریعتِ مطہرہ، قرآنِ کریم اور حدیث شریف اور کتبِ مذہب میں صراحۃً بلا شک و شبہہ موجود ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

حرّرہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۸ ربیع الثانی ۶۵ھ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں صورت کہ مسمّٰی محمد اسحاق فوت ہو گیا ہے اور اس کے ورثہ میں سے ماں، سگی بہن، لڑکی، بیوی اور دو چچے ہیں تو اس کی وراثت کا کیا حکم ہے جبکہ بیوی نے حقِ مہر بھی وصول نہیں کیا ہوا نیز متوفی کی ماں چاہتی ہے کہ متوفی کی لڑکی اپنے پاس رکھے حالانکہ لڑکی بالکل کم عمر ہے، صرف پونے دو سال کی ہے اور متوفی کی ماں بہت ضعیف ہے اور کمزور نظر والی محتاج ہے، لڑکی کی پرورش اور نگرانی نہیں کر سکتی، تو کیا وہ لڑکی لے سکتی ہے یا متوفی کی بیوی لڑکی کے غیر محرم سے نکاح کرے تو پھر لے سکتی ہے یا کیا حکم ہے؟ حقِ حضانت والی عورتوں میں سے صرف متوفی کی ماں اور بیوی اور بہن ہے جو لڑکی کے غیر محرم کے نکاح میں ہے اور مردوں میں سے متوفی کے صرف دو چچے ہیں جن سے ایک لڑکی کا نانا ہے۔

بینوا توجروا۔

السائل: محمد دین، از دلیکے مہار ۹ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۶۶ھ



حسبِ دستورِ شرع مطہر تجہیز وتکفین کے بعد دیون اور حقِ مہر جو داخلِ دیون ہے،



ادا کئے جائیں بعد ازاں وصایا ثلث مال سے ور باقی مال کا چھٹا حصہ والدہ اور آٹھواں بیوی اور آدھا لڑکی کو دیا جائے اور باقی بہن کو، چچوں کو کچھ نہ دیا جائے کہ بہن لڑکی کی وجہ سے عصبہ بن گئی ہے تو یہ مسئلہ بسبب اختلاط ثمن وسدس چوبیس ۲۴ سے آئیگا:

محمد اسحٰق مسئلہ از ۲۴

میت

ام	زوجہ	بنت	اخت لاب وام	عمان
۴	۳	۱۲	۵	x

قرآن کریم کا ارشاد مبین ہے من بعد وصیۃ یوصی بہا او دین اور تقدیم دین بر وصیت بحکم حدیث شریف ہے[1] اور عطف متقاضی ترتیب نہیں، نیز قرآن کریم کا ارشاد ہے ولابویہ لکل واحد منہما السدس، نیز ارشاد ہے فلہن الثمن مما ترکتم، نیز فرمان والاشان ہے وان کانت واحدۃ فلہا النصف۔ فتاوی عالمگیری ج۴ ص ۴۴۸، شامی ج۵ ص ۶۷۶، سراجیہ ص ۱۰، ۱۱ میں ہے والنظم من السراجیۃ ولہن الباقی مع البنات او بنات الابن لقولہ علیہ السلام اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ فتاوی عالمگیر ج۴ ص ۴۰۵ میں ہے اذا اجتمعت العصبات بعضہا عصبۃ بنفسہا وبعضہا عصبۃ بغیرہا وبعضہا عصبۃ مع غیرہا فالترجیح منہا بالقرب الخ



حق حضانت سب سے اوّل و اقدم ماں کے لئے ثابت ہے اور غیر محرم سے نکاح کی صورت میں گو وہ حق نہیں رہتا مگر جب اس کے سوا کوئی دوسرا لڑکی کے لئے خاطر خواہ انتظام نہ کر سکے تو اس کا حق بن سکتا ہے، اگر یہ انتظام کر سکتے ہوں اور رکز دردادی نانی وغیرہ جو بچے کی حفاظت و پرورش کر سکے، حق دار نہیں بن سکتی تو غیر محرم سے نکاح کرنے کے بعد پرورش کا حق متوفی کے اس پچے کا ہے جو لڑکی کا نانا بھی ہے حق الام تو کتب شرعیہ سے اظہر من الشمس ہے اور شامی ج۲ ص ۸۷۱ میں ہے قال الرملی

[1] کنز العمال ج۶ ص ۳۲۰۔ (مرتب)

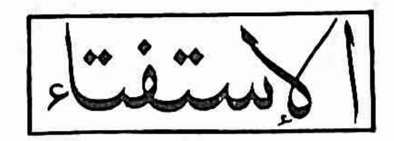
و يشترط فی الحاضنة ان تکون حرة بالغة عاقلة امینة قادرة و ان تخلو من زوج اجنبی، نیز قید قادرۃ کے فوائد میں فرمایا ہے یعلم منہ حکم ما اذا کانت مریضة او کبیرة عاجزة نیز شامی ج ۲ ص ۸۸۱ میں ہے، فینبغی للمفتی ان یکون ذا بصیرة لیراعی الاصلح للولد فانہ قد یکون لہ قریب مبغض لہ یتمنی موتہ و یکون زوج امہ مشفقا علیہ یعز علیہ فراقہ فیرید قریبہ اخذہ منہا لیؤذیہ و یؤذیہا اولیاکل من نفقتہ او نحو ذلک و قد یکون لہ زوجة تؤذیہ اضعاف ما یؤذیہ زوج امہ الاجنبی و قد یکون لہ اولاد یخشی علی البنت منہم الفتنة لسکناها معہم فاذا علم المفتی او القاضی شیئا من ذلک لایحل لہ نزعہ من امہ لان مدار امر الحضانة علی نفع الولد الخ و حکم العصبة ایضا واضح۔



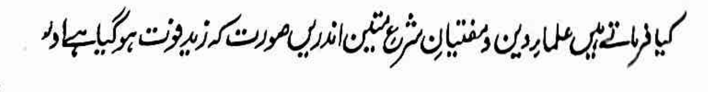
واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و صحبہ و بارک و سلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۹ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۶۶ھ



الاستفتاء



کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اندریں صورت کہ زید فوت ہو گیا ہے اور



دو لڑکے اور ایک عورت چھوڑ گیا ہے، عورت کو ترکہ میں سے از روئے وراثت کتنا حصہ ملے گا؟

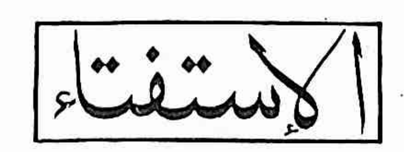
بینوا ماجورین من رب العلمین۔





اقول بتوفیق اللہ تعالیٰ وعونہ عورت کو ترکہ میں سے از روئے وراثت آٹھواں حصہ ملتا ہے جس طرح کہ قرآن مجید میں موجود ہے قولہ تعالیٰ فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم من بعد وصیۃ توصون بھا او دین (سورۃ النساء) یعنی اگر تمہارے اولاد ہے تو ان کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ہے جو وصیت تم کر جاؤ اور دَین نکال کر، برابر ہے کہ ایک بیوی ہے یا زیادہ ہوں۔ واللہ اعلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۹ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ



نقل استفتاء و فتویٰ مولوی بحر العلوم عبدالجبار بلفظہ و عبارتہٖ



کیا فرماتے ہیں علمائے دین فقہائے شرع متین اس مسئلہ میں ایک شخص امیر کبیر اس کا صرف ایک لڑکا، دونوں قضائے الٰہی سے فوت ہو جاتے ہیں اور امیر کبیر کی بیوہ اور لڑکی شادی شدہ اور اس کی ایک پوتی مع والدہ ماجدہ حیات ہیں، وراثت کا انتقال متوفی لڑکے کے نام نہیں ہوا اس امیر کی تمام جائیداد جدّی وراثت نہیں تھی، کچھ حصّہ اپنے ماموں کی جائیداد سے ہبہ کچھ حصہ اپنی خالہائے جو کہ اہلِ ہنود کے پاس فروخت ہو چکا تھا، بروئے حق شفعہ حاصل کیا، متوفی امیر کے جدّی وارث تقریباً پانچ پشت پر ملتے ہیں۔



جواب

اس صورتِ مسئلہ میں لڑکی تمام میراث کی مستحق ہوگی جیسا کہ درالمختار ج ۴ ص ۱۲۱ میں ہے ان القربیٰ تحجب البعدیٰ یعنی قریبی وارث دور والوں کو محروم کر دیتا ہے یعنی بیٹی کے ہوتے ہوئے پوتی کو ازروئے فتوےٰ محروم کیا جائے گا جیسا کہ فتاویٰ شامی ج ۵ ص ۱۵۵ میں ہے ام الام ترث ومع الام وکذا حجبت بنت الابن مع بنت الواحد الصلبیۃ یعنی ماں محروم کر دیتی ہے نانی کو اور اس طرح پوتی محروم ہوتی ہے بسبب بیٹی کے جو بسبب متوفی سے پیدا ہوتی ہو۔

اس عبارت سے صاف ظاہر معلوم ہوا کہ قرابت قریبی کے سبب دوری والے محروم رہیں گے۔ یہ فقہ کا مسئلہ بڑی کتابوں میں ہے، مبسوط، جامع صغیر اور محیط وغیرہ میں اس صورت میں لڑکی نصف میراث سے کل کی طرف لوٹے گی، نصف میراث کی اور صورت ہے یہ نہیں، علماء کو دھوکہ نہ کھانا چاہیے۔ شامی کی عبارت میں نے پیش کی ہے اور یہ موت متوفی کے بعد واپس ہبہ کرنیوالے کی طرف نہ پھرے گا بلکہ متوفی امیر کبیر کی اولاد کو ملے گا، اسی پر فتوےٰ ہے اور شفیع کے سبب متوفی امیر کبیر نے جو جائیداد لی ہے وہ پچھلے وارثوں کی طرف از روئے میراث نہ لوٹے گی جیسا کہ ہبہ یعنی واہب

کی اولاد کو نہ ملے گا بلکہ جو موہوب لہٗ لڑکی اولاد کو ملے گا یعنی جس کو ہبہ ہوا، اس کے بعد اس کی اولاد کو ملے گا، اسی طرح شفعہ شفیع کی اولاد کو ملے گا یعنی اس کو جسے شفعہ کا حق ملا ہے اور پچھلوں کو میراث نہ ملے گی۔ اسی طرح درالمختار ج۴ ص ۳۵ میں ہے الشفعۃ لاتورث یعنی شفعہ میراث نہیں بنتا اور پچھلے وارث جنہوں نے وہ جائیداد اپنی اہل ہنود کے پاس فروخت کی تھی اب وہ شفیع کی میراث سے حق نہیں پاسکتا، بیٹی کا حق از روئے شریعت حدیث بخاری شریف پارہ ۱۱ ص ۳۸۳ سے ثابت ہے کہ بیٹی کی جائیداد بھی لے سکتا ہے جیسا کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور وارثوں کے ہوتے ہوئے بیٹی اور عورت میں وراثت تقسیم کیا اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا تھا اور آپ نے اجازت دی تھی وہ بخاری کی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں ولم یکن لہ یومئذ الا ابنۃ یعنی سعد بن ابی وقاص کے نزدیک وارث میراث کا کوئی حق نہ تھا بغیر بیٹی کے حالانکہ اور وارث موجود تھے مگر صحابی متوفی نے بغیر اپنی بیٹی اور بیوی کے کسی کو میراث نہ دی، اسی عینی شرح بخاری میں مرقوم ہے اور بخاری شریف کے حاشیہ پر بعینہٖ یہ الفاظ موجود ہیں اور فتویٰ شامی ج۲ ص ۳۵۴ میں ہے کہ مال ایک میت کا اقرب وارث گھیر لیتا ہے جیسا کہ بیٹی مذکور تمام کو محروم کر دیا اور خود اس نے تمام جائیداد پدری گھیر لی۔



دوسری صورت شامی میں یہ لکھی ہے کہ اگر وارث جائیداد کا صغیر ہو تو اس کا مال ساتھ والے کو سپرد کریں گے جیسا کہ بیٹی صغیرہ ہونے کے سبب اس کی ماں تمام جائیداد گھیر لے گی اور امانت رکھے گی اور اس کی حفاظت اس کے سبب سے سرانجام دے گی۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ جائیداد مذکورہ سے دوسرے ورثاء مدعی محروم مگر بیوی اور لڑکی دونوں میراث لیں گی اور تمام جائیداد پر قابض ہوں گی۔



زید میت ــــــــ مسئلہ ۸ تصحیح ۲۴

زوجہ	بنت	تقسیم ثانی ۸ پر
۳	۲۱	زید میت

زوجہ	بنت
۱ حصہ	۷ حصہ

حررہ علامہ بحرالعلوم مولوی عبدالجبار بحری پوری بونگوی، مدرس کتب عربی

۱۴ر جمادی الاول ۱۳۶۸ھ



یہ فتویٰ فتویٰ نہیں بلکہ فتنہ اور شرع مطہر پر محض افترا ہے، چند عبارات فقہیہ وحدیثیہ کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جس سے قرآن کریم اور حدیث شریف وفقہ منیف کے احکام منصوصہ اُٹھ نہیں سکتے قرآن کریم میں صاف موجود ہے فان كانت واحدة فلها النصف یعنی ایک بیٹی ہو تو اُس کے لئے نصف ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ لڑکی کے لئے نصف اور پوتی کے لئے سدس تکملہ ثلثین کا ہے رواہ البخاری ج ۲ ص ۹۹۷ وغیرہ من الائمہ۔ تمام فقہاء کرام نے اس پر فتویٰ دیا ہے، درالمختار کی پہلی نقل کردہ عبارت کے ساتھ متصل یہی بیان



فرمایا ہے اور ایسے ہی شامی میں ہے۔ تفسیراتِ[158] احمدیہ وغیرہا میں اس پر اجماع نقل فرمایا۔ قرآنِ کریم میں صریح ارشاد ہے للرجال نصیب مما ترك الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترك الوالدان والاقربون مما قل منه اوكثر نصيبا مفروضا یعنی مردوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے ترکہ تھوڑا ہو یا بہت حصہ ہے اندازہ باندھا ہوا۔ اس آیت سے صاف طور پر عصبات وغیرہ رشتہ داروں کا حق ثابت ہو رہا ہے۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۹ میں ہے کہ نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مقررہ حصے حصہ داروں کو دے دو اور جو بچے تو سب سے قریبی مرد کے لئے ہے ورواه الائمة وغیرہ ایضاً عن ابن عباس ونصه الحقوا الفرائض باهلها فما تركت الفرائض فلاولى رجل ذكر۔ مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۳ میں ہے انظروا اكبر رجل من خزاعة۔



بہرحال آیتِ مذکورہ بالا و احادیث سے جو حق ثابت ہو رہا ہے اس میں یہ نہیں کہ پانچویں پشت میں ملیں تو حق ثابت نہیں ہوتا بلکہ علی العموم ثابت فرما دیا اور ایسے ہی کتبِ فقہ و تفسیر سے ثابت[1] ہے اور ما ترك جو آیت و حدیث میں وارد ہوا جائیدادِ جدّی اور ہبہ و شفعہ سے حاصل کی ہوئی سب کو علی العموم شامل ہے۔

رہے مولوی صاحب کے استدلال تو اجمالاً یہ کہ ان القربى تحجب البعدى جدّات یعنی دادیوں نانیوں کے حق میں ہے، لڑکی اور پوتی کی صورت میں قطعاً

---

[1] بلکہ درالمختار، عالمگیری، سراجیہ، شرح سراجیہ، تفسیر معالم التنزیل، خازن وغیرہا میں صریح جزئیہ موجود کہ عم الجد و ابنه وان سفلا کی تصریح ہے۔ (ج ۵ ص ۵۰۴، ج ۶ ص ۴۵۲، ص ۳۹، ج ۱ ص ۴۰۷، ج ۱ ص ۴۰۷، ج ۵ ص ۶۷۶)

نہیں بلکہ متصلاً ہی درالمختار[ج ۵ ص ۷۶۷] میں ہے والسدس لبنت الابن فاکثر مع البنت الواحدۃ تکملۃ للثلثین یعنی چھٹا حصہ ایک پوتی یا زیادہ کا ہے، ایک لڑکی کے ساتھ ثلثین کا تکملہ اور شامی کی عبارت میں حجب حرمان نہیں بلکہ حجب نقصان کا بیان ہے یعنی ایک لڑکی کے ہوتے ہوئے پوتی کو نصف نہیں ملے گا بلکہ سدس ملے گا۔ ج ۵ ص ۴۸۳ میں ہے قولہ وبنت الابن تحجب مع الصلبیۃ من النصف الی السدس اور ایسے ہی مبسوط ج ۲۹ ص ۱۴۱ میں ہے بلکہ جمیع کتب مذہبیہ میں یہی ہے کہ یہ منصوص قرآن و حدیث و اجماع ہے کما مر اور منصوص کا خلاف تو مسائل قیاسیہ میں بھی نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ مسائل فرائض کہ ان میں تو قیاس کو بالکل دخل ہی نہیں کما صرح بہ العلامۃ فی الدر و الشامی فی حاشیتہ وغیرھما فی غیرھما اور ظلم بر ظلم یہ کہ جب لڑکی تمام میراث کی مستحق ہے اور نصف سے کل کی طرف لوٹی تو بیوی کے لئے ثمن کہاں سے آگیا؟ یہ تناقض عجیب ہے اور اسی طرح عدم رجوع فی الھبہ سے استدلال نہایت ہی مضحکہ خیز ہے، وراثت کو کون دیوانہ رجوع قرار دیتا ہے۔



شامی وغیرہ نے تصریح فرمادی کہ موت سے ملک وارث کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، شامی کے لفظ یہ ہیں لانتقال الملک للوارث اور وارث کو اولاد میں منحصر کرنا، یہ مولوی صاحب ہی کا کام ہے اور عدم وراثت شفعہ سے استدلال وراثت اولاد کے لئے عقل و انصاف کو اُلٹی چھری سے ذبح کرنا ہے کہ اِس عدم وراثت سے عدم وراثت اولاد وغیرہا ورثہ ہی مراد ہیں اور پھر لفظ شفعہ سے حاصل کی ہوئی جائیداد بذریعہ شفعہ مراد لینا یہ مولوی صاحب کا ہی منصب اجتہاد ہے۔ افسوس!

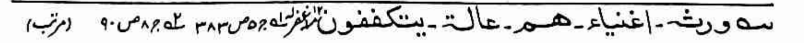
ے ج ۵ ص ۶۶۲۔ منہ غفرلہ

درالمختار و شامی کا بیان کردہ معنیٔ شفعہ بھی یاد نہ رہا اور حدیثِ بخاری سے استدلال کرتے ہوئے تو حدیث دانی کی انتہا ہی کردی، اجمال میں تو دعوٰی یہ کہ حدیثِ بخاری سے ثابت کہ بیٹی کل جائداد لے سکتی ہے اور تفصیل میں بیوی کو بھی حصّہ دار بنا دیا، پھر یہ کہنا کہ حضرتِ سعد نے ورثہ تقسیم کیا تھا' یہ بھی موضوع ہے، تقسیمِ ورثہ کا اس حدیث میں ذکر ہی نہیں بلکہ یہ بھی نہیں کہ حضرتِ سعد اِس مرض میں فوت ہوئے، بلکہ اسی حدیث سے ثابت کہ تندرست ہو کر کافی مدت تک زندہ رہے فتح الباری[1] اور عینی[2] میں ہے کہ چالیس سال سے بھی زیادہ زندہ رہے، تاریخ شاہد ہے کہ بعد میں فاتح فارس بنے، اور پھر اسی تقسیم کی اجازت حضور سرورِ کائنات صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا سخت جرأت ہے، اِس حدیث میں تو وصیّت ہی کی اجازت کا ذکر ہے۔

معاذ اللہ! یہ کیونکر ممکن کہ حضور سیدِ عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم حق تلفی اور ظلم کی اجازت دیں بلکہ مرفوع کلماتِ مبارکہ میں رعایت جمیع ورثہ کی ہدایت فرمائی اور پانچ وجہ[3] سے بیان فرمایا کہ وارث زیادہ ہیں تو راوی کے قول لم یکن لہ یومئذ الا ابنۃ کا وہ غیر محقق معنے جو مولوی صاحب نے بیان کیا اگر واقعی ہوتا تب بھی باطل ہو جاتا چہ جائیکہ حاشیہ میں صحیح معنی مندرج ہے جسے بدلنے کی سعیِ لاحاصل کی گئی پھر قولِ شامی سے استدلال وہی ادّعا ہے بے دلیل و تناقض ہے اور امانت کے طور پر صغیر کا مال سپرد کرنا صغیر کے حق کو ثابت کرتا ہے مگر اِس کا کیا علاج کہ دلیلِ محرومی بنا رہے ہیں اور اخیر میں فرائض دانی پر یوں مہرِ تصدیق ثبت کردی کہ تصحیح ۲۴ سے کر رہے ہیں حالانکہ پوتی کو ثلث نہ دیا جائے تو یہ تصحیح بالکل بے جا دُھل جاتی ہے، شاید یہی خیال آیا کہ تقسیمِ ثانی ۸ پر کی مگر یہ بھی تناقضِ مذکور کی وجہ سے باطل ہے، واقعی کسی نے صحیح فرمایا ؎

گر ہمیں مفتیان و ایں فتوٰے ۔۔۔ دخت و مادر حلال خواہد شد





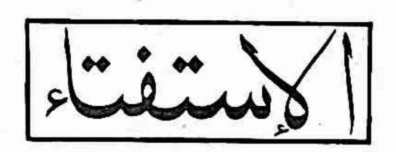
[3] ورثہ۔ اغنیاء۔ ھم۔ عالۃ۔ یتکففون ۱۲ منہ غفرلہ [1] ج۵ ص۳۸۳ [2] ج۸ ص۹۰ (مرتب)



الحاصل صرف لڑکی یا فقط لڑکی اور بیوی کا وارث ہونا باطل بلکہ اور بھی مستحق ہیں جن کا تفصیلی بیان میرے پہلے فتوے میں ہوچکا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۳ رمضان المبارک ۶۹ھ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومشرع متین اس مسئلہ میں، دو بھائی حقیقی ہیں اور ایک ان کی والدہ حقیقی اور دونوں شادی شدہ بے اولاد، چند دن کے بعد چھوٹا بھائی فوت ہوگیا۔ اب متوفی کی بیوی اور اس کا بڑا بھائی اور اس کی بیوی اور والدہ یعنی کل چہار اشخاص ہوئے، اب مابین ان کے ارض تقسیم کریں۔ بینوا توجروا۔



اگر صورت مسئولہ واقعیہ اور صحیحہ ہے تو ماں کا تیسرا حصہ اور متوفی کی بیوی کا چوتھا،



باقی سب بھائی کا ہے اور بھائی کی بیوی کا کچھ حصہ نہیں، قرآن کریم میں ہے فلامہ الثلث، فلھن الربع، للرجال نصیب الآیۃ حدیث شریف میں ہے فلاولی رجل ذکر (متفق علیہ) اور یہی تمام کتب مذہب مہذب حنفیہ میں مصرح ومشرح ہے اور چونکہ مسئلہ میں ثلث اور ربع آگیا ہے لہٰذا بارہ سے آئے گا ھکذا،

میت ــــــ زید ــــ مسئلہ از ۱۲ ــــــ کذا فی الھندیۃ والسراجیۃ وغیرھما

ماں	بیوی متوفی کی	بھائی	بیوی بھائی کی
تیسرا حصہ ۴	چوتھا حصہ ۳	باقی از ۱۲ ۵	×

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۸ ربیع الاول شریف ۱۳۷۰ھ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی دریام فوت ہوا اور اس کی اولاد نہیں، کچھ بہن بھائی اور ایک بیوی مسماۃ صاباں باقی ہیں تو از روئے قانونِ وراثتِ شرعیہ مسماۃ صاباں کا دریام کی کل جائیداد باقی سے کیا حق ہے؟ بینوا توجروا۔

السائل: عبد الغفور ساکن بارنپور تحصیل اوکاڑہ ضلع منٹگمری





قرآنِ کریم میں بیوی کے لئے چوتھا حصہ مقرر فرمایا ہے دَین وغیرہ کے بعد ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۳ ذی الحجۃ المبارکہ ۷۰ھ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمّیٰ محمد علی فوت ہوا اور اس کے پسماندگان حسبِ ذیل ہیں :

۱۔ بیوی مسماۃ گاماں ۲۔ حقیقی بہن مسماۃ نشاں ۳۔ حقیقی بہن مسماۃ جوائی



۴۔ بھتیجی مسماۃ سرداراں ۵۔ احمد دین حقیقی چچے کا لڑکا

تو شرعًا اس کی جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی، قرض اور وصیت نہیں، کفن دفن ہو چکا ہے،

بینوا توجروا۔

سائل: احمد دین، موضع چک نمبر ۲۷





شرعًا بیوی کا حق کل ترکہ میں چوتھائی اور بہنوں کا دو تہائی، باقی حقیقی چچے کے لڑکے کا ہے اور اختلاطِ ربع و ثلثان کے سبب مسئلہ ۱۲ سے آئے گا ھٰکذا:

محمد علی مسئلہ از ۱۲

میت

بیوی گاماں	بہن نشاں	بہن جوائی	عم زاد احمد الدین	بھتیجی سرداراں
۳	۴	۴	۱	×

قرآنِ کریم میں ہے ولهن الربع مما تركتم ان لم يكن لكم ولد

نیز قرآنِ کریم میں ہے فان كانتا اثنتين فلهما الثلثن مما ترك،

حدیث شریف میں ہے ما ابقته الفرائض فلاولى رجل ذكر، اور

اسی سے ثابت ہے کہ بھتیجی محض محروم ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہٖ وآلہٖ



وصحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ، مسمی جمیل فوت ہوا اور تین پوتے مسمیان شیرا، شریف، محمد نذیرا اور پوتی مسماۃ نورالٰہی اور بیوی مسماۃ عظمت چھوڑ گیا، ان کے علاوہ اس کے بھتیجے بھی موجود ہیں البتہ لڑکا یا لڑکی نہیں تو شرعاً اسکے وارث کون کون ہیں، کفن دفن ہو چکا ہے وصیت اور قرض نہیں۔ سائل محمد ابراہیم ساکن باقی پور تحصیل دیپالپور
۲۶ صفر المظفر



صورتِ مذکورہ میں وراثت کے مستحق صرف بیوی اور پوتے ہی ہیں کہ اس صورت میں پوتے اور پوتی لڑکوں اور لڑکیوں کے حکم میں ہیں کہ وہ بھی اولاد ہیں جن کا کوئی حاجب نہیں البتہ اگر متوفی کا لڑکا زندہ ہوتا تو یہ مستحق نہ ہوتے، تو اس صورت میں بیوی کا آٹھواں حصہ ہے،



باقی کل پوتی اور پوتے یوں تقسیم کرلیں کہ ایک ایک پوتے کے دو دو حصے اور ایک پوتی کا ایک
بوجہ ثمن مسئلہ ۸ سے آئے گا جو صحیح طور پر تقسیم ہو جائیگا، حسب ذیل ہے ؛

میت جمیل مسئلہ از ۸

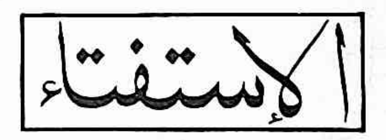
بیوی مسماۃ عظمت	پوتے نذیر	شیرا	شریف	پوتی مسماۃ نور الٰہی
۱	۲	۲	۲	۱

قرآن کریم میں ہے فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ حبیبہٖ وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ





بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی شیرا کی حاصل کردہ جائیداد اس کے دونوں لڑکوں مسمّیان ہستا و مستا کے نام انتقال ہوئی انگریزی دور میں اور دونوں بھائیوں کی ہمشیرہ مسمّاۃ دولاں بی بی جو اب تک زندہ ہے جب مستا فوت ہوا تو اس کی ایک بیوی اور تین لڑکیاں اور ایک بھائی ہستا موجود تھے تو انگریزی قانون کے مطابق اس کی

کل متروکہ جائیداد مسمیٰ ہسا کے نام منتقل ہوئی۔ اب ہسا بھی فوت ہو چکا ہے اور اس کی ایک لڑکی مسماۃ غلام فاطمہ زندہ ہے اور رمسا کی تین لڑکیاں مسماۃ مریم و شرفاں و کرم بھری بھی موجود ہیں مسمیٰ شیرا کے حقیقی بھائی مسمیٰ ادمیرہ کی اولاد سے سمیان رمضان و غلام زندہ ہیں تو اب شرع شریف کی رو سے اس کی جائیداد کس طرح تقسیم کی جائیگی؟ نیز مسمیٰ ہسا نے اپنی جائیداد کی وصیت باقاعدہ اپنی لڑکی مسماۃ غلام فاطمہ کے نام تحریر کر دی تھی، اس کا کچھ اعتبار شرعاً ہے یا نہیں؟

سائل: رمضان و غلام پسران ادمیرہ از چک نمبر ۱۴۷ ایس پی۔ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ



شرعاً مسمیٰ مسا کے وارث لڑکیاں، بیوی، بھائی اور بہن تھے، لڑکیوں کی دو تہائیاں اور بیوی کا آٹھواں حصہ اور باقی بھائی اور بہن کے لئے تھا، بھائی کا بہن سے دگنا حق ہے، گو انتقال انگریزی دور میں ہو چکا مگر کسی طریق سے حقداروں کو اگر حق مل سکے تو نہایت ہی ضروری و موزون ہے اور مسمیٰ ہسا کے وارث صرف لڑکی غلام فاطمہ اور بہن دولاں ہی ہیں، رمضان وغیرہ کو کچھ نہیں مل سکتا کہ بہن لڑکی کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہے اگر میت کا بھائی نہ ہو تو، لہٰذا یہ دونوں اندریں صورت نصف نصف کی مستحق ہیں۔ قرآن کریم میں ہے وان کانت واحدة فلها النصف، سراجیہ ص ۱۱ میں ہے ولهن الباقی مع البنات او بنات الابن لقوله علیہ السلام اجعلوا الاخوات مع البنات عصبة۔



واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

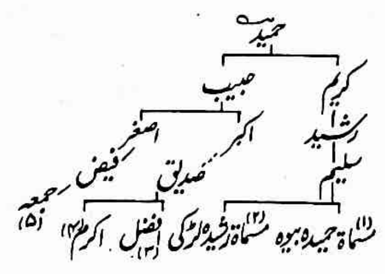
(نوٹ) یہ سوال قبل ازیں مؤرخہ یکم ربیع الثانی ۷۱ھ کو مسمّٰی غلام از بنگہ حیات کی طرف سے آیا مگر اس میں بہن مسماۃ دولاں اور ایسے ہی متا کی بیوی کا بھی ذکر نہیں تھا تو جواب اور رد دیا گیا، اگر وہ صحیح ہے تو جواب بھی وہی ہے اور اگر یہ سوال درست تو جواب یہی ہے واللہ اعلم بالصواب اور وصیتِ مذکورہ کا اعتبار نہیں۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۱ ربیع الثانی ۷۱ھ







؎ بعینہٖ اسیطرح ایک اور سوال آیا مگر نام اور تھے لہٰذا اندراج نہ کیا گیا کہ جواب ایک ہی ہے مع تغیر الاسماء فقط۔

ابوالخیر غفرلہ

سلیم فوت ہو جاتا ہے، مندرجہ ذیل آدمی وارث بننے کی کوشش کرتے ہیں ا۔ مسماۃ حمیدہ ۲۔ مسماۃ رشیدہ لڑکی ۳۔ افضل ۴۔ اکرم ۵۔ جمعہ۔ ان کے حصص بموجب شریعت کیسے ہونے چاہئیے۔ سلیم متوفی اہلِ سنت سے تعلق رکھتا تھا۔ سلیم کے فوت ہونے سے پہلے ان کے والدین اور صدیق، فیض، اکبر اور اصغر فوت ہو چکے تھے، اب صرف ۱، ۲، ۳، ۴، ۵ حیات ہیں۔





بیوی کا ۱/۸ لڑکی کا ۱/۲ افضل کا ۱/۸ اکرم کا ۱/۸ جمعہ کا ۱/۸ حصہ ہے، مسئلہ آٹھ سے آئیگا، حسبِ ذیل:

نوٹ: بیٹی یا پوتی کی موجودگی میں سگی بہن ... وارث ہوں۔

میت سلیم مسئلہ از ۸

حمیدہ بیوی	رشیدہ لڑکی	افضل	اکرم	جمعہ
۱/۸	۴/۸	۱/۸	۱/۸	۱/۸

کما فی القرآن الکریم والاحادیث الصحیحۃ والفقہ الحنفیۃ المنیفۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
یکم ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۷۱ھ



الاستفتاء

سائل مظہر کہ مسمٰی گوماں فوت ہوا اور ایک لڑکی مسماۃ شیراں اور حقیقی بہن مسماۃ صیداں اور چچازاد تین بھائی چھوڑ گیا تو شرعاً اس کا ترکہ کس طور تقسیم ہوگا اور تمام مال کی وصیت لڑکی کے لئے کر گیا ہے، قرض وغیرہ کچھ نہیں، کفن دفن ہو چکا۔

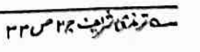
سائل: رمضان پیرائیں از نور یکے





شرعاً یہ وصیت بحکم حدیث شریف لا وصیۃ لوارث باطل ہے اور لڑکی کا حق بحکم قرآن کریم نصف ہے وان کانت واحدۃ فلھا النصف اور باقی سب بہن کا ہے بحکم حدیث شریف اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ واٰلہٖ وصحبہٖ وسلم۔

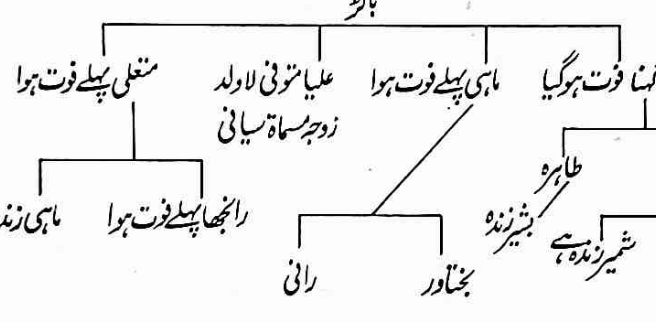
حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۱ھ


ـــہ ترمذی شریف ج۲ ص ۳۲



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمی عُلیا فوت ہوا، اس کے پسماندگان مسماۃ سیانی زوجہ اور ماہی ولد منگلی اور امیر، شمیر، بشیر، گہنا برادر علیا کے پوتے ہیں تو شرعاً اس کی جائیداد کے مستحق کون کون ہیں اور تقسیم کس طرح ہوگی، شجرۂ نسب حسب ذیل ہے:



امیر زندہ ہے

نوٹ: عُلیا متوفی اور اس کے تینوں بھائی حقیقی بھائی ہیں۔

السائل: ماہی ولد منگلی از مالی مہار تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری





مسماۃ سیانی زوجہ کا ¼ حصہ ہے باقی کل مسمّٰی ماہی بھتیجا کا ہے، امیر وغیرہ محروم ہیں کیونکہ بھتیجے



کے ہوتے ہوئے بھتیجے کے لڑکے وارث نہیں ہوسکتے، مسئلہ چار سے آئیگا حسب ذیل:

علیا مسئلہ از ۴

میت

مسماۃ سیانی زوجہ	ماہی برادرزادہ	امیر شمیر بشیر بھتیجوں کے لڑکے
$\frac{1}{4}$	$\frac{3}{4}$	× × ×

کذا فی السراجیۃ وغیرھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ





شجرۂ نسب

الٰہی بخش

خدا بخش — امان علی

نصیرہ — ندان

مانگھی، اللہ دتہ، بھولا، مولا بخش مٹھولا — ملکھی خاں (اپنے والد کی حیات میں فوت ہوگیا تھا اب ملکھی کی ایک لڑکی بیان ہوتی ہے۔

صدو

غلام نبی بقلم خود

۲۹-۱۲-۵۳



ملکھی کی لڑکی کے متعلق تصدیق کیا جائے، اگر ثابت ہو جائے تو نصف اس کا اور باقی نصف ندان کے عصبات مانگھی وغیرہ (جو بوقتِ وفاتِ ندان زندہ تھے) کا کہ سائل نے زبانی بیان کیا، نصیرہ ندان سے پہلے فوت ہو گیا تھا اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ندان کی کوئی پوتی بھی نہیں تو مانگھی وغیرہ کل جائیداد کے وارث ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وصحبہ وسلم۔

حرّرہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ



کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی غلام محمد خاں حسبِ ذیل وارثوں سے فوت ہوا تو اس کی جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی؟

شجرۂ نسب

غلام محمد خاں متوفی

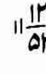
- حق نواز خاں پہلے فوت ہوا
  - نوازش علیخاں زندہ
  - اشرف بیگم زندہ
- محمد نواز خاں پہلے فوت ہوا
  - فتح دین خاں پہلے فوت ہوا
  - زہرہ بیگم زندہ ہے
- صاحب بیگم زندہ لاولد

بینوا توجروا۔ سائل: نوازش علیخاں از معروف ضلع منٹگمری



مسماۃ صاحب بیگم لڑکی کا حصہ $\frac{1}{2}$ ہے، قرآن کریم میں ہے وان کانت واحدۃ فلھا النصف، سراجیہ ص ۸ میں ہے النصف للواحدۃ، مسمّٰی نوازش علیخاں پوتے کا $\frac{1}{4}$ اور مسماۃ اشرف بیگم پوتی کا $\frac{1}{8}$ اور زہرہ بیگم پوتی کا بھی $\frac{1}{8}$ ہے، قرآن کریم میں ہے یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین (پ۴ ع۱۲)، سراجیہ ص۸ میں ہے والباقی بینہم للذکر مثل حظ الانثیین۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ والہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں محمد عبداللہ و محمد یعقوب عبدالغفار و عبدالجبار پسران میاں رحم الدین ہیں، محمد عبداللہ پہلے فوت ہو چکا ہے جس کا ایک لڑکا عبدالعزیز ہے بعد ازاں محمد یعقوب بھی فوت ہوا۔ عرصہ ۳۵/۴۰ سال ہوا ہے اس کی کوئی اولاد نہیں، اس کی ایک بیوی مسماۃ روشن بی بی ہے اور عبدالغفار و عبدالجبار دو بھائی اور بھتیجا عبدالعزیز موجود ہے، محمد یعقوب کا سالم حصہ زمین مسماۃ روشن بی بی کے نام بطور قانون انگریزی ہے اور وہ عبدالغفار و عبدالعزیز کو ہبہ یا پٹہ کی صورت میں کل زمین دینا چاہتی ہے اور عبدالجبار کا حق تلف کرنا چاہتی ہے۔ کیا وہ اس طرح ہبہ یا پٹہ کی صورت میں دے سکتی ہے اور ایک کی حق تلفی کر سکتی ہے؟ حق حق بیان کریں تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

سائل: عبدالجبار موضع ڈولہ پختہ ۱۰، شوال المکرم ۱۳۷۳ھ





مسماۃ روشن بی بی کل زمین ہبہ یا پٹہ پر نہیں دے سکتی کہ اس کا حق کل جائیداد میں



صرف ۱/۴ ہے، باقی ۳/۴ عبدالغفار و عبدالجبار کا ہے کہ متوفی محمد یعقوب کے عصبہ و بھائی ایک درجہ کے ہیں اور عبدالعزیز بھتیجے کا حق نہیں۔ سراجی میں ہے اما للزوجات فحالتان الربع للواحدۃ فصاعدۃ عند عدم الولد و ولد الابن وان سفل ص ۷ و ۸ نیز ص ۱۴ میں ہے ثم جزء ابیہ ای الاخوۃ ثم بنوھم وان سفلوا تو روشن بی بی اپنا حصہ ۱/۴ بعد از تقسیم ہبہ یا پٹہ پر دے سکتی ہے۔

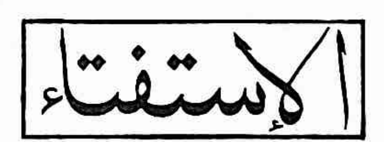
نوٹ: یہ جواب سوال کی واقعیت پر مبنی ہے، اگر سوال میں فرق ہو مثلاً ایک بھائی حقیقی، دوسرا سوتیلا یا ہم درجہ یا قریب تر ہن ہو تو جواب بھی بدل جائے گا۔

ابوالخیر غفرلہ ۱۶ شوال المکرم ۷۳ھ

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ





جناب عالی! عرض ہے کہ میری ہمشیرہ بنام بیگاں کے نام ۱۸ ایکڑ زمین عطیہ خود اس کو ملا ہوا ہے اور خاوند اس کا بنام شبیر پہلے گزر گیا ہوا تھا اور شبیر کے نام آگے زمین ملکیت کی قریب ۴ کنال تھی اور شبیر خاوند مائی کا پہلے زمین ملنے سے ۱۴-۱۵ سال کا فوت ہو یا ہوا تھا، دو اسکی لڑکی تھیں، ایک لڑکی فوت ہو گئی اور ایک زندی ہے، اس کے نام تو نصف ۹ ایکڑ زمین انتقال ہو گئی



ہے اور دوسرے ۹ ایکڑ کا حضور سے فتویٰ تحریر کرتا ہے صحیح جو پاکستان اور حدیث شریف اور کلامِ پاک میں جو حکم ہو۔

زمین مائی نے خود پیدا کی ہوئی ہے، انشاء اللہ اس میں کوئی غلطی نہ ہوگی۔

الراقم: بندہ توکل الدین چک نمبر ۵۵/د تحصیل دیپال پور





اگر سوال درست ہے کہ اراضی خاص مسماۃ بیگاں کو عطیہ ہوئی ہے اور بیگاں ہی اس کی مالک تھی تو اس اراضی کے وارث بیگاں کے وارث ہی ہوں گے، حدیث شریف میں آیا ہے من ترك مالا فلورثته (متفق علیہ[1]) تو دوسرے ۹ ایکڑ کے مستحق اس کے دوسرے بھائی ہوں گے جو سائل نے زبانی زندہ بیان کئے۔ حدیث متفق علیہ[2] میں ہے، فهو لاولى رجل ذكر قرآنِ کریم میں ہے والاقربون۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

نوٹ: سائل وہی سوال سابق ترمیم شدہ دوبارہ لایا جو درجِ ذیل ہے:

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۹۹۶، مسلم ج ۲ ص ۳۵ — [2] بخاری ج ۲ ص ۹۹۷، مسلم ج ۲ ص ۳۴ (مرتب)



الاستفتاء

جنابِ عالی! عرض یہ ہے کہ مسماۃ بیگاں بیوہ شیر مہار فوت ہوگئی ہے اور اسکا خاوند قبل ۳۶ سال سے فوت ہوا ہوا ہے، خاوند کی موت کے بعد مسماۃ بیگاں کو گورنمنٹ کی طرف سے زمین بطورِ عطیہ دی گئی تھی، مائی بیگاں کی دو لڑکیاں بی بی اور ستاں تھیں جن میں سے ستاں فوت ہو چکی ہے، اب صرف بی بی زندہ ہے۔ مرحوم ستاں کے دو پسر فاضل اور رنجتا ور بھی زندہ ہیں۔ مسماۃ بیگاں کے خاوند کے دو بھتیجے سادنا اور رسید بھی زندہ ہیں۔ ہم مسماۃ بیگاں کے دو حقیقی بھائی ہدایت اور توکل الدین بھی زندہ ہیں۔ برائے مہربانی فتوٰے حقیقی اور نزدیکی وارثان کو دیا جاوے۔

سائل: توکل الدین ولد خوشحال جٹ مہار، چک $\frac{55}{D}$ تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری

۲۴ رذی قعدۃ المبارکہ ۱۳۷۳ھ

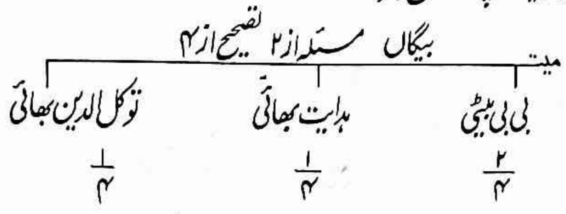




سائل نے زبانی بیان کیا کہ مسماۃ ستاں دختر بیگاں، بیگاں سے پہلے فوت ہوئی ہے تو شرعاً متوفیہ بیگاں کے وارث مسماۃ بی بی دختر ش اور مسمیان ہدایت اور توکل الدین حقیقی بھائی



ہیں، بی بی کا نصف اور ہدایت و توکل الدین کا باقی نصف نصف و نصف ہے، قرآنِ کریم میں ہے وان کانت واحدۃ فلہا النصف اور حدیثِ متفق علیہ میں ہے فھو لاولی رجل ذکر تو یہ مسئلہ چار سے صحیح ہوگا ھٰکذا :

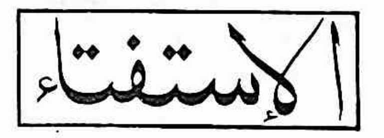


فاضل و بخنا و رپسران ستاں اور رسادنا و سید پسران برادرِ زوجِ بیگاں محروم ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کے کہ ایک شخص کو ننہال کی طرف سے یعنی نانا کی جائیداد غیر منقولہ (اراضی) بذریعہ ہبہ ملی تھی، کچھ عرصہ کے بعد وہ شخص فوت ہو گیا، اسکی یہ ملکیہ اراضی کا ۵/۶ حصہ اسکے والد اور ۱/۶ حصہ اسکی والدہ کے انتقال ہو گیا۔ اب اس کے دس سال کے بعد اسکی والدہ بھی فوت ہو گئی، اَب اسکی والدہ کے مذکورہ ۱/۶ حصہ جو اس کے بیٹے کیطرف سے انتقال ہوا تھا کون حقدار ہے جبکہ متوفیہ مذکورہ کا کوئی حقیقی باپ، بھائی بہن، بیٹا وغیرہ کوئی نہیں ہے البتہ اس کا خاوند زندہ ہے اور اس کے خاوند کے تین لڑکے دوسری بیوی سے موجود ہیں۔



سائل نے زبانی بیان کیا کہ متوفیہ کے جدّی رشتہ دار جو پرداد ا میں ملتے ہیں موجود ہیں

بمعرفت مولانا محمد صدیق صاحب حجرہ شریف





متوفیہ کا خاوند ½ حصہ کا مستحق ہے، قرآنِ کریم میں ہے ولکم نصف ماترك ازواجکم ان لم یکن لھن ولد، سراجیہ علیمیہ ص ۷ میں ہے النصف عند عدم الولد اور باقی ½ جدی مردوں کے لئے ہے جو عصبات ہیں، حدیث شریف میں ہے الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فھو لاولی رجل ذکر (متفق علیہ) مشکوٰۃ اصح المطابع ص ۲۶۳، سراجیہ ص ۴ میں ہے ثم بالعصبات من جھۃ النسب ص ۱۵ میں ہے ثم فی اعمام ابیہ ثم فی اعمام جدہ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہٖ وآلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ



کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ سید ادہم شاہ



ولد شاہ دین شاہ سکنہ محبوب شاہ تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری کے اولادِ نرینہ نہ ہونے کی وجہ اس نے اپنی جائداد منقولہ وغیر منقولہ برائے وصیت اپنی بیوی مسماۃ زہرہ بی بی کو وارث قرار دیا۔ مسماۃ زہرہ بی بی کی وفات کے بعد جائداد کا وارث و قائمقام دونوں لڑکیوں مسماۃ گاماں بی بی و شفاں بی بی کو قرار دیا، مسماۃ شفاں بی بی بحالتِ ناکتخدائی میں ہی فوت ہوگئی۔ مسماۃ زہرہ بی بی نے اپنی جائداد اپنی وصیت مسماۃ گاماں بی بی کو مورخہ ۲ر فروری ۱۹۴۳ء قائم مقام مقرر و تسلیم کیا۔ مسماۃ گاماں بی بی کی شادی مسمّٰی جمال شاہ نمبردار سکنہ محبوب شاہ سے ہوئی۔ عرصہ ۱۲، ۱۳ سال کے بعد جلال شاہ نے ایک اور شادی کرلی۔ مسماۃ گاماں بی بی کی والدہ مذکورہ کے فوت ہونے پر وارثان بازگشت اس جائداد کے حقدار بننے کا جھگڑا کیا، زرعی جائداد کا انتقال پانچواں حصہ مسماۃ گاماں بی بی کو دیا گیا اور چار حصے وارثانِ بازگشت نے تقسیم کرلیا جس کے بعد مسماۃ گاماں بی بی نے وصیت بذریعہ رجسٹری اپنے سوتیلے لڑکے مسمّٰی مظہر حسین شاہ کے حق میں ۵ر مارچ ۱۹۴۷ء میں کی اور جس میں درج کرایا کہ وارثان نے مجھ سے دھوکہ کیا تھا، اب میں بارضامندی مظہر حسین شاہ کو وارث قائم مقام قرار دیتی ہوں اب مسماۃ گاماں بی بی ماہِ نومبر ۱۹۵۷ء کو فوت ہوگئی ہے جس کی جائداد اب کس طرح تقسیم ہونی ہے بذریعہ شریعت فتویٰ دیا جائے۔

نوٹ: مسماۃ گاماں بی بی لاولد فوت ہوئی ہے اور اس کے سوتیلے بہن بھائی بھی نہیں اور عصبات ہیں۔

سائل: سید جمال شاہ ولد سید غلام قادر شاہ نمبردار

سکنہ محبوب شاہ تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری

۱۹ر جمادی الاخریٰ ۱۳۷۷ھ





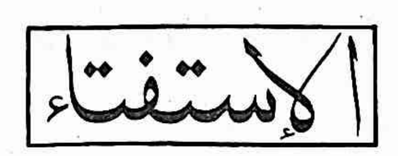


مسماۃ گاماں بی بی کی کل جائداد جو کفن دفن اور قرض ادا کرنے کے بعد بچی اسکا تیسرا حصہ مظہر حسین شاہ کو دیا جائے اور باقی کا نصف جمال شاہ خاوند کا ہے اور باقیماندہ عصبات کا ہے ہاں اگر جمال شاہ خاوند اور وارث عصبے اجازت دے دیں تو باقی دونوں حصے بھی مظہر حسین شاہ کو دئے جائیں اور اگر سب اجازت نہ دیں اور بعض دیں تو اجازت دینے والوں کے حصے دئے جائیں اور باقی اپنا اپنا لے لیں، فتاوی عالمگیری میں ہے [ج۶ ص۴۰۳] ثم تنفذ وصایاہ من ثلث ما یبقی بعد الکفن و الدین الا ان تجیز الورثۃ اکثر من الثلث ثم یقسم الباقی بین الورثۃ علی اسہام المیراث۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہ واصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۰ جمادی الاخریٰ ۷۷ھ



کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ بکر نے اپنی بیوی کو طلاق



دی اور اس بیوی سے ایک لڑکا ہے پھر بکر نے دوسری شادی کر لی ہے جس سے تا حال کوئی اولاد نہیں ہے کہ بکر فوت ہو گیا۔ اب مسئلہ درپیش ہے کہ متوفی کی وراثت کا حقدار کون ہے۔ بینوا توجروا۔

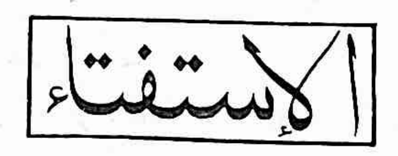


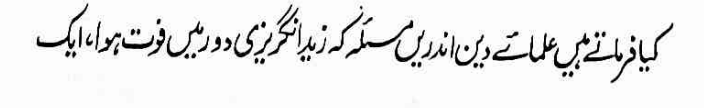


سائل نے زبانی بیان کیا کہ مطلقہ کی عدت قبل وفات پوری ہو چکی تھی اور متوفی کے والدین اور دادا دادی، نانا نانی زندہ نہیں تھے تو اندریں صورت آٹھواں حصہ $\frac{1}{8}$ بیوی کا ہے اور باقی کل لڑکے کا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۷ ار رجب المرجب ۷۷ھ




کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ زید انگریزی دور میں فوت ہوا، ایک



لڑکی، دو بیویاں اور کچھ اور عصبے زندہ تھے مگر انگریزی قانون کے مطابق نصف جائداد بطور گزارہ ایک بیوی کے نام منتقل ہوئی اور دوسرا نصف دوسری بیوی کے نام، بعد ازاں ایک بیوی اور لڑکی جو اُسی کے پیٹ سے تھی، فوت ہو گئیں اور اس متوفیہ بیوی کی جائداد وارثوں میں تقسیم ہو گئی، اب دوسری بیوی فوت ہوئی ہے اور اس کے دو حقیقی بھتیجے اور دو بھنیجے کے لڑکے موجود ہیں اور متوفی زید کے عصبات اور ایک نواسہ بھی موجود ہیں تو اندریں صورت اس متوفیہ کے بھتیجوں اور بھنیجے کے لڑکوں کو اس نصف جائداد سے شرعاً کچھ مل سکتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

نوٹ : اِس دوسری بیوی کے والدین اور بہن، بھائی اور خاوند زندہ نہیں۔





اس نصف جائداد میں اس بیوی کا حصہ زید خاوند سے آٹھواں تھا تو وہ آٹھواں حصہ اس کے دونوں بھتیجوں کا حق ہے اور باقی چھ حصے حسبِ دستورِ شرع زید کے ورثہ کے ہیں، قرآنِ کریم میں ہے للرجال نصيب مما ترك الوالدان والاقربون، حدیثِ پاک میں ہے فلاولى رجل ذكر (متفق علیہ) فتاوٰی عالمگیر ج ۴ ص ۴۰۴ میں ہے فاقرب العصبات (الى ان قالوا) ابن الاخ تو بیوی کے بھتیجوں کے ہوتے ہوئے بھتیجے



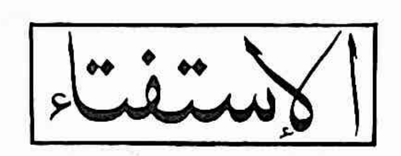
کے لڑکوں کو کچھ نہیں ملتا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہ واصحٰبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲ر شعبان المعظم ۱۳۷۷ھ بروز ہفتہ بوقت ۱ ½





کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ متوفی سنی حنفی کی ایک لڑکی اور تین حقیقی بھائی اور ایک ہمشیرہ اور ایک بیوی باقی ہیں تو کیا لڑکی کو ثمن نکال کر باقی کا نصف ملے گا یا کل ترکہ کا نصف اور ہمشیرہ بھی حصہ پائے گی یا نہیں؟

مستفتی: حاجی شاہ نوری، ساکن چک ۱۷/۱ ٹھیکوانوالہ نزد عارفوالہ ضلع منٹگمری



ایک لڑکی کے لئے کُل ترکہ کا نصف ہے، قرآنِ کریم میں ہے وان کانت



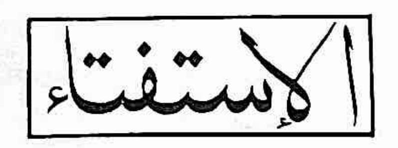
واحدۃ فلہا النصف اور فتاوٰی عالمگیر ج ۴ ص ۴۰۳، سراجیہ ص ۸ وغیرہا میں ہے النصف للواحدۃ یعنی اکیلی لڑکی کے لئے نصف ترکہ ہے اور ثمن نکال کر باقی کا نصف ترکہ کا نصف نہیں بن سکتا بلکہ وہ تو باقی کا نصف ہے جس کا ذکر نہ قرآنِ پاک میں ہے اور نہ ہی کسی حدیث شریف میں ہے اور کسی کتابِ فقہ میں بھی یہ نہیں لکھا جس نے یوں کہا اس نے محض افترا کیا اور حقیقی بہن بھی بھائیوں کے ساتھ ضرور حصّہ دار ہے، قرآنِ کریم میں ہے وان کانوا اخوۃ رجالا و نساء فللذکر مثل حظ الانثیین یعنی اگر بھائی بہن ہوں تو مرد کا حصّہ دو عورتوں کے برابر ہے اور یہی فتاوٰی عالمگیر ج ۴ ص ۴۴۴ اور سراجیہ ص ۱۰ میں ہے ومع الاخ لاب وام للذکر مثل حظ الانثیین تو روزِ روشن کی طرح ثابت ہوا کہ بہن حصہ دار ضرور ہے گو اس کا حصہ بھائی کے برابر نہیں بلکہ اس سے آدھا ہے۔ کسی کا یہ کہنا کہ ایسی صورت میں حقیقی بہن حصّہ نہیں پاتی قطعاً قابلِ اعتبار نہیں۔

واللہ تعالٰی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ و آلہ و اصحابہ و بارک و سلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۵ ربیع الثانی ۱۳۷۹ھ   ۵۹-۱۰-۲۸





قبلہ مولانا مولوی محمد نور اللہ صاحب مدظلہٗ

آداب کے بعد عرض ہے کہ فدوی کو مندرجہ ذیل مسئلہ کا حل دریافت کرنا مطلوب ہے

میری ہمشیرہ صاحبہ جس کو میرے والد صاحب مرحوم کے ترکہ میں سے حصۂ وراثت پہنچا ہے، اب وہ فوت ہو چکی ہے، اس کا خاوند حیات ہے اور اس سے کوئی اولاد نہیں ہے لہٰذا اس کا کل ترکہ کس نسبت سے تقسیم کیا جائے، اس کی والدہ صاحبہ اور بندہ برادرِ حقیقی حیات ہے۔

سائل: محمد ایوب خاں ولد لعقوب خاں ۶۰-۱-۳۰





خاوند کا نصفِ کل ترکہ ہے، قرآنِ کریم میں ہے ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد اور والدہ کا ثلث یعنی کل ترکہ کا ⅓ اور باقی سب برادرِ حقیقی کا ہے۔ سراجیہ میں ہے وثلث الکل عند عدم ھؤلاء المذکورین اور قرآنِ کریم میں ہے فلامہ الثلث۔ مسئلہ ۶ سے صحیح ہے حسبِ ذیل:

میت مرحومہ مسئلہ از ۶

برادرِ حقیقی	والدہ	خاوند
۱	۲	۳

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین اندریں مسئلہ کہ ایک خاتون جسے باپ کے ترکہ سے حصّہ ملا لاولد فوت ہوئی اور اس کا خاوند اور والدہ اور برادرِ حقیقی زندہ ہیں" اس کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا ؟

سائل : محمد ایوب خاں ولد محمد یعقوب خاں





خاوند کا حصّہ ½ ہے، قرآنِ کریم میں ہے و لکم نصف ماترك ازواجکم ان لم یکن لهن ولد۔ سراجیہ میں[۸] ہے النصف عند عدم الولد الخ اور والدہ کا ⅓ ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے فلامه الثلث اور سراجیہ میں[۱۲] ہے و ثلث الکل عند عدم هٰؤلاء اور باقی برادرِ حقیقی کا ہے۔ حدیثِ متفق علیہ میں ہے فلاولی رجل ذکر اور سراجیہ میں[۱۴] ہے ثم جزء ابیه ای الاخوة۔ مسئلہ ۶ سے صحیح ہے حسبِ ذیل ؛



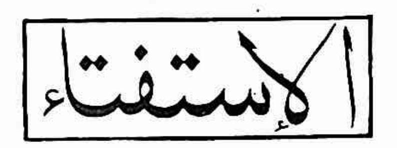
میت خاتون مسئلہ از ۶

خاوند	والدہ	برادرِ حقیقی
۳	۲	۱

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحٰبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

شب ۳؍ شعبان المعظم ۷۹ھ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک شخص فوت ہوا حالانکہ اس کی ایک لڑکی ایک بیوی اور ایک بھائی زندہ ہیں، ان کے سوا کوئی اور قریبی وارث نہیں تو شرعاً اس مرنے والے کا ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے؟ سائل......



میت کے کفن دفن اور قرض ووصیت سے جو بچے، اس کا نصف لڑکی کا حق ہے



اور آٹھواں حصہ بیوی کا ہے، باقی سب بھائی کا ہے۔ یہ مسئلہ ۸ سے صحیح ہوگا حسبِ ذیل:

مسئلہ از ۸

میت

بیوی	لڑکی	بھائی
۱/۸	۴/۸	۳/۸

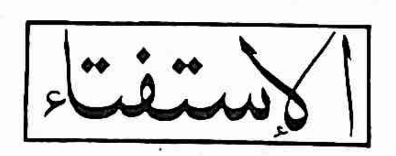
قرآن کریم میں ہے من بعد وصية يوصى بها او دين نیز قرآن کریم میں ہے فان كان لكم ولد فلهن الثمن نیز ہے وان كانت واحدة فلها النصف نیز ارشادِ احادیثِ شریفہ ہے ما ابقت اصحاب الفرائض فلاولى رجل ذكر۔

واللّٰہ تعالیٰ اعلم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی حبیبہ والہٖ واصحٰبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

مؤرخہ ۲۸ محرم الحرام ۱۳۸۰ھ ۶۰-۷-۲۳



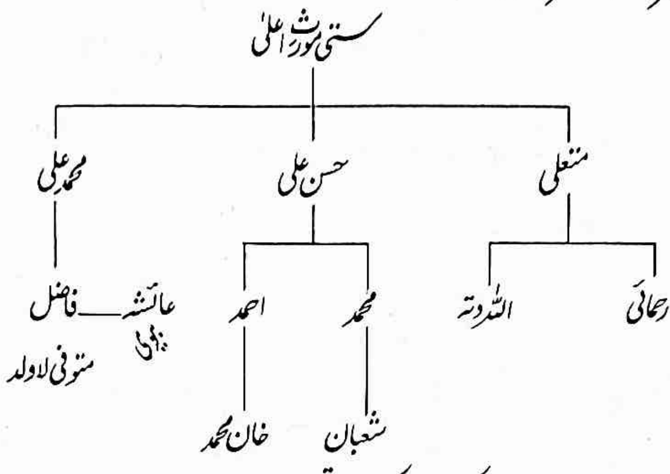


الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی فاضل ولد محمد علی لاولد فوت ہوا ہے اس کے والدین اور اس کے دونوں نانے اور نانے کے لڑکے پہلے فوت ہو چکے ہیں البتہ اس کے ایک نانے کا لڑکا مسمّٰی اللہ دتہ اور نانے کی لڑکی مسماۃ رحمانی



اور مسمّٰے شعبان، مسمّٰی خان محمد دوسرے ناتے کے پوتے اور مسماۃ عائشہ بیوی موجود ہیں، شجرۂ نسب حسبِ ذیل ہے:



تو از روئے شرع مطہر فاضل کی وراثت کس طرح تقسیم ہو۔ بینوا توجروا۔

سائل: مسمّٰی اللہ دتہ ولد منتعلی کھوکھر چک ۴۸/D تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری نشان انگوٹھا



صورتِ مندرجہ بالا میں بیوی کا چوتھا حصہ ہے، سراجی ص ۷ میں ہے الربع للواحدۃ فصاعدۃ اور باقی سب مسمّٰی اللہ دتہ کا ہے کہ وہ عصبۂ اقرب ہے، سراجی ص ۱۴ میں ہے ثم جزء جدہ ای الاعمام ثم بنوھم اور شعبان اور خان محمد چونکہ دور ہیں لہٰذا محروم ہیں، سراجی میں ہے الاقرب فالاقرب یرجحون بقرب الدرجۃ

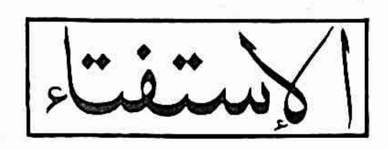


اور مسماۃ رحمائی بھی محروم ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۰ رجب المرجب ۱۳۸۰ھ ۲۰-۱۲-۲۹





کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت لاولد رضائے الٰہی سے فوت ہو گئی جس کے والدین اور خاوند زندہ ہیں، اسکی جائداد کس طرح تقسیم کرنی چاہیے؟ فقط

السائل : نیاز علی شاہ از فادر آباد



خاوند کا حق کل ترکہ کا نصف ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے ولکم نصف ما ترک



أزواجکم إن لم یکن لهن ولد اور باقی سب والدین کا ہے، اس کے دو حصے باپ کے اور تیسرا حصہ ماں کا ہے، قرآن کریم میں ہے فان لم یکن له ولد وورثه ابواه فلامه الثلث۔ سراجیہ[12] میں ہے وثلث ما بقی بعد فرض احد الزوجین وذلک فی مسئلتین زوج و ابوین الخ

حسب القواعد یہ مسئلہ چھ سے آئے گا، حسب ذیل :

عورت مسئلہ از چھ

میت

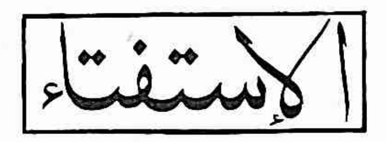
خاوند	باپ	ماں
۳/۶	۲/۶	۱/۶

واللہ تعالیٰ اعلم و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۶۱-۷-۳





از جیٹھ پور ۳۰ ۱۲/۶۲ بخدمت اقدس الحاج قبلہ فقیہ اعظم مدظلہم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیٔ شرع متین دریں مسئلہ کے بارے میں کہ زید اور

بکر دونوں بھائی ہیں، زید بڑا بھائی ہے اور بکر چھوٹا بھائی ہے، دونوں بھائی شادی شدہ ہیں، زید کے ہاں تین لڑکیاں ہیں، دو شادی شدہ ہیں اور ایک کنواری ہے، زید کا بھائی بکر فوت ہو گیا ہے، بکر کی بیوی صرف اکیلی ہے، بکر کا کوئی لڑکا لڑکی نہیں ہے (آگے ایسے واقعات کا ذکر ہے جو استفسار کے لئے ضروری نہیں لہٰذا درج نہیں کئے)

السائل: امراؤ خاں میو حصّہ دار جیٹھ پور

۳۰-۱۲-۶۲





شرعاً بکر کی بیوی کا چوتھا حصہ ہے، قرآنِ کریم میں ہے و لهن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد یعنی بیویوں کے لئے چوتھا حصّہ ہے اگر میت کا کوئی بچہ نہ ہو تو اور باقی تمام زید کا حق ہے، قرآنِ کریم میں ہے للرجال نصیب مما ترك الوالدان و الاقربون یعنی مردوں کا حصہ ہے اس مال سے جو ماں باپ چھوڑ کر فوت ہوں اور زیادہ قرابت والے تو چونکہ بھائی زیادہ قرابت والا ہے لہٰذا اس کو حصہ ملے گا جس کی تشریح حدیثِ پاک نے کی فما ابقت الفرائض فلاولی رجل ذکر یعنی جو مقررہ کردہ حصوں سے بچے وہ تمام ایسے مرد کا حق ہے جو سب سے زیادہ نزدیک ہو تو اس صورت میں چونکہ مقرر کردہ حصہ صرف چوتھائی ہے جو بیوی کا حق ہے تو باقی تمام بحکمِ قرآنِ کریم اور حدیثِ پاک "زید" کا حق ہے جو



بھائی ہے اور یہی سراجیہ اور فتاویٰ عالمگیر اور دوسری تمام کتب فقہیہ میں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہ

واصحبہ و بارک و سلم۔

نوٹ : یہ حکم اس صورت میں ہے کہ زید اور بکر دونوں حقیقی بھائی ہوں یا سوتیلے مگر باپ ایک ہی ہو۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۳-۱-۶۳



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمی نورالدین متوفی کے وارث حسب ذیل ہیں۔ دو بیویاں مریم بی بی و جنت بی بی اور دو لڑکے محمد حنیف و خلیل احمد اور چار لڑکیاں سرداراں، مریم بی بی، فیض الٰہی و زینب بی بی زندہ ہیں اور ایک لڑکے مسمی محمد رمضان (جو نورالدین کے حینِ حیات میں ہی فوت ہو چکا ہے) کی لڑکی مسماۃ رحماں بی بی بھی موجود ہے، کیا شرعاً مسماۃ رحماں بی بی بھی نورالدین کی وارث ہے یا نہیں؟

سائل : محمد حنیف ولد نورالدین مرحوم از لدھیوال تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری

$4\frac{9}{64}$





شرعاً لڑکوں اور لڑکیوں کی موجودگی میں پوتی وارث نہیں بن سکتی کما فی

السراجیۃ والھندیۃ وغیرھا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ واٰلہٖ

اصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۶ ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ





کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ متین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی فضل الدین ولد سفری مسلم شیخ کی بیوہ ہے، میرے خاوند کے فوت ہونے کے بعد میرے سوتیلے لڑکوں نے مجھے مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا اور گھر کے تمام اثاثہ سے محروم کر دیا ہے۔ میرے خاوند کی فوتیدگی کے بعد



حسبِ ذیل مویشی اور زیورات میری تحویل میں تھے جو مجھے گھر سے نکالتے وقت چھین لئے گئے ہیں، کیا ان اشیاء میں سے میرا کسی شے پر حق شرعی حکم سے ہے یا نہیں؟

۱۔ نام رکھاں سنہری وزنی ۲ تولہ
۲۔ تیلا سنہری وزنی ۳/۴ تولہ
۳۔ نتیاں سنہری وزنی ۱/۴ تولہ
۴۔ تختی خورد ۱/۴ تولہ کل وزن ۱/۴ ۳ تولہ
۵۔ حَسّ چاندی وزنی ۴۰ تولہ
۶۔ حَسّی خورد وزنی ۱۵ تولہ
۷۔ کنگن دو جوڑے وزنی ۳۰ تولہ
۸۔ کڑیاں دو جوڑے وزنی ۶۰ تولہ
۹۔ چوڑا معہ چھکنگن وزنی ۴۰ تولہ
۱۰۔ پلنگ رنگین قیمتی ۳۰/- روپے
۱۱۔ پیڑھی رنگین قیمت -/۵ روپے
۱۲۔ تھال کانسی قیمت -/۱۰ روپے
۱۳۔ چھنّا کانسی قیمت -/۸ روپے
۱۴۔ صندوق ٹین ۲ عدد -/۴۰ روپے
۱۵۔ بستر ۲ عدد قیمت -/۵۰ روپے
۱۶۔ پرات پیتل قیمت -/۲۰ روپے
۱۷۔ کرواپیتل قیمت -/۱۲ روپے
۱۸۔ چکی قیمت -/۸۰ روپے
۱۹۔ گدھی دو لگام قیمت -/۳۰۰ روپے
۲۰۔ بکریاں دو کان قیمت -/۲۵۰ روپے
۲۱۔ بھیڑیں چالیس کان قیمت -/۲۰۰۰ روپے
۲۲۔ چارپائیاں ۴ عدد قیمت -/۳۲ روپے
۲۳۔ نقد روپیہ -/۵۰۰ روپے

نوٹ: ۱ تا ۱۸ اشیاء فدویہ کے والدین نے مجھے میری شادی کے وقت دی تھیں، علاوہ ازیں گھر میں چھوٹی بڑی اور بھی کئی اشیاء تھیں۔

سائلہ: فدویہ امام بی بی بیوہ فضل الدین ساکن بھانہ صاحبہ، تھانہ منڈی ہیرا سنگھ
ضلع ساہیوال

۱۱/۵/۶۹

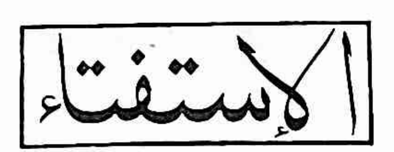




وہ چیزیں جو سائلہ کے والدین نے سائلہ کو دیں وہ سائلہ کی ہی ہیں اور باقی سب مال جو مسمّٰی فضل الدین کی تجہیز و تکفین اور دوسرے امور سے بچا اس کا آٹھواں حصہ بھی سائلہ کا ہے، یہ حکم قرآنِ کریم اور حدیثِ پاک کا ہے جو فتاوٰی عالمگیر وغیرہا میں مفصل مذکور ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومحبوبنا الاعظم مولٰنا محمد وآلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ
۲۴ صفر المظفر ۱۳۸۹ھ
۶۹-۵-۱۱



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو حسبِ دستور یکے بعد دیگرے ایک ایک طلاق کے تین نوٹس اپنی صحت اور ہوش و



جو اس سے پہلے ابداز اں بیمار ہو کر فوت ہوگیا تو کیا وہ عورت اس کی وارث ہو سکتی ہے یا نہیں؟

سائل محمد انور ولد ماہی حصہ دار البصیر پور شریف

محمد انور بقلم خود ۸/۷/۷





اگر وہ شخص مطلقہ کی عدت پوری ہونے کے بعد فوت ہوا تو وارث نہیں ہوگی،

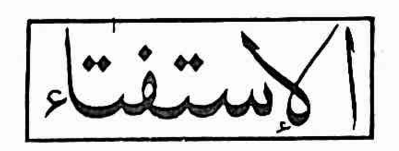
فتاوی عالمگیر ج ۲ ص ۱۰۵ ولو انقضت عدتھا ثم مات لم ترث۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد و

علی آلہ واصحابہ اجمعین وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۳ جمادی الاخری ۱۳۹۰ھ ۷-۸-۷۰



کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو ایک طلاق رجعی دی



اور اس کے بعد اس نے پھر رجوع کرلیا اور طلاق واپس لے لی کیا وہ اس کی جائداد کے حقدار ہے یا نہیں اور وہ فوت ہوگیا ہے۔

۲۔ اسی طرح اس کی لڑکی بھی ہے اور بھائی بھی ہیں، کیا وہ بھی جائداد کے حقدار ہیں یا کہ نہیں؟ کیا لڑکی کتنے حصہ کی مالک ہے؟

فتویٰ کی طالبہ

جنت بی بی





اگر صورتِ سوال صحیح اور واقعی ہے تو وہ عورت بوقت وفات اس شخص کی باقاعدہ بیوی ہے جو بحکم قرآن کریم اس کی جائداد کے آٹھویں حصے کی وارث ہے اور جب اس کی صرف ایک لڑکی ہے تو وہ لڑکی نصف جائداد کی وارث ہے اور باقیماندہ جائداد بھائیوں کی ہے بحسب حکم القرآن الحکیم والمذہب المہذّب الحنفی۔

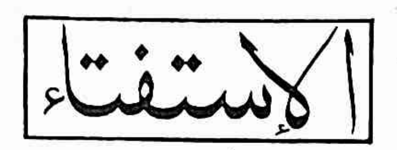
واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہٖ



واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۹ رجب المرجب ۱۳۹۰ھ ۷۰-۹-۱۱

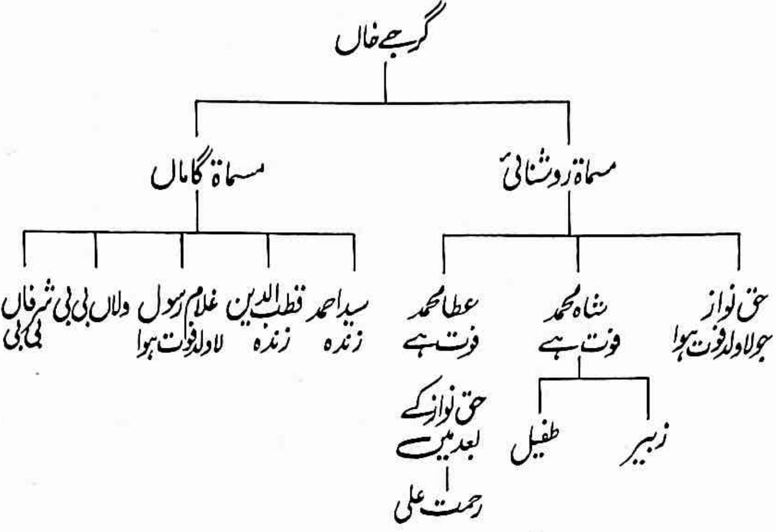




کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اندریں صورت کہ متوفی گرجے خاں قوم وٹو راجپوت کے ورثہ میں سے صرف اس کی دو بیویاں مسماۃ روشنائی اور مسماۃ گاماں موجود تھیں پہلی بیوی روشنائی میں سے تین لڑکے حق نواز، شاہ محمد، عطا محمد اور دوسری بیوی گاماں میں سے تین لڑکے سید احمد، قطب الدین، غلام رسول اور دو ہمشیرگان ولاں بی بی اور شرفاں بی بی موجود تھیں جو کہ گرجے خاں چھوڑ کر فوت ہوا تو ہند میں اس کے وراثت کے انتقال ہو گئے تھے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب پہلی بیوی روشنائی میں سے حق نواز لاولد فوت ہوتا ہے تو اس وقت اس کا سگا بھائی عطا محمد موجود تھا اور گاماں میں سے سید احمد قطب الدین اور ان کی دو ہمشیرگان موجود تھیں اور اسی طرح جب گاماں میں سے غلام رسول لاولد فوت ہوتا ہے تو اس کے سگے بھائی سید احمد قطب الدین اس کی والدہ اور دو ہمشیرگان موجود تھیں اور روشنائی میں سے حق نواز شاہ محمد اور عطا محمد موجود تھے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ متوفی حق نواز اور غلام رسول کی وراثت کے کون کون حقدار ہیں؟





متوفی حق نواز لاولد سگے بھائی عطا محمد اور مسماۃ گاں میں سے سید احمد قطب الدین
والاں بی بی، شرفاں بی بی اور ان کی والدہ

متوفی غلام رسول لاولد، سگے بھائی سید احمد قطب الدین والاں بی بی شرفاں بی بی اور
ان کی والدہ اور روشنائی میں سے حق نواز، شاہ محمد اور عطا محمد۔

السائل: رحمت علی ولد عطا محمد قوم وٹو، موضع بنجری پور تحصیل دیپالپور ضلع ساہیوال
رحمت علی وٹو بقلم خود ۱۲/۵





غلام رسول کے وارث صرف اس کے حقیقی بھائی اور والدہ اور ہمشیرگان ہی ہیں
اور اس کے سوتیلے بھائی وارث نہیں ہو سکتے اور یونہی حق نواز فوت ہوا تو اس کا وارث صرف

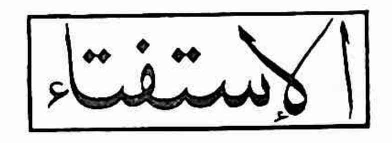


حقیقی بھائی عطا محمد ہی ہے اور سوتیلے بہن بھائی وارث نہیں کیونکہ قرآنِ کریم میں ہے مما ترک الوالدان والاقربون (سورۃ النساء)۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد و آلہٖ و اصحٰبہٖ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۵ شوال المکرم ۱۳۹۰ھ ۵-۱۲-۷۰



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی نبی بخش ولد فتح الدین قوم چھچھڑ رائیں سکنہ بصیر پور جب فوت ہوا تو اس وقت اس کی لڑکی مسماۃ خان بی بی اور بیوی جنت بی بی اور والدہ مسماۃ طالع بی بی اور دیگر عصبات جدّی زندہ تھے بعد ازاں مسماۃ طالع بی بی فوت ہوئی تو اس کی پوتی مسماۃ خان بی بی زندہ تھی بعد ازاں مسماۃ جنت بی بی والدہ مسماۃ خان بی بی فوت ہوئی تو اس کے وارث لڑکی خان بی بی اور بہن صالح بی بی فوت ہوئی تو اس کا صرف ایک لڑکا مسمّٰی اللہ بخش موجود تھا تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسمّٰی اللہ بخش کو نبی بخش کی وراثت سے کیا ملتا ہے؟

سائل: اللہ بخش از بصیر پور

۱۶-۶-۷۱





مسمّٰی اللہ بخش کو نبی بخش کی جائیداد سے سولھواں حصہ ملتا ہے کیونکہ مسماۃ جنت بی بی زوجہ نبی بخش کا حق آٹھواں حصہ ملتا ہے اور جنت بی بی فوت ہوئی تو اس آٹھویں حصّے کا نصف جو سولھواں حصہ ہے مسماۃ صالح بی بی کا حق تھا جو اس کی وفات کے بعد اس کے لڑکے اللہ بخش کا حق ہے، قرآن کریم میں ہے فان کان لکم ولد فلھن الثمن اور سراجی ؒ میں ہے والثمن مع الولد یعنی خاوند کی اولاد ہو تو بیوی کا حقِ وراثت آٹھواں حصہ ہے صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۸ میں حضرتِ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حدیث ہے النصف للابنۃ والنصف للاخت سراجی ص ۱۰ میں ہے ولھن الباقی مع البنات یعنی میت کی ایک لڑکی اور ایک بہن ہو تو بہن کا نصف حصّہ ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد و الہٖ واصحٰبہٖ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمّد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۴ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ

۱۹-۶-۷۱



الاستفتاء

علمائے دین وشرع متین کیا فرماتے ہیں بیچ اس مسئلہ کے کہ مجھ سے میرا بڑا بھائی تھا جس کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی، اس کو فوت ہوئے چار سال گذر گئے ہیں، اس کے بعد اسکی صرف بیوی تھی، میں نے اپنے بھائی کی جائیداد کا کوئی مطالبہ نہیں کیا کہ یہ بیوہ ہے مگر آج پندرہ دن ہو چکے ہیں کہ میرے بھائی کی بیوی فوت ہوگئی۔ میرے بھائی کی جائیداد نقدی زیور مال مویشی باقی ہیں جو کہ میری بھاوجہ کا بھائی ہے، وہ کہتا ہے کہ میں حقدار ہوں اور آپ حقدار نہیں لہذا میرے حق کے متعلق شرعی ثبوت فرمایا جاوے۔

میرے باپ اور ماں فوت ہو چکے ہیں۔ میرے سوا نہ اور بھائی ہے اور نہ بہن ہے۔

العبد : سردار علی ولد نور محمد قوم مہار، ساکن جلیٹھ پور ۳-۱۲-۷۹



سائل نے زبانی بیان کیا کہ ہمارے ماں باپ، بھائی سے بہت پہلے فوت ہو چکے



ہیں اور ہمارا کوئی بہن بھائی اور سوا نہیں تو اگر یہ سوال صحیح اور واقعی ہے تو اس متوفی کے وارث اس کی بیوی اور سائل دونوں ہیں، بیوی کا حصہ ایک چوتھائی ہے اور باقی تین چوتھائی سائل کے ہیں جو بھائی ہے حسب القرآن الکریم و مذہب الحنفی بل جمیع المذاہب علیٰ ھٰذا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۳ ذی القعدۃ المبارکہ ۱۳۹۳ھ ۹/۱۲/۷۳



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ عباس نامی شخص فوت ہوا اب اس کے وارث صرف اس کی والدہ مسماۃ خدیجہ بی بی، اس کی بیوی مسماۃ حفصہ بی بی اس کی لڑکی فرح بی بی، اس کی بہن بشیراں بی بی اور چچگان مسمیان خوشی محمد، محمد اکبر، عبدالرحمٰن ہیں، اب متوفی مذکور کی وراثت ان وارثان میں فقہ سنی کے مطابق کس نسبت سے تقسیم ہو گی۔ شجرہ حسب ذیل ہے:

جودھا بھاگن

خوشی محمد، محمد اکبر، عبدالرحمٰن، محمد اسماعیل، مہراں، حلیماں، جنت بی بی

محمد اسماعیل — بیوی خدیجہ بی بی

بیوی حفصہ بی بی ..... محمد عباس، لڑکی فرح بی بی، بشیراں بی بی

السائل: مقصود احمد، مبووالہ
۲۶-۱-۷۵



والدہ کا سدس، بیوی کا ثمن، لڑکی کا نصف اور باقی بہن کا ہے اور چچے وغیرہم سب محروم ہیں۔ یہ مسئلہ حسب القواعد چوبیس سے ہے حسب ذیل:

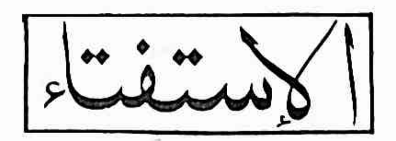
عباس ولد اسماعیل، مسئلہ از ۲۴

خدیجہ والدہ	فرح لڑکی	بشیراں بہن	حفصہ زوجہ	خوشی محمد چچا	وغیرہم محروم
۴/۲۴	۱۲/۲۴	۵/۲۴	۳/۲۴	×	×

کما فی القرآن الکریم والاحادیث الشریفۃ والسراجیۃ وغیرہا

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ علی حبیبہ الاعظم وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ



ایک عورت کا خاوند قضائے الٰہی سے وفات پا گیا ہے، اس کے خاوند کی وفات



کو ابھی سات روز ہی گذرے تھے کہ عورت کے سسر نے جو عورت کا چچا بھی تھا عورت کو حکم دیا کہ وہ اپنے مرحوم خاوند کے چھوٹے بھائی سے نکاح کرے لیکن عورت نے خاوند کے چہلم سے قبل نکاح کرنے سے انکار کر دیا اور کہا دو ماہ کے بعد اگر میری مرضی ہوئی تو نکاح کر لونگی

عورت مذکورہ کے سسر نے نکاح سے انکار کرنے پر عورت کو گھر سے نکل جانے کا حکم دیا چنانچہ عورت مذکورہ اپنے خاوند کے گھر سے دو جانور ایک گھڑاپ اور ایک گدھی اور چند من گندم لے کر کسی دوسری جگہ چلی گئی۔

اب عورت مذکورہ نے کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لیا ہے اور اس کے سابقہ خاوند مذکور کے بھائی اور سسر نے مذکور بالا جائیداد کی واپسی کا مطالبہ کیا جائے جناب والا بروئے شریعت محمدی فتویٰ جاری فرمایا جاوے کہ عورت مذکور کا مرحوم خاوند کی جائیداد منقولہ و غیر منقولہ میں حصہ ہے یا نہیں ؟



یاد رہے کہ عورت مذکور کے مرحوم خاوند اور اس کے چھوٹے بھائی کی جائیداد مشترک ہے اور اس جائیداد میں سے سات جانور، گندم اور مکان وغیرہ پر مرحوم خاوند کا چھوٹا بھائی قابض ہے نیز عورت مذکور کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہے۔



سائل نے زبانی بتایا کہ خاوند متوفی کی اولاد ہے ہی نہیں تو عورت کا شرعاً



خاوند کی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد سے چوتھا حصہ حق ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد (سورۃ النساء پ ۴ع ۳)۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۵-۱۲-۷۰



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ دو بھائی جن میں سے ایک بھائی فوت ہو چکا ہے جس کی بیوی بتی ۳۲ من گندم اور ایک گدھی اور ایک بھینس اور کچھ زیورات لے کر کسی اور آدمی کے عقد میں آچکی ہے، اب دوسرے بھائی کو جو کہ غیر شادی شدہ ہے اس کو اس مال سے کتنا حصہ آتا ہے؟

نوٹ: وہ دونوں بھائی ایک ساتھ اکٹھے رہتے تھے اور ان کے باپ کا اکٹھا مال تھا اور دونوں اکٹھا ہی کام کرتے رہے اور ان کا کوئی اور بھائی نہیں صرف ایک ماں تھی جو کہ فوت ہو چکی ہے اور ایک شادی شدہ بہن ہے۔

السائل: محمد دین وعلی محمد قوم وٹو

سکنہ موسے وال نزد چک نمبر ۳۹ شریف





اگر وہ مال ان کی وراثت کا باپ سے ملا ہے اور اس پر دونوں بھائی بحصہ مساوی کام کرتے رہے اور اپنی بہن کا حق دے دیا ہے تو نصف حصہ اس کے بھائی کا ہے اور باقی نصف حصہ سے اس کی بیوی کا چوتھا حصہ ہے اور باقی تین حصوں سے ایک بہن کا اور دو بھائی کے ہیں۔

صورت ھٰذہ :-

میت ایک بھائی مسئلہ از ۴ و تصحیح بھی از ۴

ایک بھائی	ایک بہن	اور	ایک بیوی
$\frac{۲}{۴}$	$\frac{۱}{۴}$		$\frac{۱}{۴}$

اور اگر بہن کا حق پہلے نہیں دیا تو اس کا حق دے کر اسی تفصیل سے تقسیم کریں کما فی القرآن الکریم والسراجیۃ وغیرھا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وعلی الہ واصحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۷۶-۱۲-۱۶



الاستفتاء

باسمہ تعالیٰ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین بیچ اِس مسئلہ کے کہ میری بیوی کا زیور تھا یعنی ڈیڑھ تولہ سونا چالیس تولہ چاندی تھی اور اس کی ملکیت میں ایک مکان بھی تھا، وہ میرے گھر سے تقریباً سولہ سال آباد رہی، اس کے بطن سے تین بچے پیدا ہوئے، دو لڑکے ایک لڑکی، اِس کے بعد وہ رضائے الٰہی سے فوت ہوگئی ہے، زیور مذکور اور مکان کے کاغذات فوتیدگی سے پہلے ہی میرے سسرال کے گھر تھے۔ اب میرے سسرال والے کہتے ہیں کہ زیور اور مکان کا تو حقدار نہیں ہے صرف تیری اولاد حقدار ہے جب وہ بالغ ہوں گے تو پھر ہم ان کو زیور اور مکان دیں گے، تینوں بچے میرے پاس ہیں اور میں ان کی پرورش کر رہا ہوں لہٰذا شرعی طور پر وضاحت فرمائی جاوے کہ آیا واقعی میں زیور اور مکان کا حقدار نہیں ہوں یا حقدار ہوں۔



السائل: رشید احمد ولد محمد رمضان قوم تھیم، بصیر پور شریف
محلہ احاطہ الہ دین

رشید احمد بقلم خود

مؤرخہ ۲۸/۱۱/۸۰





وہ جھوٹے ہیں بلکہ رشید احمد حسب قرآنِ کریم چوتھائی کا مالک و حقدار ہے اور باقی کے لڑکے اور لڑکی وارث ہیں اور اگر اس متوفیہ کے والدین سے کوئی زندہ ہے تو وہ بھی حقدار ہیں چھٹے چھٹے حصہ کے ورنہ نہیں اور چونکہ رشید احمد اپنی اولاد کا جائز وارث اور نگران ہے تو وہ اپنی اولاد کے حصے بھی طلب کر سکتا ہے کما فی القرآن الکریم وکتب المذھب۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وعلیٰ آلہ و صحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۹-۱۱-۸۰





کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ رشید احمد کی شادی رحم کی لڑکی سے ہوئی تو رحم نے اپنی لڑکی کو جو زیور الاجہیز دیا تھا اس میں سے رشید احمد نے ۱/۲ ۱ تولہ سونا اور ۳۰ تولے چاندی اپنے ہاتھ سے مجھے دے دی ہے اور ۹ ماشے



سونا حاجی غلام محمد صاحب کے مشورہ سے ۹۵۰/۰۰ میں فروخت کر کے سب رقم اپنے پاس رکھ لی ہے۔

۲۔ جو زیور رشید احمد کے والد محمد رمضان کے لڑکی شریفاں بیگم کو شادی کے موقع پر پایا تھا اور اس کے ملک کر دیا تھا وہ زیور تقریباً سونا $1\frac{1}{2}$ اور چاندی تقریباً ۵۰ تولہ میں وہ بھی رشید احمد کے پاس موجود ہے اور شریفاں بی بی کے بطن سے ۲ لڑکے اور ایک لڑکی موجود ہے۔

۳۔ اور شریفاں بی بی کا حقِ مہر مبلغ ۱۵۰۰/۰۰ روپے ہیں جو کہ ادا نہیں کیئے گئے۔ اِس مال کے کون کون وارث ہیں؟

۴۔ مکان لڑکی کی طرف رہائش کے لیے ہم نے اپنی گرہ سے خرید کر دیا تھا جو ہمارے مِلک ہے اور اِس کے اسٹامپ بھی ہمارے ہی نام ہیں اور ہمارے پاس ہیں تو کیا لڑکی کی وفات کے بعد رشید احمد کا حق ہمارے مکان میں بھی ہے اور شریفاں بی بی کے وارث کون کون ہیں جبکہ شریفاں کی وفات کے وقت اس کا والد رحم اور والدہ اور دو لڑکے اور ایک لڑکی اور خاوند موجود تھے۔ بینوا توجروا۔

مہربان علی ولد رحم الدین بقلم خود





اگر سوال صحیح اور واقعی ہے تو رشید احمد کا حصہ شریفاں بی بی کے ترکہ



سے ایک چوتھائی ہے اور اس کے ماں باپ کا چھٹا چھٹا ہے کل ترکہ سے اور جو بچے اس کے پانچ حصے بنائے جائیں، لڑکی کا ایک اور دونوں لڑکوں کے دو دو حصے ہیں تو حسب القاعدہ یہ مسئلہ ۱۲ سے صحیح ہوگا یعنی کل ترکہ کے بارہ حصے مساوی بنا کر تقسیم کیا جائے گا صورت : ،

شریفاں بی بی مسئلہ از بارہ

میت

رحم باپ	ماں	خاوند رشید احمد	لڑکا	لڑکا	لڑکی
$\frac{۲}{۱۲}$	$\frac{۲}{۱۲}$	$\frac{۳}{۱۲}$	$\frac{۲}{۱۲}$	$\frac{۲}{۱۲}$	$\frac{۱}{۱۲}$

قرآنِ کریم اور سراجی، عالمگیری وغیرہا۔ واللہ اعلم وصلی اللہ علی حبیبہٖ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین وبارک وسلم۔



حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۵ صفر المظفر ۱۴۰۱ھ ۸۰-۱۲-۱۴

نوٹ : اس مسئلہ کا ایک استفتاء قبل ازیں بھی آیا ہے مگر اس کی اور صورت تھی۔ اور اس سوال کی صورت اور ہے تو بیرمین صاحب تحقیق کرلیں اگر یہ سوال صحیح ہے تو یہ جواب حق اور صحیح ہے اور اگر حقیقت میں اوّل صحیح ہو تو جواب وہی ہے تحقیق کرلیں اور مبلغ پندرہ صد حق مہر اگر ادا نہیں کیا گیا تو وہ بھی ترکہ میں داخل ہے اور وہی حقدار ہیں جن کا بیان ہو چکا ہے کیونکہ وہ بھی شریفاں بی بی کا مال ہے۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۵ صفر المظفر ۱۴۰۱ھ ۸۰-۱۲-۱۴



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ایک آدمی بیمار تھا اور اس نے بیماری کی حالت میں اپنی عورت کو طلاق دے دی اس نیت کی بناء پر کہ عورت کو وراثت سے محروم رکھا جائے حالانکہ اس کی عورت نے طلاق طلب نہیں کی، عورت کی عدت میں ہی یعنی ابھی پندرہ دن ہوئے تھے طلاق کو کہ وہ آدمی قضائے الٰہی سے فوت ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون! کیا اس عورت کو زوج کے ورثہ سے کوئی حصہ ملے گا یا کہ نہیں؟ اور متوفی کی کوئی اولاد نہیں، شرع کی رُو سے بیان فرمائیے، آپ حضور کی عین نوازش ہو گی۔

السائل: محمد عیسٰے ساکن جھگیاں رحموں ڈاکخانہ راجووال تحصیل دیپالپور ضلع ساہیوال



اگر صورتِ سوال صحیح اور واقعی ہے تو یہ طلاق رجعی ہے جس میں عدت پوری ہونے تک نکاح ثابت رہتا ہے تو وہ عورت اپنے خاوند کے ترکہ میں باقاعدہ حق رکھتی ہے۔ فتاوٰی عالمگیری

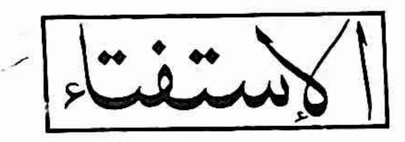


ج۲ ص ۱۰۵ اور ہدایہ ج۲ ص ۳۹۴ میں ہے و النظم من الھندیۃ الرجل اذا طلق امرأتہ طلاقا رجعیا فی حال صحتہ او فی حال مرضہ برضاھا او بغیر رضاھا ثم مات وھی فی العدۃ فانھما یتوارثان بالاجماع۔ بہرحال وہ عورت وارث ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ علی حبیبہ سیدنا محمد والہ واصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۱۰ رجمادی الاولی ۱۴۰۱ھ ۸۱-۳-۱۷





۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو اس کے مال سے شرعی لحاظ سے اس کو کتنا حصّہ مل سکتا ہے؟

۲۔ اگر خاوند اپنی صحت میں اسے کچھ ہبہ کر چکا ہو جسے اس نے قبول کر لیا ہو اور اس کے وارثوں کو بھی اس کا علم ہو، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

۳۔ شادی کے وقت عورت کے والدین نے اس کو جو مال دیا ہو، اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

نوٹ: خاوند کی دوسری بیوی سے اولاد بھی ہے اور وہ اپنے خاوند سے پہلے



فوت ہو چکی ہے۔

السائلہ : فدویہ امام بی بی زوجہ فضل دین مرحوم





۱۔ خاوند کا وہ مال جو کفن دفن اور قرض و وصیت سے بچا، اُس کا اِس میں آٹھواں حصہ ہے

۲۔ وہ عورت کا حق اور ملک ہے۔

۳۔ وہ بھی عورت کا ہی ملک ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ علی حبیبہ الاعظم وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۵ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ 69-7-1

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام دریں مسئلہ کہ شجرہ مذکورہ ذیل میں بیگاں بی بی مرحومہ کا اس کے



بھائیوں کو کیا حصہ ملے گا جب کہ اسے اس کے خاوند کی جائیداد سے نصف حصہ ملا تھا۔

بینوا توجروا۔

المکلف : حاجی شاہنواز، دیپال پور

شجرۂ نسب

منگے شاہ

- بیگاں بی بی — خاوند کرم شاہ
  - بیگاں بی بی — لاولد مرگئی ہے
  - دولاں بی بی — نور سکندر
- خدا بخش
  - احمد علی — زندہ ہے
  - محمد یار — زندہ ہے
- بکھاں بی بی — شادی شدہ ہے
- الٰہی بخش — زندہ ہے
- شاہنواز — زندہ ہے



نوٹ: سائل سے درج ذیل امور کے بارے وضاحت مانگی گئی۔

۱۔ خدا بخش کب فوت ہوا ہے

۲۔ کرم شاہ کب فوت ہوا اور دولاں بی بی

۳۔ بیگاں بیوی کو کرم شاہ کی کل جائیداد سے کتنا حصہ ملا



توسائل نے یہ جواب دیا :-

۱۔ خدا بخش ۱۹۴۹ء میں فوت ہوا ہے۔

۲۔ کرم شاہ ۱۹۳۰ء میں فوت ہوا ہے اور دولاں بی بی ۱۹۲۶ء میں فوت ہوئی تھی۔

۳۔ بیگاں بی بی کو کرم شاہ کی کل جائیداد سے نصف حصہ ملا تھا۔

۴۔ بیگاں بی بی لاولد مر گئی اور عید الضحیٰ ۱۳۷۲ھ کے روز فوتیدگی ہوئی ۲۱ ستمبر ۱۹۵۳ء۔

سائل : حاجی شاہنواز، دیپالپور





شرعاً بیگاں بی بی کا حق کرم شاہ خاوند کی جائیداد میں آٹھواں حصہ ہے اور جب لاولد فوت ہو گئی تو وہ حصہ آٹھواں بکھاں بی بی، الٰہی بخش، شاہنواز بہن بھائیوں کا ہے اور چونکہ خدا بخش پہلے فوت ہو چکا لہٰذا احمد علی، محمد یار کا کوئی حقِ وراثت نہیں اور یہ مسئلہ پانچ سے آئے گا اگر بہن بھائی حقیقی ہیں تو ورنہ حکم اور ہو گا۔

میت — بیگاں بی بی مسئلہ از ۵

الٰہی بخش	شاہنواز	بکھاں بی بی	احمد علی	محمد یار
۲/۵	۲/۵	۱/۵	×	×

اور اگر احمد علی محمد یار کے لئے وصیت ہو تو تیسرے حصے تک حسبِ وصیت لے سکتے ہیں



وذا ظاهر جدا لا یخفی علی من عندہ علم الفقہ والفتاوی۔

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ الاعظم وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ






عَصَبات

باب العصبات

الاستفتاء

مکرم ومحترم جناب مولانا نور اللہ صاحب دام قبالہٗ

السلام علیکم کے بعد واضح ہو کہ مندرجہ ذیل شجرہ نسب کا ملاحظہ فرما کر تحریر فرمادیں کہ انتقال تصدیق ہوسکے۔

روشن --- بوٹا فوت ہوا

بیوہ بوٹا زندہ ہے

خدا بخش باپ کی زندگی میں فوت ہوا

سلیمان زندہ ہے۔

اب انتقال پیش ہوا اور تحصیلدار صاحب نے بروئے شریعتِ محمدیؐ تصفیہ کرنے کی خاطر عالموں کو بلایا، انہوں نے کہا کہ متوفی کے پوتے سلیمان کے نام جائیداد کا اندراج نہیں ہوسکیگا اور روشن اسکی بیوہ کے نام انتقال کا آٹھواں حصہ ہوگا،

اب تحریر فرمادیں کہ اِس انتقال کا اندراج کس طرح ہوگا، آیا پوتا اپنے دادا کی جائیداد اراضی لے سکتا ہے یا کہ نہیں؟ مکمل تحریر فرمادیں، از حد مہربانی ہوگی کیونکہ عالموں کا اِمیں

تنازعہ ہے۔

خادم: الہ دین پٹواری، حویلی





شریعتِ غرا کے رُو سے پوتے کو لڑکے کا حکم ہے اگر میت کا لڑکا موجود نہ ہو تو، صحیح بخاری شریف ج ۲ ص ۹۹۷، صحیح مسلم شریف ج ۲ ص ۳۴، سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۳۸ وغیرہا کتبِ حدیث میں حضرتِ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی کہ حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فھو لاولی رجل ذکر۔ بخاری و بیہقی وغیرہم محققین نے اس حدیث شریف کو مسئلہ مذکورہ کی دلیل قرار دیا اور بخاری نے حضرتِ زید صحابی سے اور بیہقی نے انہی حضرتِ زید اور حضرتِ مولا علی اور حضرتِ ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نقل فرمایا ج ۶ ص ۲۳۸ میں ہے وان ترک ابن ابن ولم یترک ابنا فابن الابن بمنزلۃ الابن۔ اگر پوتا چھوڑے اور لڑکا نہ ہو تو پوتے کو لڑکے کا حکم ہے اور یہی حکم فتاویٰ عالمگیر ج ۴ ص ۴۴۸، سراجی ص ۱۴ وغیرہا کتبِ فقہ شریف میں ہے، بلکہ اس مسئلہ میں کوئی اختلافِ معتمد نہیں تو آٹھواں حصہ روشن بیوہ لوٹا کا ہے اور باقی کُل سلیمان پوتے کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۹ر شعبان المعظم ۱۳۶۸ھ



الاستفتاء

بخدمت مولانا محمد نور اللہ صاحب

السلام علیکم۔ ایک والدہ کی ۵ لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے۔ والدہ پہلے گزر چکی ہے، والد کی وفات کے بعد ایک لڑکے اور پانچ لڑکیوں کا اس کے ترکہ میں اسلامی قواعد کی رُو سے کس قدر حصہ بنتا ہے اور اس کے بعد لڑکے کی آمدنی سے اس کی پانچ ہمشیرہ کا کس قدر حق ہے، واپسی جواب سے مشکور فرمائیں۔



جنابِ من! وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ۔

چند ایام ہوتے جناب کا عنایت نامہ موصول ہوا مگر مدرسہ کے ضروری امور میں مشغول ہونے کی وجہ سے جواب میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی۔ والد کی وراثت شرعاً جبکہ صرف پانچ لڑکیاں اور ایک لڑکا وارث ہوں۔ کفن دفن دَین و وصیتِ شرعیہ کی تنفیذ کے بعد جو مال بچے، سات حصے بنایا جائے



ان سات سے ایک ایک لڑکیوں کا اور دو لڑکے کے ہیں اور جب لڑکیوں نے اپنا شرعی حق وصول کر لیا تو لڑکے کی آمدنی میں ان کا کوئی حق نہیں البتہ اگر کوئی لڑکی نادار ہو جائے اور کوئی ذریعۂ معاش نہ رہے تو مالدار بھائی پر لازم ہے کہ اس کے نان و نفقہ کا انتظام اپنے مال سے کرے اور ایسے ہی اگر لڑکا نادار ہو جائے اور بوجہ مرض وغیرہ کسب پر قادر نہ ہو تو حسب دستورِ شرع بہنوں پر اس کا خرچ لازم ہوگا بلحاظِ شرائطِ شرعیہ۔ والسلام

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں کہ تقریباً تین سال ہوئے مسمّٰی بوٹا فوت ہوا جس کا لڑکا مسمّٰی خدا بخش پہلے فوت ہو چکا تھا اور خدا بخش کا لڑکا سلیمان، بوٹا مذکور کا پوتا اور بوٹا کی بیوی مسمّاۃ روشن وارث ہے مگر چونکہ قانونِ وراثتِ شرعیہ نیا نیا پاس ہوا تھا لہٰذا بوجہ ناواقفی کل زمین بوٹا متوفی کی؛ اس کی بیوی مسماۃ روشن کے نام انتقال کی گئی، اب روشن مذکورہ بھی فوت ہو گئی اور اس کا وارث صرف ایک پوتا سلیمان مذکور ہے اور کوئی لڑکا لڑکی ماں باپ نہیں مگر پوتے کے نام انتقال کے متعلق شبہ کیا جا رہا ہے کہ مستحق نہیں تو دریافت یہ بات ہے کہ آیا اس صورت میں پوتا سلیمان اپنے دادے بوٹا اور دادی روشن کا وارث جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائلہ:

مسماۃ لالاں از حویلی







بلا گنجائش شک وشبہ و ریب از روئے احکام قرآنِ کریم وحدیث شریف وفقہ منیف صورت مذکورہ بالا میں مسمی سلیمان جائز وحقیقی وارث دادے اور دادی دونوں کا ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ دادے کی جائیداد کے سات حصّوں کا وارث ہے اور آٹھواں دادی کا تھا جو پہلے زندہ تھی اور اب دادی بھی فوت ہوگئی تو اس کے کل مال وجائیداد کا وارث ہے، افسوس کہ ایسے آسان اور ظاہر مسائل میں بھی شبہات پیش کئے جاتے ہیں، قرآنِ کریم سورۃ النساء میں ہے للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون۔ دادے اور دادی کا جب لڑکا نہ ہو تو وہ اپنے پوتے کے الاقربون میں داخل ہوتے ہیں تو لامحالہ پوتا وارث ہوگا۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۷، صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴، سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۳۸ وغیرہا کتبِ حدیث میں حدیث شریف مرفوع ہے الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فلاولی رجل ذکر، پوتے سے زیادہ نزدیک اور کون ہے، جب اس کا باپ فوت ہو چکا اور چچا تایا نہ ہو تو، اور یہی حکم فتاوٰی عالمگیر ج ۴ ص ۴۴۷، سراجی ص ۱۴ وغیرہا کتبِ مذہب میں ہے۔ الحاصل اب سلیمان پوتا اکیلا ہی کل وراثت کا مستحق ہے۔

واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ والہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ کے بارہ میں کہ مسمی عبدالغنی ولد مستقیم قوم بھٹہ ساکن اَجاّ بھٹہ فوت ہوگیا ہے اور بعد میں دو لڑکے اور تین لڑکیاں چھوڑیں جنمیں سے دو لڑکے اور ایک لڑکی ایک بیوی سے ہیں اور دو لڑکیاں ایک بیوی سے ہیں، اب متوفی مذکور کی جائیداد کس طرح تقسیم کی جاوے، جواب لکھ کر ممنون فرمادیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔ بینوا توجروا۔

۲۴ محرم الحرام ۷۱ھ





حسبِ دستورِ شرعِ مطہر باقی جائیداد وغیرہ لڑکوں اور لڑکیوں میں تقسیم ہوگی بایں طور کہ لڑکے کا حصہ لڑکی سے دگنا ہوگا تو کل سات حصے بنائے جائیں، دو دو دونوں لڑکوں کے اور ایک ایک تینوں لڑکیوں کا

مسئلہ از ۷ عبدالغنی

میت

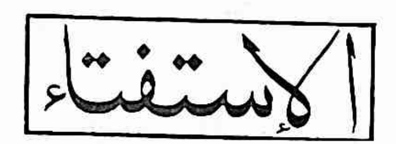
لڑکا لڑکا لڑکی لڑکی لڑکی

الگ الگ ہونے کا کچھ اعتبار نہیں۔ قرآن کریم میں ہے للذکر مثل حظ الانثیین۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد

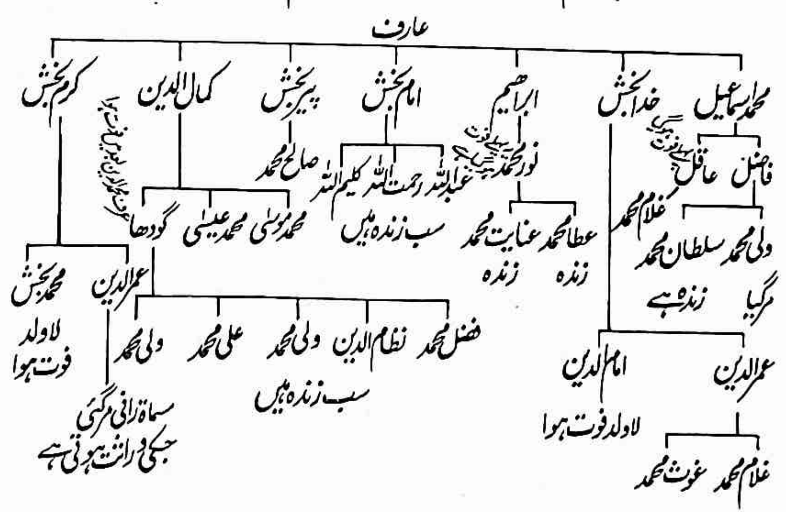
وآلہ واصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ





کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین اندریں صورت کہ مسماۃ رانی بیوی عمرالدین فوت ہوگئی، بموجب شجرہ نسب ذیل عمرالدین ولد کرم الدین کی جائیداد عارضی طور پر از روئے قانون انگریزی مسماۃ رانی کے نام منتقل ہوچکی تھی اب کس طرح پر تقسیم ہوگی؟ بینوا ماجورین۔



نوٹ : محمد اسماعیل، ابراھیم، پیر بخش، کرم بخش ایک والدہ کے بطن سے ہیں اور خدا بخش، امام بخش، کمال الدین کی والدہ جدا ہے۔

السائل : صالح محمد بقلم خود





اندریں صورت مسماۃ رانی بیوہ عمر الدین متوفی کا چوتھا حصہ ہے جو آپ مسماۃ مذکورہ کے وارثوں کا حق بن چکا ہے اور باقی کل صرف صالح محمد ولد پیر بخش حقیقی عمزاد متوفی کا حق ہے کہ وہی عصبہ قریب ہے کہ پیر بخش اور کرم بخش حقیقی بھائی ہیں اور چونکہ خدا بخش، امام بخش، کمال الدین سوتیلے بھائی ہیں لہٰذا ان کے لڑکے صالح محمد قریب ترین کے ہوتے ہوئے وارث نہیں بن سکتے قرآن کریم میں ہے للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون فتاوےٰ عالمگیر ج ۶ ص ۴۵۴ میں ہے ثم ابن العم لاب وام ثم ابن العم لاب نیز قرآن کریم میں ہے و لهن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد، فتاوی عالمگیر ج ۶ ص ۴۰۴ میں ہے و للزوجۃ الربع عند عدمهما، حسب ذیل

عمر الدین ولد کرم بخش مسئلہ از ۴

میت

بیوی رانی	حقیقی عمزاد صالح محمد	عمر الدین	رحمت اللہ	عبداللہ	کلیم اللہ	گودھا (پسران اعمام علاتی)
۱	۳	×	×	×	×	×

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہ و



صحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۳۷۱ھ
۲ جمادی الاولیٰ

الاستفتاء



از چک نمبر 5/D ہاموں نو آباد

مکرم و معظم مولانا مولوی نور اللہ صاحب بصیر پوری دام اقبالہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ : مزاج شریف

عرض یہ ہے کہ رقعہ ہٰذا آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ یہ چار بھائی ہیں اور تین بہنیں ہیں اور ان کی والدہ صاحبہ ان سب سے علیحدہ اپنے گھر والی تھی، ان کے زندہ سے انہوں نے اپنا مال اسباب علیحدہ کیا ہوا تھا۔ حضورِ انور! اس چیز کو سمجھ کر فرمادیں تو ہمیں خود پتہ ہے کہ والدہ علیحدہ تھی۔

منجانب جیون خاں بذریعہ رحمت اللہ خاں نمبردار القلم خود

مورخہ 2/7/52

مسمّٰی اسماعیل پاولی نے زبانی بیان کیا کہ ہم سب حقیقی بہن بھائی ہیں اور مدّت ہوئی کہ ہمارا باپ فوت ہوا اور سامان زیورات وغیرہ ہماری والدہ کے پاس تھا، اب وہ بھی فوت ہوگئی تو وہ مالِ متروک کس طرح تقسیم کیا جائے؟





صورتِ مسئولہ میں سب بہن بھائی حقدار اور وارث ہیں، لڑکوں کے دو دو حصے اور لڑکیوں کا ایک ایک حصہ، قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین، مسئلہ گیارہ سے آئیگا، حسبِ ذیل ہے :

مسئلہ از ۱۱

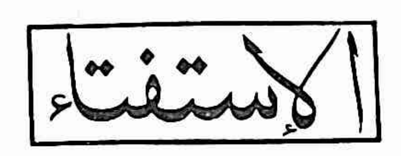
میت

لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۲	۲	۲	۲	۱	۱	۱

- واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہٖ وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۷۱ھ



کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں کہ محمد فاضل خاں کے



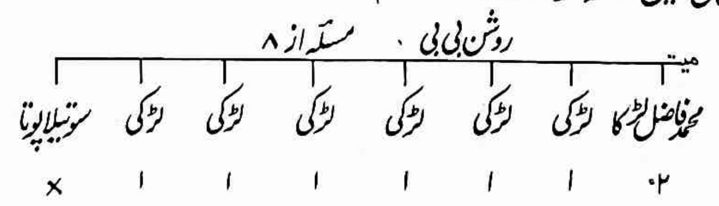
باپ میاں جمال الدین خاں نے اس کی والدہ مسماۃ روشن بی بی کو اراضی ہبہ کرکے قبضہ
دے دیا، اب روشن بی بی کے فوت ہونے پر ہبہ شدہ اراضی سے محمد فاضل کا سوتیلا بھتیجا اور
چھ حقیقی بہنیں وراثت کا مطالبہ کرتے ہیں، واضح طور پر بیان فرماکر کرم نوازی فرمائیں۔

السائل : محمد فاضل خاں





سائل نے زبانی بیان کیا کہ جمال الدین خاں پہلے فوت ہوا اور مسماۃ روشن بی بی
کے والدین بھی پہلے فوت ہو چکے تھے تو شرعاً روشن بی بی کے وارث صرف محمد فاضل لڑکا اور چھ
لڑکیاں ہیں اور سوتیلے لڑکے کے لڑکے کا (جو محمد فاضل کا سوتیلا بھتیجا سوال میں بیان کیا گیا ہے)
کوئی حق نہیں مسئلہ آٹھ سے آئے گا ھکذا :



قرآن کریم میں ہے للرجال نصیب مما ترك الوالدان والاقربون وللنساء
نصیب الآیۃ نیز قرآن کریم میں ہے للذکر مثل حظ الانثیین۔ واللہ تعالیٰ اعلم



وصلی اللہ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۹ر ذی الحجۃ المبارکہ





۸۰ گھماؤں زمین کا مالک

محمد بخش ولد خدا بخش قوم راجپوت کھوکھر سابقہ سکنہ پٹی ضلع لاہور حال راجہ جنگ

الٰہی بخش (لاولد گیا) — علی بخش — نبی بخش — کرم بخش

الٰہی بخش: متبنّٰی گلاب خاں

علی بخش: دارے خاں، گلاب خاں، نامدار خاں

نبی بخش: نواب خاں، چراغ خاں

نواب خاں: لاولد گیا — بیوہ عطا بیگم مرچکی ہے

چراغ خاں: لال خاں — لاولد فوت ہوگیا

نامدار خاں: محمد شریف، محمد ادریس

گلاب خاں: فضل خاں (زندہ ہے)، دین محمد (زندہ ہے)

دارے خاں: عزیز خاں، رمضان خاں

کرم بخش: سلابت خاں، سراج خاں، فیروز خاں، تاج خاں

(چاروں بھائی زندہ ہیں)

محمد بخش کا شجرہ موجودہ اولاد (تک) اوپر تحریر کرکے عرض ہے کہ ان میں سے بتفصیلِ ذیل



مر چکے ہیں، باقی زندہ ہیں۔ پہلے محمد بخش پھر سادہ بیگم بیوہ محمد بخش پھر الٰہی بخش پھر علی بخش پھر نبی بخش پھر کرم بخش پھر گلاب خاں پھر دارے خاں پھر چراغ خاں پھر لال خاں پھر نواب خاں پھر نامدار خاں فوت ہو چکے ہیں جو ۱۹۴۴ء سے پہلے پہلے مر چکے ہیں۔ اب سلابت خاں، سراج خاں، فیروز خاں، تاج خاں ولد کرم بخش زندہ ہیں اور اب یہ زندہ ہیں :

محمد شریف، محمد ادریس	عزیز خاں، رمضان خاں	فضل خاں، دین محمد
پسرانِ نامدار خاں	پسرانِ دارے خاں	پسرانِ گلاب خاں



اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ جب لال خاں فوت ہوا تو اس کی کل جائیداد اس کے نابالغ نواب خاں کے نام منتقل ہوئی اور نواب خاں کی فوتیدگی کے بعد کل جائیداد اس کی بیوہ عطا بیگم کے نام حسبِ دستورِ انگریزی عارضی طور پر منتقل ہوئی، بعد ازاں عطا بیگم فوت ہوئی اور اس کا کوئی رشتہ دار نہیں رہا تھا تو اب اس جائیداد کا وارث کون ہے؟

سائل : فیروز خاں ولد کرم بخش از راجہ جنگ ضلع لاہور

۱٦ $\frac{۳}{۵۵}$



عطا بیگم بیوہ نواب خاں، نواب خاں کی جائیداد کے $\frac{۱}{۴}$ چوتھائی کی حقدار تھی اور باقی $\frac{۳}{۴}$ حصے سلابت خاں وغیرہ پسرانِ کرم بخش کا حق تھا کہ چچا زاد بھائی ہیں اور فضل دین وغیرہ



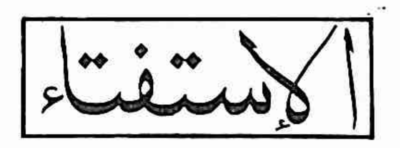
جو نانا یا زاد بھائیوں کی اولاد ہیں، محروم ہیں۔ سراجیہ ص ۴۴ میں ہے یرجحون بقرب الدرجۃ۔ حدیث شریف میں ہے فھو لاولی رجل ذکر (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۳) قرآن کریم میں ہے مما ترك الوالدان والاقربون (سورۃ النساء) اور جب انگریزی قانون کے ماتحت کل جائیداد عارضی طور پر عطا بیگم کے نام منتقل ہوئی تو اب اس عارضہ اٹھ جانے کے بعد تین حصے جو سلابت خاں وغیرہ کا حق تھا، انہیں لزوماً ملنے چاہئیں اور باقی ایک حصہ جو عطا بیگم کا اصل حق تھا اور اس کا کوئی رشتہ دار نہیں رہا تھا، اگر حکومت وہ حصہ نواب خاں کے ورثہ کو ہی دے تو اس کے وارث بھی وہی سلابت خاں وغیرہ ہونگے کہ وہی قریبی عصبات ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہ واصحابہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۰ رجب المرجب ۷۲ھ ۵۵/۳/۱۶ بروز منگل





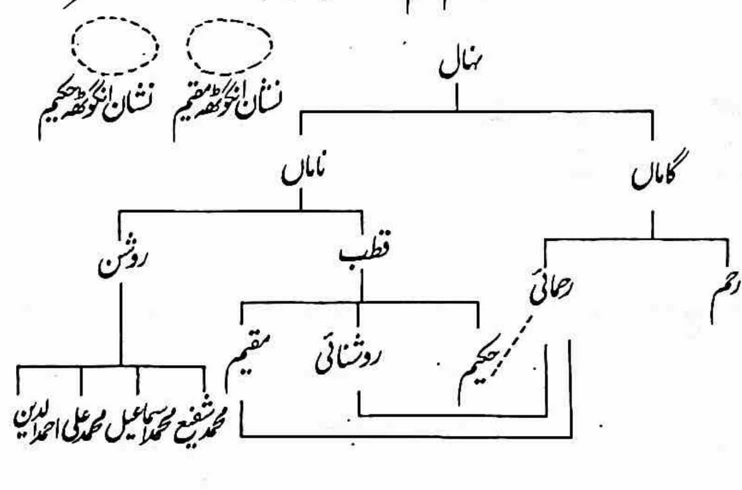
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سائلان مسمی حکیم ومقیم پسران قطب ایک ہماری بہن ہے جس کا نام روشنائی ہے، ہمارا چچا رحم ولد گاماں مرحوم اپنی اراضی ۱۳ ایکڑ چھوڑ کر راہی ملک عدم ہوا ہے اور اس جائیداد کے زیادہ حقدار ہم ہیں علاوہ ازیں مرحوم کی بہن مساۃ رحمانی جو کہ ہماری والدہ ہے مرحوم کے ساتھ شجرہ اس طرح ملتا ہے جو میں آگے درج کرونگا



مخالف پارٹی احمد دین، محمد علی، محمد اسماعیل و محمد شفیع ہیں، ان کو مذکورہ سے دو حصے ملے ہیں اور ہمیں ایک حصہ ملا ہے جو سراسر ظلم پر مبنی ہے۔ مخالفین کے نام پٹواری حلقہ و تحصیل مذکورہ میں جو سرکاری شجرہ نسب ہے اس میں ان کا نام درج نہیں ہے، نہ ہی ان کے نام زمین۔

آپ نوازش فرما کر حوالہ قرآن و حدیث نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق دیکر عنداللہ ماجور ہوں، شجرہ مندرجہ ذیل ہے :۔

السائلان: حکیم و مقیم ولد قطب، چک $\frac{34}{4\text{-L}}$ تحصیل اوکاڑہ ضلع منٹگمری





آپ نے یہ ذکر نہیں کیا کہ رحم کی بہین رحمائی اور چچازاد بھائی قطب اور روشن بوقت



وفات رحم زندہ تھے یا ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں تھا۔ اگر یہ سب یا ان میں سے کوئی زندہ تھا تو یہ تقسیم غلط ہے اور کسی پر ظلم بھی ہوا مگر جب یہ سب رحم سے پہلے فوت ہو چکے ہوں اور سوال سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے تو یہ تقسیم صحیح ہے اس لئے کہ حکیم، مقیم، احمد الدین، محمد دین، محمد علی، محمد اسماعیل، محمد شفیع رحم کے عصبات ہیں اور رحم کے دادے نہال کے پرپوتے ہونے میں برابر ہیں اور ایسے ہی رحم کے چچا ناماں کے پوتے ہونے میں بھی کوئی فرق نہیں ہے تو یہ سب کے سب برابر حقدار ہوئے اور رحم کی کل جائداد کے چھ حصے بنے اور ہر ایک کو ایک ایک حصہ ملا۔ قرآن کریم میں ہے للرجال نصیب مماترك الوالدان والاقربون (النساء) اور رحم کی اقربیت ان سب کے لئے برابر ہے اور متفق علیہ حدیث میں ہے لاولی رجل ذکر اور اس صفت میں بھی یہ سب یکساں ہیں اور فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے واذا اجتمع جماعة من العصبة فی درجة واحدة یقسم المال علیهم باعتبار ابدانهم لا باعتبار اصولهم مثاله ابن اخ وعشرة بنی اخ اخر او ابن عم وعشرة بنی عم اخر المال بینهم علی احد عشرة سهما لكل واحد سهم اور ردشانی کا بھائیوں کی موجودگی میں کوئی حق نہیں، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے وباقی العصبات ینفرد بالمیراث ذكورهم دون اخواتهم اور ایسے ہی بھانجے ہونے کی حیثیت بھی عصبات کے ہوتے ہوئے معتبر نہیں کہ بھانجہ ذوی الارحام سے ہے اور ذوی الارحام کا حق عصبات سے بہت پیچھے ہے فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے واولاد الاخوات كلها اور اسی میں ہے وانما یرث ذووالارحام اذا لم یكن احد من اصحاب الفرائض ممن یرد علیه ولم یكن عصبة اور سرکاری شجرۂ نسب میں نام کا درج ہونا شرط وراثت نہیں، کسی آیت یا حدیث سے اس کا ثبوت نہیں اور اسی طرح وارث کے نام پہلے سے زمین کا ہونا بھی شرط نہیں، عموماً اولاد کے نام زمین



---

[1] ج ۶ ص ۴۰۸ [2] ایضاً

نہیں ہوتی اور باپ زمیندار کے وارث بنتے رہتے ہیں، ایسی فضول باتوں سے یہ انصاف ظلم نہیں بن سکتا۔ آپ لوگوں کو انگریزوں کے کافرانہ قانون سے دھوکہ لگا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و اصحابہ و بارک و سلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۲۷ رجب المرجب ۱۳۷۵ھ بروز اتوار



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے دین کہ ایک آدمی کی دو بیویاں ہیں، ایک سے ایک لڑکا ہے دوسری سے دو لڑکے ہیں، باپ کے مرنے کے بعد وراثت تقسیم ہوگئی، تین حصہ پر ان کی والدہ کو بھی مل گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد جو دو بھائی ہیں ان میں سے ایک مرجاتا ہے تو اس کی وراثت کے مالک دونوں بھائی ہیں یا کہ ایک جو اس کا سگا بھائی، اگر سگا بھائی مالک ہے، کسطرح مسئلہ ہے دوسرا بھی تو اس کا بھائی ہے۔ مہربانی فرما کر جلدی جواب دیویں، تاکید ہے۔ والسلام

السائل : اصغر علی بقلم خود

۲۵-۳-۵۶







شرعاً سگے بھائی کے ہوتے ہوتے سوتیلا بھائی وارث نہیں بن سکتا۔ حضرتِ مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے کئی سندوں کے ساتھ سننِ ابنِ ماجہ ص ۲۰۱، سننِ ترمذی ج ۲ ص ۳۰ سننِ بیہقی ج ۶ ص ۲۳۲ میں حدیثِ مرفوع وارد ہے جس کا خلاصہ بکلماتِ منفاربہ یہ ہے الرجل یرث اخاہ لابیہ وامہ دون اخیہ لابیہ یعنی مرد اپنے حقیقی بھائی کا وارث ہوتا ہے سوا سوتیلے کے۔ ترمذی ج ۲ ص ۳۱ میں فرماتے ہیں والعمل علی ھٰذا الحدیث عند اھل العلم۔ سراجیہ ص ۱۱، فتاوٰی عالمگیر ج ۴ ص ۴۰۴ میں ہے والنظم للسراجی ویسقط بنو العلات ایضا بالاخ لاب وام۔ سراجیہ ص ۱۴، شریفیہ ص ۳۹، فتاوٰی عالمگیر ج ۴ ص ۴۰۴ میں ہے والنظم للاولیین ان ذا القرابتین من العصبات اولی من ذی قرابۃ واحدۃ مع تساویھما فی الدرجۃ کہ دو رشتوں والا عصبہ ایک رشتے والے سے زیادہ مستحق ہوتا ہے باوجود ایک درجہ ہونے کے اور اس کی مثال یہ دی کالاخ لاب وام فانہ مقدم علی الاخ لاب اجماعا (ترجمہ) جیسے بھائی ماں باپ سے اس بھائی سے مقدم ہے جو صرف باپ سے ہو ہاں اگر سگا بھائی مسلمان نہ ہو یا مرنے والے کا قاتل ہو تو سوتیلا ہی وارث ہوگا۔

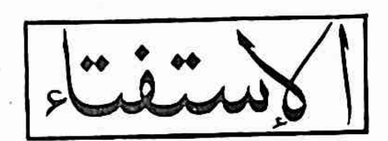
واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ وآلہ واصحابہ



وبارک و سلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۳ شعبان المعظم ۱۳۷۵ھ ۲۷/۳/۵۶

(نوٹ) صرف خط کشیدہ عبارت سوال کا جواب ہے کہ حقیقۃً سوال ہی وہی ہے۔



الاستفتاء



از کیڑیانوالی ۵۷-۸-۶ مکرمی جناب مولانا مولوی نور اللہ صاحب

السلام علیکم کے بعد واضح ہو کہ یہاں سب خیریت ہے، امید ہے کہ آپ بھی خیریت سے ہوں گے۔ عرضِ احوال یہ ہے کہ مسمیٰ دونا، سرون، فتح محمد کہ یہ تین سگے بھائی ہیں۔ دونا اور سرون ایک مائی کے پیٹ سے ہیں اور فتح محمد دوسری مائی کے پیٹ سے ہے کیونکہ ان کے والد صاحب کا نام کندا تھا، اس کے گھر دو عورتیں تھیں جو کہ سرون ہے وہ فوت ہو چکا ہے، اس کے ہاں لڑکا نہیں بلکہ لڑکیاں چھ ہیں اور سرون کی زوجہ ابھی تک زندہ ہے اور سرون کی زمین کا جھگڑا پیدا ہو گیا ہے، دونا یہ کہتا ہے کہ سرن اور میں دونوں ایک مائی کے پیٹ سے ہیں کہ سرون کی زمین کا میں حقدار ہوں اور فتح الدین نہیں ہے۔ ان کا آپس میں برادری کا جھگڑا ہو گیا ہے اور ان کا مقدمہ عدالت تک پہنچ چکا ہے اس لئے آپ کے پاس یہ رقعہ ارسال ہے کہ مولوی صاحب شرعی فیصلہ بذریعہ قرآن کریم سے ان کا فیصلہ کیا جاوے۔ عین نوازش ہو گی۔ رمضان اور



غلام ولد فتح الدین آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔
ازطرف سردار باقر خاں نمبردار سکنہ کیڑ بانوالی (دستخط سردار مذکور باقر خاں)





مسمّی سردن کے وارث اس کی چھ لڑکیاں اور زوجہ اور مسمّی دو نابرادر حقیقی ہیں اور مسمّی فتح محمد وارث نہیں بن سکتا، آٹھواں حصہ ترکہ کا حسبِ دستورِ شرع زوجہ کا ہے اور دو تہائی چھ لڑکیوں کا اور باقی سب صرف دونا کا ہے، قرآن کریم میں ہے فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم الآیۃ ۔ فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک ۔ للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منہ او کثر (سورۃ النساء) صحیح بخاری ج ۲، ص ۹۹۷ تا ۹۹۹، صحیح مسلم ج ۲، ص ۳۴ وغیرہا کتبِ حدیث میں باسانیدِ متکاثرہ و کلماتِ متقاربہ حضور پرنور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے الحقوا الفرائض باھلھا فما ترکت الفرائض فلاولی رجل ذکر۔ ترمذی شریف ج ۲ ص ۳۱، سننِ دارمی ص ۳۹۶ سننِ دارقطنی ج ۲ ص ۴۶۱، سننِ بیہقی ج ۶ ص ۲۳۲ میں بالفاظِ متقاربہ حضور پرنور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے وان اعیان بنی الام یرثون دون بنی العلات الرجل یرث اخاہ لابیہ وامہ دون اخیہ لابیہ ۔ ترمذی فرماتے ہیں والعمل علیٰ ھٰذا الحدیث



عند اهل العلم۔

ان سب احادیث کا حکم یہ ہے کہ حقیقی بھائی کے ہوتے ہوئے وہ بھائی جس کی ماں الگ ہو، وارث نہیں ہو سکتا۔ فتاوٰی عالمگیر ج ۴ ص ۴۰۴، مبسوط ج ۲۹ ص ۱۴۷ میں ہے ثم الاخ لاب وام ثم الاخ لاب و مثلہ فی السراجیۃ ص ۱۴۔ اس کا بھی وہی حاصل تو دونا کے ہوتے ہوئے فتح محمد جس کو سوال میں فتح الدین بھی لکھا گیا ہے، وارث نہیں ہو سکتا۔

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ وصحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ ۱۳ محرم الحرام ۷۷ھ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص مسمّٰی فتح الدین فوت ہوا اور اس کے پانچ پوتے زندہ ہیں حالانکہ فتح الدین کا صرف ایک ہی لڑکا تھا جو پہلے فوت ہو چکا ہے نیز فتح الدین کی بیوی بھی پہلے فوت ہو چکی ہے نیز اس کے بھائی اور بہنیں بھی پہلے ہی فوت ہو چکی ہیں، نہ ہی کوئی لڑکی تھی تو اس کی وراثت کے کون حقدار ہیں۔ متوفی کے والدین بھی کافی عرصہ کے فوت ہو چکے ہیں۔

سائل : حق نواز ولد غلام محمد مرحوم

مورخہ ۸/۱۱/۵۹



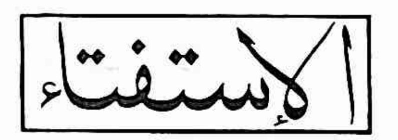


بلاشک وشبہ وریب ایسے متوفی کے وارث پوتے ہوتے ہیں کہ وہی عصبات ہیں،
سراجیہ ص ۱۴، فتاویٰ عالمگیر ج۴ ص ۴۰۴ میں ہے (والنظم من الهندية) اقرب العصبات الابن ثم ابن الابن۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ
مورخہ ۸ جمادی الاولیٰ ۷۹ھ مطابق ۱۰/۱۱/۵۹





مکرمی محترمی حضرت علامہ مفتی ابوالخیر محمد نوراللہ صاحب

السلام علیکم۔ مزاجِ گرامی!

مسماۃ ہاجران بیگم

نذر محمد خاں ۲/۳ حصہ — مسماۃ سائران بیگم ۱/۳ حصہ

نذر محمد خاں: عاشق محمد خاں، حشمت اللہ خاں

مسماۃ سائران بیگم: احمد علی خاں



مسماۃ ہاجراں بیگم نے زید کے پاس مبلغ چھ صد روپیہ بطورِ امانت رکھے، ۱۹۴۶ء میں مسماۃ مذکورہ کا انتقال ہوگیا، چونکہ مسماۃ مذکورہ کی کوئی اولاد نہیں تھی لہٰذا ان کی جائداد مسماۃ مذکور کے بھائی نذر محمد خاں کو دو حصّہ اور مسماۃ مذکور کی بہن مسماۃ سائراں بیگم کو ایک حصہ پہنچی، اس کے علاوہ جو کچھ زیور اور نقد روپیہ مسماۃ نے چھوڑا تھا وہ بھی بقدرِ حصہ دونوں کو ملا۔ عاشق محمد خاں کا انتقال ۱۹۴۷ء میں اپنے والد نذر محمد خاں کی حیات میں ہوگیا اور نذر محمد خاں نے اپنے پوتے یعنی عاشق محمد خاں کی اولاد کے نام اپنی زندگی میں کوئی جائداد نہیں کی۔ نذر محمد خاں کے انتقال کے بعد ان کی کل جائداد ان کے لڑکے حشمت اللہ خاں کو پہنچی۔ مسماۃ سائراں بیگم کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے احمد علی خاں کو جائداد پہنچی جو امانت مسماۃ ہاجراں نے زید کے پاس بطور امانت چھ صد روپیہ رکھی تھی، اس کو زید نے اب ۱۹۶۰ء میں ظاہر کی اور اس میں سے مبلغ دو صد پچاس روپیہ حشمت اللہ خاں ولد نذر محمد خاں کو دئے اور مبلغ دو صد پچاس مقصود احمد خاں ولد عاشق محمد خاں کو دئے اور مبلغ یکصد روپیہ مصرفِ خیر میں خرچ کے لئے رکھے۔

مہربانی فرماکر اس عقدہ کو حل فرمادیں کہ زید اس امانت کو جو مسماۃ ہاجراں بیگم نے چھ صد روپیہ بطور امانت رکھے تھے، کیسے کیسے خرچ کرسکتا ہے اور یہ رقم کن کن ورثا کو پہنچتی ہے؟ مشکور ہوں گا۔ فقط

احقر العباد احمد علی خاں مرادآبادی، حال ساکن موضع اسد اللہ پور ۱۰-۴-۶۰





مقصود احمد خاں مسماۃ ہاجرہ بیگم کا وارث نہیں اور نہ ہی اپنے دادے نذر محمد خاں کا

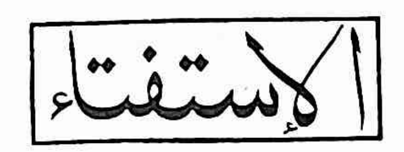
وارث بن سکتا ہے تو اسے ۲۵۰ روپیہ دینا جائز نہیں بلکہ نذر محمد خاں اور مسماۃ سائرہ بیگم کے انتقال کے وقت ان کے جو جو وارث تھے انہی کا پہلی تقسیم کے مطابق حق ہے یعنی نذر محمد خاں کے وارثوں کے ۲/۳ حصے اور مسماۃ سائرہ بیگم کے وارثوں کا ۱/۳ حصہ ہے تو احمد علی خاں کو (جو اپنی والدہ کا وارث ہے) بھی حصہ ملنا چاہیے البتہ یہ دیکھ لیا جائے کہ اگر ہاجرہ بیگم کا خاوند یا والدین یا کوئی اور بھائی بہن ہو تو پہلی تقسیم بدل جائے گی اور یہ امانت بھی اسی لحاظ سے تقسیم ہو گی اور یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ نذر محمد خاں کی بیوی یا لڑکی یا کوئی اور لڑکا جو اس کے انتقال کے وقت موجود ہو تو وہ بھی حقدار ہو گا اور یونہی سائرہ بیگم کے متعلق دیکھ لیا جائے کہ اس کے انتقال کے وقت اس کا خاوند یا کوئی اور لڑکی یا لڑکا تو موجود نہیں تھے ورنہ حکم بدل جائے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔



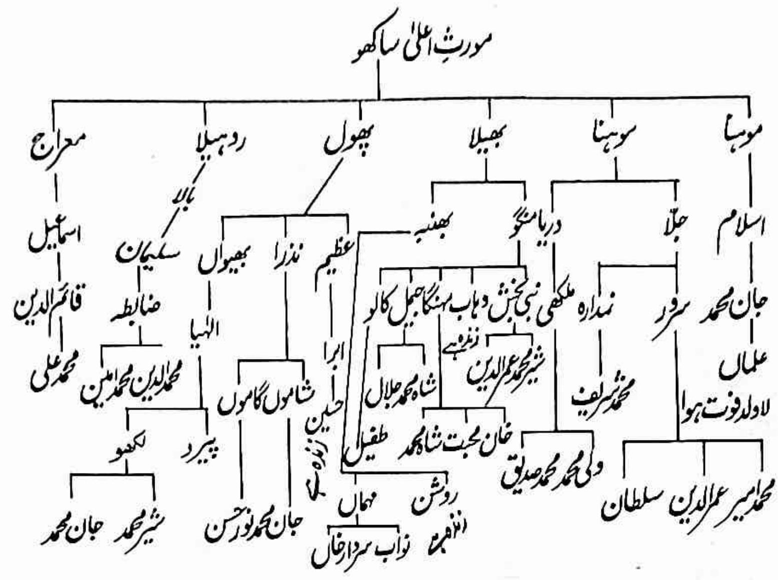
حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۶/شوال المکرم ۹ ۷ ھ



الاستفتاء

نقل شجرہ نسب انتقال ۲۹ موضع بنجری پور تحصیل دیپالپور





نوٹ: مسمّٰی روشن ولد بھنبہ اور مسمّٰی دہاب ولد منگو بیان کرتے ہیں کہ مورثِ اعلیٰ ساکھو کے لڑکے مسمّیان موہنا، سوہنا وغیرہ ایک ہی بیوی کے بطن سے تھے اور یہ کہ مسمّٰی علماں لاولد کی وفات سے پہلے اس کا باپ جان محمد اور اس کے اوپر والے تمام عصبات فوت ہو چکے تھے اور مسمّٰی جان محمد کے ہم درجہ عصبات میں سے صرف مسمّیان سرور، نمدارہ، دہاب، مہنگا، جمیل، کالو، روشن، مہماں، شاموں، گاموں زندہ تھے اور یہ کہ مسمّٰی علماں کی والدہ بھی پہلے فوت ہو چکی تھی اور یہ کہ اس کی صرف ایک بہن تھی جو اس سے پہلے فوت ہو چکی تھی۔

نشان انگوٹھا مسمّٰی روشن مذکور ⬭ نشان انگوٹھا مسمّٰی دہاب مذکور ⬭

نوٹ: سائل نے غلطی سے مہماں کو زندہ لکھوا دیا تو جوابِ ذیل لکھا گیا مگر دوسرے دن گواہ لیکر آیا کہ وہ مردہ تھا تو نوٹ مندرجہ بالا کے بجائے نوٹ مندرجہ ذیل لکھایا تو اس جواب میں ترمیم کرنی پڑی جو تصحیح سے ظاہر ہے۔

ابوالخیر النعیمی غفرلہٗ







اگر شجرۂ نسب اور ذیلی نوٹ صحیح اور واقعی ہے تو تمام اشخاص مندرجہ بالا مسمّٰی علماں کے نسبی عصبات ہیں مگر ان میں سے وارث صرف وہی نو شخص ہیں جو علماں متوفی کے والد جان محمد کے ہم درجہ ہیں یعنی جان محمد کی طرح مورثِ اعلیٰ ساکھو کے پرپوتے ہیں جو بوقتِ وفاتِ علماں متوفی زندہ تھے اور یہ بھی واضح کہ شرعاً اِن نو شخصوں کے حصے مساوی ہیں مثلاً جتنا حصہ مسمّٰی سرور کو ملے گا اتنا ہی مسمّٰی وہاب کو ملے گا تو یہ مسئلہ ۹ سے صحیح آئے گا حسبِ ذیل :

علماں مسئلہ از ۹

میت

گاموں (نسبی عصبات)	شاموں	روشن	کالو	جمیل	ٹھنگا	وہاب	نمدارہ	سرور
$\frac{1}{9}$	$\frac{1}{9}$	$\frac{1}{9}$	$\frac{1}{9}$	$\frac{1}{9}$	$\frac{1}{9}$	$\frac{1}{9}$	$\frac{1}{9}$	$\frac{1}{9}$

اور چونکہ مسمّیان ملکھی، نبی بخش، مہماں، ابرا، الٰہیا، سلیمان، قائم الدین، مسمّٰی علماں سے پہلے فوت ہو چکے تھے تو وہ اس کے وارث نہیں ہو سکتے لہٰذا وہ سب اور ان کی اولادیں محروم ہیں، ان سب کے لڑکے مسمّٰی ولی محمد وغیرہ مسمّی سرور وغیرہ کی نسبت دور کے عصبہ ہیں تو نزدیکی عصبات کے ہوتے ہوئے محروم ہوں گے، قرآنِ کریم میں ہے للرجال نصيب مما ترك الوالدان والاقربون اور حدیثِ متفق علیہ میں ہے فلاولی رجل ذکر سراجیہ ص ۱۴ میں ہے الاقرب فالاقرب۔ فتاویٰ عالمگیری ج ۶ ص ۴۴۸، ۴۴۹ میں ہے



واذا اجتمع جماعة من العصبة فى درجة واحدة يقسم المال عليهم باعتبار ابدانهم لا باعتبار اصولهم مثاله ابن اخ و عشرة بنى اخ اخر او ابن عم و عشرة بنى عم اخر المال بينهم على احد عشر سهما لكل واحد سهم۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۲۰ ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ مطابق یکم اکتوبر ۱۹۶۱ء



نوٹ : مسمّٰی عمر الدین ولد نبی بخش حلفیہ بیان کرتا ہے کہ مورثِ اعلیٰ ساکھو کے لڑکے مسمیان موہنا، سوہنا وغیرہ ایک ہی بیوی کے بطن سے تھے اور یہ کہ مسمّاۃ علماں لاولد کی وفات سے پہلے اس کا باپ جان محمد اور اس سے اوپر والے تمام عصبات فوت ہو چکے تھے اور مسمّٰی جان محمد کے ہم درجہ عصبات میں سے صرف مسمیان سرور، نمدارہ، دہاب، مہنگا، جیمل، کالو، روشن، شامول، گامول زندہ تھے اور یہ کہ مسمّاۃ علماں کی والدہ اور بہن بھی پہلے فوت ہو چکی تھیں اور یہ کہ وہ شادی شدہ نہ تھا تو اس کی وراثت کے کون کون حقدار ہیں؟

بینوا توجروا۔

السائل : عثمان غنی ولد سلطان سوکھیرا از ٹھٹھہ منصف متصل علاقے کے ۲-۱۰-۶۱

مؤرخہ ۶۲-۲-۲۷ کو مسمّٰی روشن ولد بھنبہ کو لکھ دیا ہے کہ ہم نے مؤرخہ ۶۱-۱۰-۲ کو فتویٰ مسمّٰی عثمان غنی ولد سلطان کو دیا ہے اور صرف ایک ہی فتویٰ دیا ہے جس میں مسمّٰی روشن ولد

بھتیجے کو وارث بحصہ مساوی لکھا ہے ۱۲

ابوالخیر النعیمی غفرلہٗ
۶۲-۲-۲۷

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ زید کی دو بیویاں تھیں اور دونوں سے اولاد ہے، ایک بیوی اس کے حینِ حیات میں فوت ہو گئی جس سے دو لڑکیاں ہیں، بعدازاں زید فوت ہوا تو دوسری بیوی کے نام شرعی حصہ ⅛ منتقل ہوا مگر اب وہ بھی فوت ہو گئی ہے اور اس کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں موجود ہیں اور والدین پہلے ہی فوت ہو چکے ہیں تو اس کی اراضی کس طرح تقسیم ہو گی؟ بینوا توجروا۔

السائل: خوشی محمد مختیار میاں محمد احمد خاں، سکنہ بونگہ صالح





اس کی اراضی کے چھ حصے ہوں گے، دو دو حصے لڑکوں کے اور ایک ایک صرف



اس کی اپنی لڑکیوں کا، قرآن کریم میں ہے فللذکر مثل حظ الانثیین۔
واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ
وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۳-۹-۱۲

الاستفتاء

شجرۂ نسب

روشن

گاموں (فوت شدہ قبل از پاکستان) — قاسو

گاموں: صابو (فوت شدہ قبل از پاکستان)، فتا

فتا: مسماۃ عمری (حیات ہے)

صابو: علیا ← فتا، صابو، علیا

علیا: اسمٰعیل (حیات ہے)، رحمت علی (حیات ہے)، حشمت علی (حیات ہے)

قاسو: عمر الدین (تازہ متوفی)، مسماۃ بیگی، مسماۃ زیناں، مسماۃ سائراں

مسماۃ بیگی: مسماۃ زینب (حیات ہے)

مسماۃ زیناں: لڑکا (حیات ہے)، لڑکا (حیات ہے)

مسماۃ سائراں: مسماۃ عمری (حیات ہے)

استفسار : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ عمرالدین فوت ہوگیا ہے اور اس کی نہ اولاد ہے اور نہ ہی بیوی ہے اور اس کی ہر سہ ہمشیرگان قبل از پاکستان ہی فوت ہوگئیں تھیں۔ مندرجہ بالا شجرہ کی روسے متوفی عمرالدین کی جائداد بقداران بازگشت میں بروئے شریعت کسطرح تقسیم ہوگی جبکہ بقداران بازگشت اہل سنت والجماعۃ عقیدہ سے تعلق رکھتے ہیں

حشمت علی بقلم خود حجرہ شاہ مقیم محلہ مدھانوالہ تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری ۲۶-۱۰-۶۳





شرعاً اس شجرۂ نسب کی روسے متوفی عمرالدین کے وارث اس کے چچا گاموں کے تین پرپوتے مسمّیان اسماعیل، رحمت علی، حشمت علی ہی ہیں کہ یہی عصبہ ہیں اور مسماۃ زینب وغیرہا سب محروم ہیں کہ عصبہ نہیں اور نہ ہی ذوی الفرائض سے ہیں، سراجی ص ۴ میں ہے ثم بالعصبات من جهة النسب نیز اسی میں ہے وعند الانفراد یحرز جمیع المال نیز ص ۱۴ میں ہے جزء جده الاقرب فالاقرب پھر اسی میں ہے ثم جزء جده ای الاعمام ثم بنوهم وان سفلوا۔

یہ مسئلہ حسب القواعد "۳" سے آئیگا اور "۳" سے ہی صحیح ہوگا حسبِ ذیل :

عمرالدین مسئلہ از ۳ صحیح نیز از ۳

میت

اسماعیل	رحمت علی	حشمت علی
۱/۳	۱/۳	۱/۳



واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

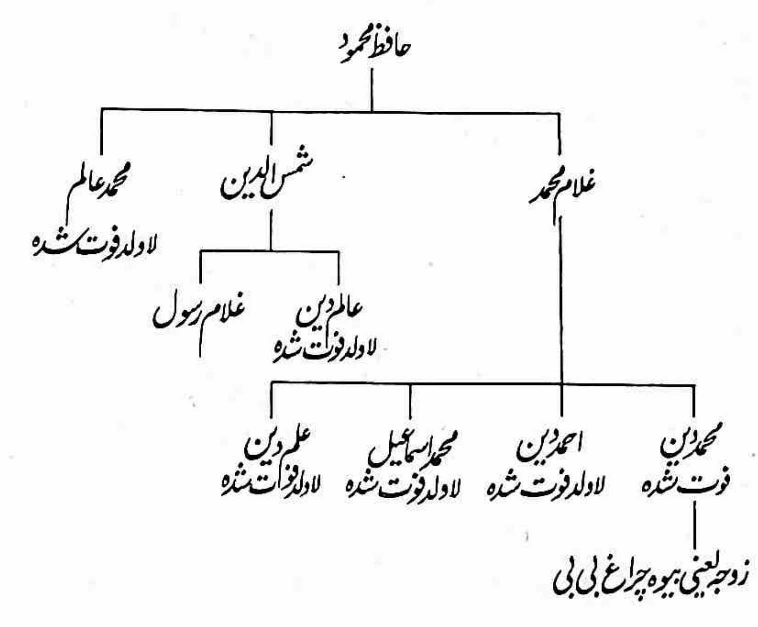
حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۶۳-۱۱-۱





الاستفتاء





کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے کرام و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ شریف میں کہ صورتِ مسئولہ جو شجرہ ہذا میں دی گئی ہے کہ غلام محمد کی فوتگی کے وقت ان کے بھائی اور اولاد میں سے کوئی بھی زندہ موجود نہ تھا، صرف غلام رسول (غلام محمد کا حقیقی بھتیجا) اور مسماۃ چراغ بی بی بیوہ محمد دین (غلام محمد کی بہو) موجود تھے حالانکہ محمد دین اپنے والد صاحب کی زندگی میں فوت ہو گیا تھا، اس کی اپنی کوئی جائداد نہ تھی۔ گورنمنٹ برطانیہ کے قانون کے مطابق ۱۹۲۴ء میں غلام محمد کی ساری جائداد اور محمد عالم کی نصف جائداد مسماۃ چراغ بی بی کے نام منتقل ہو گئی جو تا نکاح ثانی یا حینِ حیات رہتی تھی، بدستور ۱۹۲۴ء سے لے کر ۱۹۶۶ء تک مسماۃ چراغ بی بی اس جائداد سے زرعی فائدہ حاصل کر رہی ہے لہٰذا دریافت طلب امر ہے کہ مسماۃ چراغ بی بی کے فوت ہو جانے کے بعد از روئے شریعتِ محمدیہ علیہ التحیۃ والثناء ارشاد فرمائیں کہ غلام محمد کے حقیقی بھتیجے غلام رسول کے ہوتے ہوئے جائداد مذکور کسی اور کو بھی ملے گی یا نہیں؟ اس کی تقسیم کس طرح ہو گی؟ بیّنوا توجروا۔

بحوالہ کتب مفصل تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔

سائل: میاں غلام رسول مقام وڈاکخانہ بگیہ دھرد جیو تحصیل کھاریاں ضلع گجرات ۳/۱۹۶۶





ظاہرِ سوال اور حال یہ ہے کہ متوفی غلام محمد کے والدین اور دادا دادی بھی اس سے پہلے فوت ہو چکے تھے تو ایسی صورت میں صرف غلام رسول ہی اس کا عصبہ اور وارث ہے، قرآنِ کریم



میں ہے والاقربون (سورۃ النساء) اور حدیثِ پاک میں ہے لاولی رجل ذکر (بخاری وغیرہ) سراجیہ ص ۱۴ میں ہے ثم جزء ابیہ ای الاخوۃ ثم بنوھم اور یوں ہی باقی کتبِ فقہیہ فتاوٰی عالمگیری وغیرہ میں ہے اور مسماۃ چراغ بی بی ہرگز ہرگز وارث نہیں، اس کا غلام محمد کے ساتھ کوئی ایسا رشتہ یا قرابتِ نسبیہ یا سببیہ نہیں رہی جو وارث بنا سکے کسی آیت یا حدیث یا کسی امام کے قول میں یہ نہیں کہ بہو اپنے سُسر کی وارث ہے اور نہ ہی برطانوی قانون وارث بناتا تھا بلکہ یہ ظالمانہ قانون صرف اس کی زندگی یا نکاح تک گذرِ اوقات کے لئے تھا اور اب یہ بھی نہیں، حکومتِ پاکستان نے وہی شرعی قانونِ وراثت اپنایا ہوا ہے۔

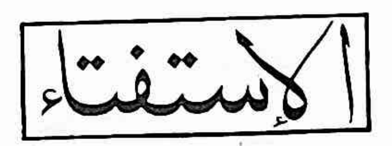
واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاکرم وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔



حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۰ ذی القعدۃ المبارکہ ۱۳۸۵ھ

۱۳-۲-۶۶



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین کہ شجرہ ہٰذا کا مسمّٰی کرم فوت ہوا تو اسکی کل اراضی اس کے لڑکے محمد یونس کے نام منتقل ہوئی اور محمد یونس کے فوت ہونے کے بعد اس اراضی کا انتقال جنت کے نام ہو گیا حالانکہ محمد یونس کی وفات کے وقت مسمی کرم الٰہی فوت ہو چکا



- مستقیم
  - کالا
  - اللہ دتہ
    - روشن دین
      - کرم بھری (زندہ)
      - جنت (زندہ)
      - کرم الٰہی
        - محمد اسلم
      - محبوب الٰہی (زندہ)
  - رمضان
    - بوٹا
      - کرم
        - محمد یونس (متوفی)
  - امام الدین
  - امیر

تھا اور محبوب الٰہی اور کرم بھری زندہ تھے تو کیا مسمیٰ محمد اسلم کا اِس اراضی میں کوئی حقِ وراثت ہے یا نہیں؟

نوٹ: سائل نے زبانی بیان کیا کہ سماۃ جنت مسمیٰ کرم کی بیوی اور محمد یونس کی ماں ہے۔

بینوا توجروا۔

السائل: محبوب الٰہی از دیپالپور



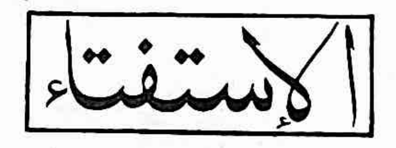
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

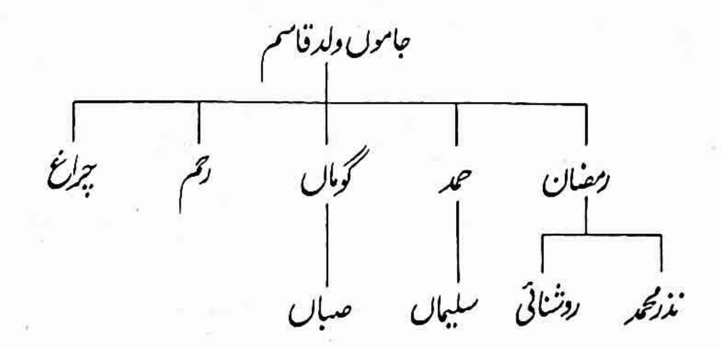
وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاکرم وآلہ واصحابہ مع التسلیم

شرعاً محمد یونس کے وارث اس کی ماں مسماۃ جنت اور محبوب الٰہی عصبہ ہیں
کرم بھری اور محمد اسلم محروم ہیں، محبوب الٰہی اقرب (یعنی محمد یونس کا زیادہ قریبی ہے) اور محمد اسلم
ایک درجہ دور ہے لہٰذا وہ حقدار نہیں ہوسکتا۔ قرآنِ کریم میں ہے فلامه الثلث نیز
فرمایا للرجال نصیب مما ترك الوالدان والاقربون اور حدیثِ متفق علیہ
میں ہے لاولی رجل ذکر فتاویٰ عالمگیر ج ۴ ص ۴۰۵ میں ہے فالاقرب یحجب
الابعد۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاکرم والہٖ
واصحٰبہٖ وبارك وسلم۔



حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ
مؤرخہ ۱۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۷ھ ۲۱-۹-۶۷









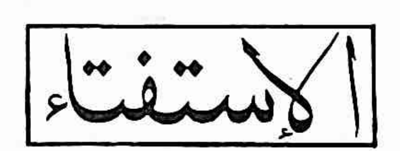
متوفی رحم کے وارث صرف نذر محمد اور سلیمان بھتیجے ہی ہیں کما فی الحدیث المتفق علیہ والسراجیۃ وغیرھا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد والہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۵ ذی القعدۃ المبارکہ ۱۳۸۹ھ ۲۳/۱/۷





بخدمت جناب قبلہ وکعبہ غوثی وغیاثی سیدی ومرشدی الحاج ابوالخیر محمد نوراللہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ:

بعدازیں اس جگہ خیریت ہے اور آپ کی خیریت خداوندِ کریم سے نیک مطلوب ہوں،



بعد ازیں گذارش ہے کہ دو آدمی ہماری طرف سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں کہ ان کا آپس میں وراثت کا جھگڑا ہے جان محمد اور چانن خاں کا جو ان کا باپ تھا سارنگ ولد بلندا ان کا نام تھا، اس کے گھر ایک عورت تھیں، اس کے ۲ ولڑکے تھے چانن اور جان محمد، ان کی والدہ زندہ تھیں، اس کے بعد اس نے بھتیجے کی عورت زبردستی سے اپنے گھر رکھ لی، حاجی سراجدین سے کہا کہ اس کا نکاح نہیں جائز اور ہم نہیں کرتے اس نے بے نکاح اپنے گھر وہ عورت رکھی، اس میں سے ایک لڑکی ہے، وہ وراثت کا دعوٰی کرتی ہے، کیا ان کا نکاح حق ہے یا نہیں۔ مہربانی فرما کر مسئلہ تحریر فرماویں، یہ ہمارے زمیندار ہیں، اس میں کوئی ناجائز کی بات نہیں۔

آپ حضور کی عین نوازش ہوگی فقط۔ السلام علیکم دست بستہ عرض کرتا ہوں۔

آپ حضور کا خادم:

اللہ بخش ولد حاجی سراجدین

چک ۵۵ D تحصیل دیپالپور ضلع ساہیوال





اگر سوال صحیح ہے تو سارنگ کے وارث صرف اس کے دو لڑکے جان محمد اور چانن ہیں، حرام زادی لڑکی وارث نہیں، ھکذا :



میت

سارنگ، مسئلہ از دو

جان محمد	چانن	حرام زادی لڑکی
$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	×

کذا فی القرآن الکریم والحدیث والفقہ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ علیٰ حبیبہٖ وعلیٰ آلہٖ و اصحٰبہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۳ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ   ۸۰-۲-۱۱



الاستفتاء



کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین بیچ اس مسئلہ کے کہ مسماۃ امیری بی دختر علی اکبر قوم بھلیرڈن ساکن جیٹھ پور کی شادی فضل محمد ولد عبدالحق قوم مغل جو غطہ آج سے تقریباً ۳ سال بیشتر ہوئی تھی۔ فضل محمد مذکور ۱۲ ایکڑ کا مالک تھا، اس نے اپنی شادی سے تین روز قبل اپنی ملکیتی اراضی اپنی بیوی مذکورہ کے نام رجسٹری کروا دی جس کا عدالتی ثبوت موجود ہے۔ فضل محمد فوت ہو گیا اور اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ بعد ازاں امیری بی بھی فوت ہو گئی۔

شریعتِ مطہرہ اور قرآن پاک کی رُو سے اراضی مذکورہ کے کون حقدار ہیں، اس وقت امیری بی مذکورہ کے والدین فوت ہو چکے ہیں، اس کے ایک بھائی اور بہن ہیں۔

محمد اسلم ولد علی اکبر







اگر یہ سوال صحیح ہے کہ امیر بی بی کے وارث صرف ایک بھائی اور بہن ہی ہیں اور کوئی وارث نہیں تو وہی بہن بھائی حقدار ہیں، بھائی کے دو حصے اور بہن کا ایک حصہ جبکہ یہ بہن بھائی امیر بی بی کے باپ کے لڑکا اور لڑکی ہیں جیسے سائل کے وکیل صوفی محمد علی صاحب نوری ولد عبدالکریم صاحب ساکن بصیر پور نے زبانی بیان کیا ہے تو یہ مسئلہ تین سے آئیگا جو صحیح طور پر تقسیم ہو جاتا ہے، یوں :-

امیر بی بی مسئلہ از تین

میت

محمد اسلم بھائی	خورشید بیگم بہن
$\frac{2}{3}$	$\frac{1}{3}$

کما فی کتب المذھب المھذب الحنفی والھندیۃ والسراجیۃ وغیرھا۔

واللہ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

نوٹ : قبل ازیں بھی مسئلہ اوکاڑہ سے مرزا بشیر احمد صاحب نے بھیجا تھا جس میں نسب وغیرہ کا تفصیلی ذکر تھا اور یہ بھی لکھا کہ محمد اسلم اور خورشید بیگم امیر بی بی کے باپ اور ماں کے اولاد نہیں ہیں مگر اس



سوال میں یہی کہا گیا ہے کہ علاتی بہن بھائی ہیں تو اگر واقعی علاتی ہیں تو جواب مندرجہ بالا صحیح ہے۔

واللہ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۵ رجب المرجب ۱۴۰۰ھ ۸۰-۶-۹

الاستفتاء



بخدمت جناب حضرت الحاج ابوالخیر مولانا محمد نور اللہ صاحب نعیمی مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

جناب عالی

گذارش ہے کہ سائل کو قانونِ وراثت شرعی کے مطابق فتاویٰ کی از حد ضرورت ہے، برائے مہربانی فتاویٰ صادر فرما کر مشکور فرمائیں۔ شجرۂ نسب مندرجہ ذیل ہے:۔

۱۔ مسمّی قمر دین ۱۹۵۹ء میں فوت ہوا، اس کے نام پر زرعی اراضی تھی۔

۲۔ مسمّی عبد المالک پسر قمر دین مسمّی قمر دین کی زندگی ہی میں ۱۹۴۶ء میں فوت ہوا۔

۳۔ مسمّی قمر دین کی فوتیدگی کے بعد انتقالِ وراثت مسماۃ بخشائی بیوہ، محمد منشا پسر، مسماۃ صفیہ بیگم دختر، مسماۃ ملیحہ بیگم دختر اور مسماۃ عرشاں بیگم دختران قمر دین منظور ہو گیا۔

۴۔ اب مسمّی عبد المالک کی بیوہ نے ۱۹۷۶ء میں اے سی صاحب پاک پتن کی عدالت میں اپیل انتقال دائر کی جو کہ مورخہ ۳۱/۸/۸ کو خارج ہو گئی۔

۵۔ ازاں بعد پنچائت نے حقوقِ وراثت کا مطالبہ کیا جس میں طے پایا کہ اگر قانونِ شریعت کے مطابق

مسماۃ صداں بیوہ عبدالمالک اور مسماۃ عطیہ بیگم دختر عبدالمالک حق دار ہوں تو اس پر عمل کیا جاوے اور اگر قانون شریعت کے مطابق نہ ہوں تو پھر وہ حقِ وراثت سے محروم رہیں گی،
(شجرہ ملاحظہ ہو)

قمر دین

مسماۃ بخشائی بیوہ — عبدالمالک پسر — محمد منشا پسر — صفیہ بیگم دختر — ملیحہ بیگم — عرشان بیگم دختر

عبدالمالک:
مسماۃ صداں بیوہ — مسماۃ عطیہ بیگم دختر عبدالمالک

لہٰذا بذریعہ درخواست ہٰذا استدعا کرتا ہوں کہ بموجب قانون وراثت فتاویٰ جاری فرما کر مشکور فرماویں نوازش ہوگی۔

المرقوم ۸۰-۸-۱۷

عرض

فدوی محمد منشا ولد قمر دین ذات بلوچ ساکن موضع جگا بلوچ تحصیل پاکپتن ضلع ساہیوال



شرعاً قانونِ وراثت کے مطابق صداں بیوہ عبدالمالک اور عطیہ بیگم دختر عبدالمالک کا کوئی حق نہیں کیونکہ عبدالمالک قمر دین سے پہلے فوت ہونے کے باسبب قمر دین کا وارث



نہیں تو صداں اور عطیہ کا حق کیسے بنے؟ صرف محمد منشا وغیرہ ہی وارثِ قمر دین ہیں لہٰذا سابقہ انتقال صحیح ہو چکا ہے۔ فتاویٰ عالمگیر ج ۴ ص ۴۰۴ میں ہے فاقرب العصبات الابن الخ قرآنِ کریم میں ہے للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون (پ ۴ سورۃ النساء) اور حدیث شریف بخاری و مسلم وغیرہما میں بھی ہے ما ابقت اصحٰب الفرائض فھو لاولیٰ رجل ذکر او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم۔

واللہ اعلم وصلی اللہ علیٰ حبیبہٖ سیدنا ومولانا محمد وآلہٖ واصحٰبہٖ اجمعین وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۵ رشوال المکرم ۱۴۰۰ھ ۸/۸۰/۱۷





۷۸۶/۹۲

از کندھ کوٹ۔
۲۵ رجب المرجب ۱۴۰۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے چار لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں، وہ اپنی ملکیت کس طرح تقسیم کرے؟ ہر ایک کا حصہ کیا ہوگا؟ اور کس قسم کی ملکیت تقسیم کرے جبکہ گھر کی جگہ اور ایک پرزے بنانے اور مرمّت کرنے کا کارخانہ اور کچھ زمین اس کی ملکیت ہیں مفصل تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

السائل: حاجی غلام حسین مغل، کندھ کوٹ







اگر صرف یہی وارث ہیں تو بارہ حصے بنا کر ہر ایک لڑکے کے دو حصے اور ہر ایک لڑکی کا ایک حصہ ہے، قرآنِ کریم میں ہے للذکر مثل حظ الانثیین (سورۃ النساء) اور اگر کوئی اور وارث ہے تو اس کے ظاہر کرنے پر جواب دیا جا سکتا ہے مگر وراثت فوت ہونے کے بعد جاری ہوتی ہے ابھی کیا پتہ کہ کوئی لڑکی یا لڑکا ہو جائے یا کسی عورت سے نکاح کرے تو وہ بھی وارث ہوگی۔

بہر حال جو چیز مرنے والے کے مِلک میں ہو تو اس میں وراثت جاری ہوتی ہے

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۶ شعبان المعظم ۱۴۰۱ھ ۹-۶-۸۱



ذوی الارحام

باب ذوی الارحام



کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمّی محمد علی فوت ہوا اور اس کا کوئی رشتے دار موجود نہیں، صرف دو اس کی خالہ کے لڑکے ہیں تو اس کا وارث شرعاً کون ہے؟

بینوا توجروا من رب العلمین۔

سائل: عطا محمد موضع دریا ڈھنگ متصل عارف والہ ضلع منٹگمری



صورتِ مسئولہ میں متوفی محمد علی کے وارث قریبی دو خالہ زاد بھائی ہیں کہ خالہ کی اولاد ذوی

الارحام سے ہے اور ذوو الارحام بھی بالترتیب الشرعی وارث ہوا کرتے ہیں۔ فتاوٰی عالمگیر، درالمختار ردالمحتار، فتاوٰی سراجیہ میں ہے ثم ذوی الارحام نیز کتب مذکورہ وغیرہا میں ہے والنظم من الھندیۃ والاخوال والخالات واولادھم۔ شریفیہ شرح سراجیہ میں ہے وبنت الخالۃ وابنہا اولیٰ من بنت بنت الخالۃ وابن بنتہا تو وہ دونوں بھائی دفن کفن، وصیت وقرض سے بچے ہوئے ترکے کو نصف و نصف کرلیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

نوٹ: سائل نے بعد میں بتایا کہ خالہ زاد تین بھائی ہیں، غلطی سے دو لکھائے ہیں تو وہ تینوں بھائی ترکہ برابر تین حصّے کرلیں کہ وہ تینوں وارث ہیں۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۲۷ محرم الحرام ۱۳۶۷ھ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمّی لعل خان ولد دلدار خان لاولد فوت ہوا، اس کا شجرہ نسب حسبِ ذیل ہے:

عہ ج۶ ص ۴۰۳ عسہ ج۵ ص ۶۶۹ سہ ص ۴

- بہموں
  - روکنا
    - محمد
      - النور
  - بوکن
    - ممند
      - سلطان
      - بشیر
      - غلام
      - رحمٰن
    - سمند
      - جلال
      - فاضل
    - سماعیل
      - امیر
      - شبیر
      - جہانگیر
      - رمضان
      - دریام
  - شاماں
    - ملّا
      - سردارا
        - لعل خاں

انگریزی قانون کے مطابق انتقالِ اراضی بنام ساماں والدہ لعل خاں ہوا اور اس کے فوت ہونے کے بعد مسماۃ روشن دادی لعل خاں کے نام ہوا اور اس کی فوتیدگی پر مسماۃ گاماں اور مسماۃ صاحبزادی دختران ملّا کے نام انتقال کیا گیا حالانکہ روکنا اور بوکن کے وارث مذکور موجود تھے۔

نوٹ : سائلوں نے ایک وارثہ مسماۃ فجاں دختر ساماں والدہ لعل خاں کا ذکر نہ کیا حالانکہ وہ بھی ولد الام اور وارث ہے ۱۲

ابوالخیر غفرلہٗ



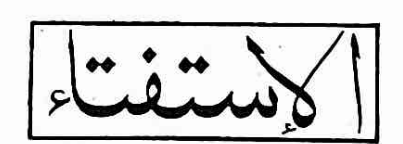
مسماۃ روشن دادی گاماں کے ہوتے ہوئے شرعاً کوئی حق نہیں، فتاوٰی عالمگیر ج۴ ص ۴۰۵، سراجیہ ص ۱۳ میں ہے والنظم من السراجیۃ ویسقطن کلھن بالام

اور ایسے ہی مسماۃ گاماں اور مسماۃ صاحبزادی کے ہوتے ہوئے پھوپھیوں کا کوئی حق نہیں کہ پھوپھی ذوی الارحام سے ہے
فتاوٰی عالمگیر ج ۴ ص ۴۰۸، سراجیہ ص ۳۵ میں ہے وھم العمات اور ذوی الارحام کا حق
ماں اور عصبات کے ہوتے ہوئے قطعاً نہیں۔ فتاوٰی عالمگیر ج ۴ ص ۴۰۳، سراجیہ ص ۴ میں ہے،
ثم ذوی الارحام بلکہ صرف مسمّاۃ ساماں اور مسماۃ فجاں اخت للام اور انور وغیرہ اولاد نرینہ
روکنا اور لوکن کا حق تھا۔ فتاوٰی عالمگیر ج ۴ ص ۴۰۴، سراجیہ ص ۱۲ میں ہے وثلث الکل عند عدم
هٰؤلاء المذکورین نیز فتاوٰی عالمگیر ج ۴ ص ۴۰۴ و سراجیہ ص ۱۵ میں ہے ثم فی اعمام جدہ
لہٰذا یہ انتقال بنام گاماں اور صاحبزادی شرعاً محض غلط اور ناجائز قابلِ فسخ ہے بلکہ عصبات غیر محجوب جو
بوقت وفات لعل خاں موجود تھے، ان کا حق ہے جو مسماۃ ساماں والدہ اور مسماۃ فجاں اخت للام سے
بچے وہ عصبات غیر محجوب لعل خاں کا حق ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ
تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمّد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ





جنابِ عالی!
گذارش ہے، شجرہ نسب مشمولہ پیش بحضور انور ہے، وراثت کا فتوےٰ درکار ہے
المستفتی: حافظ محمد منشا قوم نارو خطیب جامع مسجد چک ۱۱ تحصیل و ضلع وہاڑی



خدابخش مورثِ اعلیٰ (۱)

غلام قادر (۲) — اللہ بخش (۵) — چراغ دین (۶) — بشیر محمد (۱۵)، منور حسین (۱۶)، محمد صدیق (۱۷)

ستار بخش (۳) — قائم دین (۴) (اولاد نرینہ ندارد)

دختر غلام فاطمہ (۷) — زوجہ عبدالحق (۸)

زوجہ سیداں نمبر ۲ (۹) — محمد علی (۱۰)، نذر محمد (۱۱)، تاج محمد (۱۲)

فضل محمد (۱۳) (اولاد ندارد)

امیراں بی بی زوجہ فضل محمد (۱۴) — محمد اسلم (۱۸)، خورشید بیگم (۱۹) - امیراں بی بی کا بھائی اور بہن ظاہر کرتے ہیں

۱۔ مورثِ اعلیٰ خدابخش تھا۔

۲۔ خدابخش کے دو بیٹے (غلام قادر ۲) (ستار بخش ۳) تھے۔

۳۔ غلام قادر نمبر ۲ ایک لڑکا اللہ بخش تھا۔

۴۔ ستار بخش نمبر ۳ کا لڑکا قائم دین تھا مطابق نقشہ نمبر ۴

۵۔ قائم دین کی اولاد نرینہ نہ تھی صرف دو لڑکیاں غلام فاطمہ ۷ اور غلام عائشہ تھیں، غلام عائشہ باپ کی موجودگی میں فوت ہو گئی۔

۶۔ قائم دین کی لڑکیان غلام فاطمہ کے بطن سے ایک لڑکا فضل محمد تھا، مطابق نقشہ نمبر ۱۳

۷۔ فضل محمد کے والد نے فضل محمد کی والدہ غلام فاطمہ کی موجودگی میں دوسری شادی کرلی مطابق نقشہ نمبر ۹

۸۔ عبدالحق کی دوسری بیوی سیداں کے بطن سے تین لڑکے ہیں ۱۔ محمد علی ۲۔ نذر محمد



۳۔ تاج محمد، مطابق نقشہ ۱۰، ۱۱، ۱۲

۹۔ قائم دین نمبر ۴ نے اولاد نرینہ نہ ہونے کی وجہ سے ۱۹۱۰ء میں اپنی اراضی غلام فاطمہ نمبر ۷ کے نام ہبہ کر دی۔

۱۰۔ اللہ بخش نمبر ۵ نے دعویٰ استقرار یہ سول جج ساہیوال کی عدالت میں دائر کر دیا چنانچہ مطابق فیصلہ سول جج اراضی واپس قائم دین کے نام انتقال ہو گئی۔

۱۱۔ اللہ بخش ۵ ۱۹۱۹ء کو فوت ہو گیا۔

۱۲۔ قائم دین نے اراضی دوبارہ غلام فاطمہ نمبر ۷ کے نام ہبہ کر دی، چراغ دین بوجہ فوتیدگی والد اللہ بخش (و بوجہ فوتیدگی دو پسران) بیک وقت بیمار ہو گئے اور دعویٰ استقراریہ کرنے سے معذور رہے۔

۱۳۔ غلام فاطمہ نمبر ۷ نے اراضی اپنے لڑکے فضل محمد کے نام ہبہ کر دی۔

۱۴۔ فضل محمد نمبر ۱۳ نے کچھ اراضی مشروط طور پر بطور گذارہ اپنی منسوبہ (ہونے والی بیوی) امیر بی بی کے نام منتقل کر دی۔



۱۵۔ امیر بی بی ۱۴ کے باپ کا کوئی علم نہیں کون تھا کیونکہ اس کا باپ کمسنی میں مر گیا تھا۔

۱۶۔ امیر بی بی کی ماں نے (مسماۃ خورشید بیگم و مسمّٰی محمد اسلم) کے باپ سے نکاح ثانی کیا، گویا امیر بی بی کا رشتہ (خورشید بیگم اور محمد اسلم سے) نہ ماں سے تعلق رکھتا ہے۔ نہ باپ سے۔

۱۷۔ فضل محمد اپنی ماں کی زندگی میں فوت ہو جاتا ہے، فضل محمد نمبر ۱۳ کی کوئی اولاد نہ تھی، وراثت اس کی والدہ نمبر ۷ کے نام منتقل ہو جاتی ہے۔

۱۸۔ غلام فاطمہ ۷ جب فوت ہوئی تو وراثت بذریعہ انتقال (نمبر ۴۱۷ مورخہ 56-8-19)



نصف چراغ دین نمبر ۶، نصف عبدالحق نمبر ۸ کے نام لگی۔

۱۹۔ فضل محمد ۱۳ نے بطور گذارہ شادی ہونے سے قبل امیر بی بی ۱۴ کے نام لگوائی تھی۔

۲۰۔ امیر بی بی ۱۴ کے بطن سے کوئی اولاد نہیں، امیر بی بی ۱۴ کا اس کی ماں اور باپ کے بطن سے کوئی بھائی، بہن، چچا، باپ، دادا، دادی وغیرہ کوئی ایک بھی نہیں۔

۲۱۔ بشیر محمد ۱۵، منور حسین ۱۶، محمد صدیق ۱۷ نے دعوٰی استقراریہ دائر کیا ہے۔

۲۲۔ امیر بی بی فوت ہوگئی ہے اس لئے ساری اراضی جو اس کے نام تھی انہیں ملنی چاہئے۔

۲۳۔ محمد اسلم ۱۸، خورشید بیگم ۱۹ جو نہ تو امیر بی بی ۱۴ کے والد کے بطن سے ہیں نہ امیر بی بی ۱۴ کی کی ماں کے بطن سے ہیں۔

۲۴۔ محمد علی ۱۰ نذر محمد ۱۱ تاج محمد ۱۲ امیر بی بی کے خاوند فضل محمد سے تعلق ظاہر کرتے ہیں۔

۲۵۔ چونکہ اراضی غلام فاطمہ کی ہے اس لئے وراثت کا فیصلہ کرنا ہے کون حقدار ہے جبکہ غلام فاطمہ اور قائم دین ۴ کا وارث ۱۵ نمبر ۱۶، نمبر ۱۷ ہیں۔

۲۶۔ اراضی قائم دین کی ہے، قائم دین کی آخری یادگار امیر بی بی ۱۴ فوت ہوگئی ہے قائم دین کے خون کا رشتہ دار سوائے نمبر ۱۵، ۱۶، ۱۷ کے کوئی موجود نہیں لہٰذا وراثت کا حقدار کون ہے؟ فتوٰی درکار ہے۔





فضل محمد ۱۳ نے جو اراضی اپنی منسوبہ امیر بی بی کے نام نکاح سے پہلے منتقل کرائی



تو ظاہر یہی ہے کہ ملکیت ہی کا انتقال تھا اور فضل محمد کی کل اراضی کا جو اس کی ملکیت بمعہ اس اراضی کے جو قبل از نکاح امیر بی بی کے نام منتقل کرائی بشرطیکہ وہ انتقال بطور ملکیت کے نہ ہوا بلکہ بطور گذارہ تھا تو ایک چوتھائی حصہ امیر بی بی کو ضرور ملے گا بطور وراثت باقی میں اسکی والدہ غلام فاطمہ ۱۷ اور چراغ دین کا حق بطور ذوی الارحام ہے مگر جب وہ کل اراضی بنام غلام فاطمہ ملکیت کے طور پر منتقل ہوئی تو امیر بی بی کا حق تو باقاعدہ ایک چوتھائی ثابت ہے اور باقی تین چوتھائی کا نصف اس کے خاوند عبدالحق ۸ اور نصف دیگر چچا زاد بھائی چراغ دین کا حق تھا جو ان کو مل گیا باقی محمد اسلم ۱۸ اور خورشید بیگم ۱۹ کا کوئی حق نہیں کیونکہ ماں کے دوسرے خاوند کی دوسری بیوی کی اولاد امیر بی بی کی بہن بھائی نہیں اور جبکہ امیر بی بی کا کوئی وارث نہیں، نہ بھائی نہ بہن، نہ چچا نہ باپ، نہ ماں، نہ دادی وغیرہ تو اس کی ملکیتی اراضی بیت المال کا حق ہے نمبرات ۱۵، ۱۶، ۱۷ کا کوئی حق نہیں، ہاں غلام فاطمہ کی ملکیتی اراضی کا نصف حصہ جو انکے باپ چراغ دین کے نام منتقل ہوا تھا وہ ان کا حق اپنے باپ کی وراثت کے لحاظ سے ہے ہاں اگر زیادہ کاوش کی جائے تو فضل محمد کی کل زمین جو غلام فاطمہ کے نام منتقل ہوئی تو ان نمبرات کا حصہ اس میں سے آسکتا ہے کیونکہ غلام فاطمہ کا حق فضل محمد کی وراثت میں صرف ایک تہائی ہے اور ایک چوتھائی اس کی بیوی امیر بی بی کا حق ہے اور باقی کل چراغدین کا حق تھا تو یہ مسئلہ بارہ سے آئیگا :



فضل محمد مسئلہ از بارہ تصحیح ۱۲ سے ہے

میت

غلام فاطمہ والدہ	امیر بی بی بیوی	چراغدین والدہ کا چچا زاد بھائی بطور قسم رابع ذوی الارحام
۴/۱۲	۳/۱۲	۵/۱۲

جو نصف عبدالحق کو ملا ہے وہ صرف چار بٹے بارہ سے ہی ہے یعنی ۲/۱۲ اور باقی ۲/۱۲ چراغدین



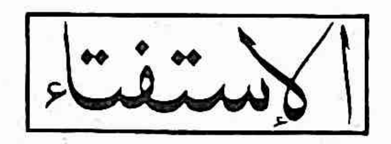
کے تھے جو نمبرات ۱۵، ۱۶، ۱۷ کا حق ہے اگر اتنا نہیں ملا تو وہ اس کا دعوٰی کر سکتے ہیں اور محمد علی ۱۰ نذر ۱۱ اور تاج محمد ۱۲ کا فضل محمد ۱۳ سے کوئی تعلق نہیں جب کہ عبدالحق سے کوئی تعلق نہ ہو تو اور $\frac{3}{12}$ امیر بی بی کی اراضی پر بھی نمبرات ۱۵، ۱۶، ۱۷ کا کوئی حق نہیں کیونکہ وہ غلام قاسم کی اراضی نہیں باقی یہ کہنا کہ اصل میں اراضی قائم دین کی تھی اور یہ قائم دین کے بھتیجے چراغ دین ۶ کے بیٹے ہیں لہٰذا حق دار ہیں بالکل غلط ہیں کیونکہ قائم دین کی وہ اراضی رہی ہی نہ بلکہ منتقل ہوتی ہوتی کہیں سے کہیں چلی گئی اور یہ سب مسائل فتاوٰی عالمگیر اور سراجی سے ہیں۔

واللّٰہ اعلم وعلمہ اتم واحکم وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہٖ سیدنا و مولانا محمد و علٰی اٰلہٖ وصحبہٖ و بارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللّٰہ النعیمی غفرلہٗ

۱۱ رجب المرجب ۱۴۰۰ھ

$26\frac{5}{80}$



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں صورت کے مسمّٰی انور خاں فوت ہوا، شجرہ نسب اور ورثا حسب ذیل ہیں :۔



ملوک مورثِ اعلیٰ
|
دلاور خاں
|
سلونر خاں — رفیق

سلونر خاں
|
جلال خاں
|
انور خاں متوفی
بیوی گلاں موجودہ — بخشائی دختر موجود

رفیق
چوغطہ — بگھیلا
چوغطہ
|
روشن (فوت ہوچکا ہے)
صادق موجود — رحم موجود

بگھیلا
|
پٹھانہ
|
گوماں

قرض نہیں ہے، وصیت بھی کوئی نہیں کفن دفن ہوچکا ہے تو شرعاً ترکہ کس طرح تقسیم کیا جاوے فقط۔

سائل : گوماں ولد پٹھاناں

۲۶ - ۴ - ۵۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

بیوی کا آٹھواں حصہ اور لڑکی کا نصف ہے، باقی صادق اور رحم اور گوماں کا مساوی طور پر ہے، حسب ذیل :-



الورخاں مسئلہ از ۸

میت

گاماں بیوی	بخشائی دختر	صادق	رحم	گوماں عصبات
۱	۴	۱	۱	۱

قرآن کریم میں ہے فان کان لکم ولد فلھن الثمن - وان کانت واحدۃ فلھا النصف حدیث شریف میں ہے فلاولی رجل ذکر -

واللہ تعالیٰ اعلم و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ



غول

باب العول



کیا فرماتے ہیں علمائے کرام وصوفیائے عظام کہ زید فوت ہوگیا ایک عورت اور ایک والدہ اور دو بھائی از جانب باپ اور دو ہمشیرہ چھوڑ گیا، اس کے ترکہ کی تقسیم جس طرح ہو فرماویں، نیز جو زیور والدین سے پایا اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔



والدہ کے لئے چھٹا اور بیوی کے لئے چوتھا حصہ ہے اور ہمشیرگان جیسے کہ سوال سے ظاہر ہے اگر حقیقی ہیں تو دو تہائی ان کے لئے اور دونوں بھائی غیر حقیقی محروم ہوں گے۔ اختلاط رابع،

سدس ثلثان کی وجہ سے مسئلہ ۱۲ سے آئے گا اور چونکہ عائلہ ہے تصحیح ۱۳ سے ہوگی۔

هٰكذا :

میت زید مسئلہ از ۱۲ تصحیح بعد عول از ۱۳

والدہ	بیوی	بہن	بہن	بھائی	بھائی
۲	۳	۴	۴	×	×

سراجیہ میں ہے [۱] او مع الاثنین من الاخوة و الاخوات

[۲] الربع للواحدة فصاعدا مع عدم الولد و ولد الابن [۳] و الثلثان للاثنتین فصاعدة، اور اگر ہمشیرگان غیر حقیقی ہیں تو جواب بدل جائے گا لہذا دوبارہ تفصیل سے سوال کریں۔

زیور اگر والدین نے ہبہ کر دیا ہے اور قبضہ میں دے دیا ہے تو موہوب لہ یا موہوب لہا ہی مالک ہے۔

و اللہ تعالیٰ اعلم و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ محمد و اٰلہٖ و صحبہٖ و بارک و سلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ





الاستفتاء

علمائے دین کیا فرماتے ہیں اس معاملہ میں کہ ایک شخص مسمّٰی غلام محمد کے گھر دو لڑکیاں تھیں، اس کی عورت فوت ہو گئی۔ بعد میں اس غلام محمد نے دوسری عورت کر لی یعنی



نکاح میں لے لی۔ اس دوسری بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی ہے۔ اب غلام محمد فوت ہوگیا ہے اور غلام محمد کا باپ بھی زندہ ہے۔ غلام محمد کی عورت اس کے باپ یعنی اپنے ساہورے کے پاس ہی گھر میں رہتی ہے اور غلام محمد کا ایک حقیقی بھائی بھی شادی شدہ علیحدہ اپنے گھر میں رہتا ہے لڑکی کلاں شادی شدہ ہے اور وہ اپنی چھوٹی بہن کو بھی اپنے پاس اپنے والے جبراً لے گئی ہوئی ہے اور لڑکی کلاں نے کچھ زیور چرا کر اپنے پاس جبراً رکھا ہوا ہے اور بذریعہ پولیس اقبال کیا اور زیور اپنی حقیقی والدہ اور سوتیلی والدہ دونوں کا چرا کر لے گئی تھی۔ سوتیلی والدہ کا زیور تو واپس ہوگیا ہے اور حقیقی والدہ کا زیور جبراً لئے بیٹھی ہے اور زیور جو ہے وہ خود غلام محمد کا بنایا ہوا ہے یعنی اس زیور کا مالک خود غلام محمد ہے۔ غلام محمد کی جائیداد کس طرح تقسیم ہونی چاہئے کیونکہ غلام محمد کا باپ زندہ ہے اور غلام محمد کی عورت اس کے سر پر گزارہ کرتی ہے۔ بینوا توجروا

سائل: عبدالرحمٰن کھرل



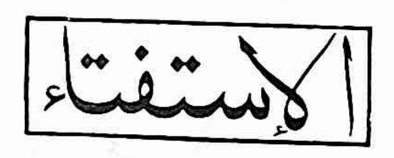
سائل نے زبانی بیان کیا کہ جس وقت غلام محمد کی لڑکیوں کی والدہ فوت ہوئی تھی تو اس وقت اس کی والدہ بھی زندہ تھی اور اب بھی زندہ ہے اور جب غلام محمد فوت ہوا تو اس کی والدہ بھی زندہ تھی اور اس کے بھائی بھی ہیں تو اولاً لڑکیوں کی والدہ کا زیور وغیرہ حسب دستور شرع



تقسیم کیا جائے جس سے لڑکیوں کے دو تہائی حصے ہیں اور غلام محمد خاوند کا چوتھا حصہ اور اسکی والدہ کا چھٹا حصہ ہے تو مسئلہ ۱۲ سے آئے گا اور عول سے تیرہ ہو جائے گا، تیرہ سے آٹھ دونوں لڑکیوں کے اور دو ماں کے اور تین غلام محمد خاوند کے ہیں۔ پھر جب غلام محمد فوت ہوا تو اس کے کل مال سے لڑکیوں کے دو تہائی حصے ہیں اور بیوی کا آٹھواں حصہ ہے اور چھٹا چھٹا حصہ ماں باپ کا ہے تو حسبِ قواعد یہ مسئلہ ۲۴ سے آئے گا اور عول کے ساتھ ۲۷ ہو جائیگا یعنی غلام محمد کے کل ترکہ کے ۲۷ حصوں میں سے ۱۶ دونوں لڑکیوں کے اور تین بیوی کے اور ۴-۴ ماں باپ کے، یہ مسئلہ منبریہ[1] ہے کذا فی السراجیۃ والھندیۃ وغیرھا۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۲ رجب المرجب ۱۳۷۷ھ





الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ زید فوت ہوا حالانکہ اس کی دو بیویاں اور ایک حقیقی بہن اور والدہ اور چچازاد بھائی موجود ہیں، اس کی وراثت شرعاً کیسے تقسیم ہو گی؟ بینوا توجروا۔

سائل: مولوی محمد حسن، ہکّی بابکی

---

[1] اسے منبریہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ایک بار حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ نے کوفہ کی جامع مسجد میں خطبہ دینا شروع کیا، ایک سائل نے یہی مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے منبر پر کھڑے کھڑے رعایتِ سجع کو قائم رکھتے ہوئے فی الفور جواب دیا اور خطبہ کے تسلسل میں بھی فرق نہ آنے دیا (مرتب)





دونوں بیویوں کے لئے کل ترکہ کا چوتھا حصہ ہے اور بہن کا نصف اور ماں کا تیسرا حصہ ہے۔ سراجیہ ص ۸،۷ میں ہے الربع للواحدۃ فصاعدۃ عند عدم الولد و ولد الابن۔ قرآنِ کریم میں ہے و لھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد سراجیہ ص ۱۰ میں ہے النصف للواحدۃ قرآنِ کریم میں ہے و لہ اخت فلھا نصف ما ترک سراجیہ ص ۱۲ میں ہے و ثلث الکل عند عدم ھؤلاء المذکورین قرآنِ کریم میں ہے فلامہ الثلث۔ حسب القواعد یہ مسئلہ ۱۲ سے ہے جو بوجہ عول ۱۳ سے آئیگا اور تصحیح ۲۶ سے ہے حسب ذیل؛

میت زید مسئلہ از ۱۲ بعد عول از ۱۳ تصحیح از ۲۶

بیوی	بیوی	بہن	ماں	چچازاد بھائی
۳/۲۶	۳/۲۶	۱۲/۲۶	۸/۲۶	محروم

ماں بہن اور بیویاں ذوی الفرائض ہیں اور چونکہ ان سے کچھ بچا نہیں لہذا چچازاد بھائی محروم رہے گا جو عصبہ ہے کہ عصبہ وہی لیتا ہے جو ذوی الفرائض سے بچے۔ سراجیہ ص ۴ میں ہے العصبۃ کل من یاخذ ما ابقتہ اصحاب الفرائض الخ

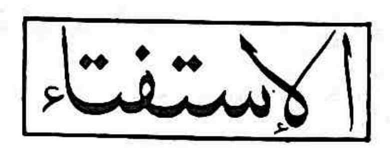
واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم وصلی اللہ



تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ وآلہٖ واصحٰبہٖ وسلم۔

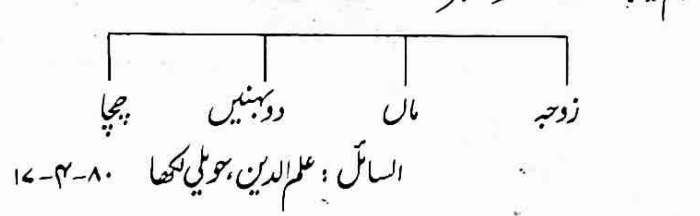
حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۸ رجب المرجب ۸۰ھ





کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید فوت ہوا، ایک زوجہ، ایک ماں، دو بہنیں، ایک چچا باقی چھوڑا اور ورثاء میں سے کوئی بھی باقی نہیں ہے، ان کا ترکہ کیسے تقسیم کیا جائے؟ بینوا توجروا۔



السائل: علم الدین، حویلی لکھا ۸۰-۴-۱۷



کفن و دفن و ادائے قرض و وصیت کے بعد جو بچا اس کا ربع یعنی چوتھائی زوجہ کا ہے اور چھٹا حصہ ماں کا ہے اور بہنیں اگر ماں باپ سے ہیں جنہیں اعیانی کہا جاتا ہے



ان کے ثلثین یعنی دو تہائی ہیں۔ حسب القواعد یہ مسئلہ بارہ سے ہے اور عول سے تیرہ سے تصحیح ہے یوں:

میت زید مسئلہ از ۱۲ مع العول ۱۳

زوجہ	ماں	بہن	چچا
۳/۱۳	۲/۱۳	۸/۱۳	×

اور اگر بہن صرف باپ سے ہیں جن کو عَلّاتی کہا جاتا ہے تو پھر بھی یونہی ہے اور اگر ایک اَعیانی اور دوسری عَلّاتی ہے تو اعیانی کا حق نصف ہے اور عَلّاتی کا حق سدس ہے یوں:



میت زید مسئلہ از ۱۲ مع العول ۱۳

زوجہ	بہن اعیانیہ	بہن علاتیہ	ماں	چچا
۳/۱۳	۶/۱۳	۲/۱۳	۲/۱۳	×

اور اگر دونوں بہنیں صرف ماں سے یعنی اَخیافی ہیں تو ان دونوں کو ثلث یعنی ایک تہائی ملے گا حسبِ ذیل:

میت زید مسئلہ از ۱۲

زوجہ	ماں	بہنیں اخیافیہ	چچا
۳/۱۲	۲/۱۲	۴/۱۲	۳/۱۲

اندریں صورت چچا عصبہ بنا کر باقی سب کا حقدار ہے اور اگر ایک بہن اعیانی یا علّاتی ہو اور دوسری اخیافی ہو تو اَعیانی یا عَلّاتی کا حق نصف ہے اور اَخیافیہ کا سدس ہے یوں:

میت زید مسئلہ از ۱۲ مع العول از ۱۳

زوجہ	ماں	اعیانیہ یا علّاتیہ	اَخیافیہ	چچا
۳/۱۳	۲/۱۳	۶/۱۳	۲/۱۳	×



پہلی تین اور آخری صورت میں چچا محروم ہے کیونکہ چچا عصبہ ہے جو ذوی الفروض سے بچے اس کا حقدار ہے جوان چاروں میں کوئی بچتا نہیں لہٰذا محروم کما فی السراجیۃ واحادیث البخاری و مسلم و غیرھما۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۲ر جمادی الاخری ۱۴۰۰ھ

۱۷-۴-۸۰



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ مسماۃ زینب بی بی فوت ہوئی اور اس نے مندرجہ ذیل وارث چھوڑے، از روئے شریعت طریقہ تقسیم ترکہ کیا ہوگا اور ہر وارث کو کتنے حصے ملیں گے؟

تفصیل وارثان

۱۔ والدہ ۲۔ شوہر ۳۔ لڑکیاں ۳ عدد ۴۔ بہن حقیقی ۵۔ سوتیلا بھائی ۶۔ سوتیلی بہن۔

السائل: سید منظور احمد شاہ







والدہ کا چھٹا حصہ ہے اور خاوند کا چوتھائی اور تین لڑکیوں کا حصہ دو تہائی ہے اور بہن حقیقی اور سوتیلے بہن بھائی محروم ہیں اور ان کے لئے کچھ بچتا ہی نہیں، اگر بچتا ہوتا تو سب حقیقی بہن کو ملتا اور سوتیلے محروم رہتے۔ حسب القاعدہ یہ مسئلہ ۱۲ سے ہے اور عول سے ۱۳ ایہ تصحیح ۳۹ آئیگا ھکذا:

زینب مسئلہ از ۱۲ ع ۱۳ تصحیح ۳۹
میت

والدہ	خاوند	لڑکیاں ۳	بہن حقیقی	بہن سوتیلی	بھائی سوتیلا
۶/۳۹	۹/۳۹	۲۴/۳۹	×	×	×

کذا فی السراجیۃ ص۷ و ص۱۱ و ص۱۲ و ص۱۹ و ص۲۰ وکذا فی الھندیۃ وغیرھا من اسفار المذھب المھذب الحنفی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم وآلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۳۰ شعبان المعظم ۱۴۰۰ھ ۸۰-۷-۱۴



رَدّ





الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں صورت کہ مسمی حسن بیگ فوت ہوا اور دو پوتے اور ایک پوتی چھوڑے تو شرعاً وراثت کی کیا صورت ہے؟ بینوا توجروا۔

سائل: نذر محمد بقلم خود از موضع طعزین مورخہ ۴ ۱۰/۴۸



متروکہ کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے دو دو حصے پوتوں کو اور ایک حصہ پوتی کو دیا جائے



ھٰکذا،

میت حسن بیگ مسئلہ از ۵

نذر بیگ پوتا	اسلم بیگ پوتا	وزیر بیگم پوتی
۲	۲	۱

قرآنِ کریم میں ہے للذکر مثل حظ الانثیین۔ فتاویٰ عالمگیر ج ۴ ص ۴۰۴ میں ہے ثم ابن الابن نیز اسی میں ہے (ج ۳، ص ۴۰۳) فھن کالصلبیات عند عدم ولد الصلب۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۳۰ ذی القعدۃ المبارکہ ۶۷ھ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ زید فوت ہوا اور کفن ودفن ودَین و وصیت کے علاوہ مبلغ چھ صد روپیہ چھوڑ گیا اور وارث صرف بیوی، ماں، سوتیلی بہن ماں سے ہیں تو وہ مبلغ چھ صد روپیہ کس طرح تقسیم کئے جائیں؟ بینوا توجروا۔

السائل، محمد اصغر زرگر از رکن پورہ





شرعاً بیوی کا چوتھا، ماں کا تیسرا، بہن کا چھٹا حصہ ہے مگر چونکہ ان حصوں سے مال بچتا ہے اور کوئی عصبہ ہے نہیں تو زائد ماں اور بہن پر تقسیم ہوگا ان کے حصوں کی نسبت سے اور بیوی کو زائد سے کچھ نہیں ملے گا تو یہ مسئلہ چار سے صحیح آئے گا یعنی کل مال چار مساوی حصے بنائے جائیں ایک بیوی کو دیا جائے، دو ماں کو اور پھر ایک بہن کو ھٰکذا :

زید مسئلہ ردّیہ از ۴ کل مال چھ صد روپے

میت

ماں	بہن ماں سے	بیوی
۱/۲	۱/۴	۱/۴
۳۰۰/- روپے	۱۵۰/- روپے	۱۵۰/- روپے

سراجیہ میں ہے الرابع ان یکون مع الثانی من لا یرد علیہ فاقسم ما بقی من مخرج فرض من لا یرد علیہ علی مسئلۃ من یرد علیہ فان استقام فبہا وھٰذا فی صورۃ واحدۃ وھی ان یکون للزوجات (واحدۃ کن او متعددۃ) الربع والباقی بین اھل الرد اثلاثا کزوجۃ واربع جدات وست اخوات لام انتھٰی۔

اقول فھٰذہ الصورۃ المسئولۃ عنہا کذا لان فیہا للزوجۃ



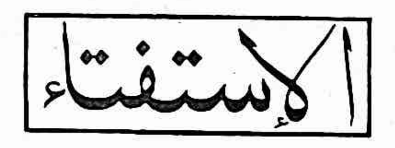
الربع لعدم الولد و للام الثلث لعدم الولد و ولد الابن و الاثنین من الاخوۃ و الاخوات و للاخت لام السدس فالثلث و السدس مسئلتہما ثلثۃ کما فی السراجیۃ ایضا من باب الرد۔ تو مبلغ چھ صد مذکور سے ماں کا حصہ تین صد اور بہن اور بیوی کا ڈیڑھ ڈیڑھ صد ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و صحبہ و سلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

مؤرخہ ۱۰ ربیع الاول شریف ۱۳۷۳ھ





درخواست بابت شرعی حق دفتر جناب مفتی صاحب قبلہ، بصیر پور

جناب عالی

گذارش ہے کہ مسماۃ غفوراً دختر فتح آب خاں بیوہ جیون بیگ، یہ اراضی جیون بیگ کی ہے جو بیوہ کے نام ہندوستان میں ہی ہو گئی تھی، پاکستان میں پہنچ کر ان کا انتقال ہو گیا، نرینہ اولاد کوئی نہ تھی صرف دو لڑکیاں بنام سکینہ بیگم، ممتیازی بیگم جو کہ موجود حیات ہیں فائق حق ان کا ہوتا ہے۔ فتح آب کی پہلی بیوی سے ایک لڑکا یٰسین خاں تھا، دوسری بیوی سے غفوراً بیگم تھی



پہلی بیوی سے جو کہ لڑکا لیسین خاں تھا اس سے دو لڑکے بنام شمس الدین خاں، قمر الدین خاں پسران یٰسین خاں۔ اس کے بعد شمس الدین سے ایک لڑکا ہے جس کا نام زمان خاں ہے اور ایک لڑکی قمر الدین خاں سے ہے جس کا نام اچھن بیگم ہے اراضی میں زمان خاں اپنے کو حقدار ۱/۳ حصے کا ہونا چاہتا ہے۔ یہ اراضی مسماۃ غفوراً بیگم کو اس کے خاوند جیون بیگ کی طرف سے تھی، مسماۃ غفوراً بیگم کے والد فتح آب خاں کی طرف سے یہ اراضی نہیں ہے لہٰذا شریعت قانون سے اس کا حق بنتا ہے تو مجھ کو دینے میں کوئی اعتراض نہ ہو گا اس لئے شریعت کو چاہتی ہوں تاکہ یہ پریشانی دور ہو سکے، اس لئے تحریری درخواست پیش کرتی ہوں۔

مسماۃ سکینہ بیگم دختر جیون بیگ چک ۲۰۷/E.B ضلع منٹگمری تحصیل پاکپتن شریف

نشان انگوٹھا مسماۃ سکینہ بیگم

نوٹ: سائل یعقوب جو سکینہ بیگم کا لڑکا ہے اور مختار بھی ہے زبانی بیان کرتا ہے کہ جیون بیگ کی وفات کے وقت اس کے ماں باپ یا بہن بھائی تایا چچا وغیرہ کوئی عصبہ موجود نہیں تھا۔

العبد: یعقوب بیگ





مسماۃ غفوراً بیگم کی ملکیت میں اس اراضی سے صرف ۱/۸ حصہ ہے اور باقی سب



دونوں لڑکیوں سکینہ بیگم اور ممتیازی بیگم کا ملک ہے۔ یہ شرعِ مطہر کا فیصلہ ہے، باقی رہا انگریزی دور کا انتقال تو اس سے لڑکیوں کے حقوقِ شرعی قطعاً زائل نہیں ہو سکتے تو جیون بیگ کی کل اراضی کے ۷/۸ حصوں میں زمان خاں کا قطعاً کوئی حق نہیں کہ وہ جیون بیگ کا عصبہ نہیں البتہ ۱/۸ جو غفوراً بیگم کا حق ہے اس میں زمان خاں کا ۱/۳ حصہ ہے کہ وہ غفوراً بیگم کا عصبہ ہے یعنی اس کے بھائی یٰسین خاں کا پوتا ہے بناءً علیہ کل اراضی میں زمان خاں کا حصہ ۱/۲۴ ہے تو فقہی حساب کے لحاظ سے اس اراضی کے اڑتالیس حصوں میں سے صرف دو زمان خاں کے ہیں اور باقی تینتالیس ۴۳ تیئیس ۲۳ تیئیس ۲۳ سکینہ بیگم اور ممتیازی بیگم کے ہیں۔ یہ مسئلہ عملِ رد اور مناسخہ کا ہے کما فی السراجیۃ وغیرھا من الفتاوی الحنفیۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم۔

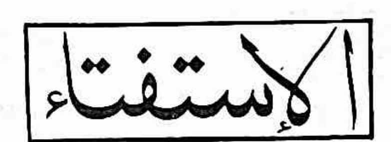


حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲ ذی الحجۃ المبارکہ ۸۰ھ ۱۵-۸-۶۱


تصحیح

باب التصحيح





کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کے کہ زید فوت ہوا اور ایک لڑکی، ایک بیوہ ہندہ، ایک بھائی حقیقی، تین حقیقی بہنیں چھوڑ گیا، از روئے شرع مطہر اس کا ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے نیز بکر نے اپنی بہن ہندہ کو شادی کے وقت جو جہیز دیا اور اسکے اور اس کے ملک کر دیا، آیا وہ جہیز ہندہ کا ہی ہے یا اس پر کسی اور کا حق فائق ہے؟

بینوا اماجورین من رب العلمین۔ بجناًبا



۱۔ ترکہ مسئولہ کا مسئلہ آٹھ سے آئیگا۔ آٹھ میں سے چار حصے لڑکی کے اور ایک



بیوی کا باقی تین حصے بھائی اور بہنیں آپس میں للذکر مثل حظ الانثیین کے حساب سے تقسیم کرلیں لہٰذا تصحیح کے لئے ۵ کو ۸ میں ضرب دینی پڑے گی اور چالیس سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا اور یہ تقسیم بعد از وضع اخراجاتِ تجہیز و تکفین و ادائیگی دیون و تنفیذِ وصایا من الثلث سے ہوگی۔

مسئلہ اصل آٹھ سے ، بعد الضرب چالیس سے

میت زید

لڑکی	بیوی ہندہ	بھائی	بہن	بہن	بہن
۲۰	۵	٦	۳	۳	۳

۲۔ جب بھائی نے بہن کو جہیز کا مالک بنا دیا تو کسی دوسرے کا اس جہیز پر کوئی حق نہیں، قرآن کریم میں ارشاد ہے لا تحل لکم ان ترثوا النساء کرھا نیز فرمان ہے وان کانت واحدۃ فلھا النصف۔ وان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم من بعد وصیۃ توصون بھا او دین۔ سراجیہ ص ۱۰ میں ہے ومع الاخ لاب وام للذکر مثل حظ الانثیین یصرن بہ عصبۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہٖ وآلہٖ و اصحٰبہٖ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۳۰ شعبان المعظم ۱۳٦۷ھ

۷/۴۸



الاستفتاء

فتوٰے (بصورتِ ثالثی فیصلہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسمّیان چراغ ولد ولی محمد سکنہ چک مغل ضلع منٹگمری اور سید محمد ولد الٰہی بخش سکنہ قائم جندیکا ضلع منٹگمری اقوام چشتی مسمات عزیزاں بنت بہلول برادر چراغ مذکور کے بارے میں متنازع ہیں۔ مسمّٰے چراغ اپنا حق ظاہر کرتا ہے کہ میری بھتیجی ہے اور مسمّٰی سید محمد کہتا ہے کہ میری والدہ مسمات مذکورہ کی حقیقی نانی ہے لہٰذا والدہ کی وفات کے بعد پرورش کا حق میری والدہ کو حاصل ہے نیز مسمّٰی بہاول کی وراثت کا بھی تنازعہ ہے۔ ہر دو فریق نے برضاء و رغبت مجھے اپنا ثالث مقرر کیا ہے کہ شرعی فیصلہ کر کے فریقین کا تنازع ختم کردوں اور فریقین اقرار کرتے ہیں کہ جو فیصلہ ہوگا ہمیں منظور رہے۔



حکم شریعتِ مطہرہ یہ ہے کہ مسمات عزیزاں کی پرورش کا حق جوان ہونے تک نانی کا ہے، درالمختار میں ہے[ص ۲۶۵] مع التنویر والام والجدۃ لام او



لا ب احق بها بالصغيرة حتى تحيض فی ظاهر الروایة۔ اور بوقت وفات مسمّٰی بہاول مذکور فریقین کے اقرار سے وارث صرف یہ ہے کہ ایک حقیقی بھائی مسمّٰی چراغ اور دو سگی بہنیں مسماۃ کموں و مسماۃ نورسائن اور ایک بیوی مسماۃ سرداراں اور دو لڑکیاں مسماۃ نشاں اور مسماۃ عزیزاں جو حمل کی صورت میں تھی (فالحکم ھٰذا) اقرار فریقین سے وصیت اور قرض نہیں ہے، تجہیز و تکفین سے جو بچا اُس کا آٹھواں حصہ بیوی اور دو تہائی دونوں لڑکیاں اور باقی بھائی اور بہنیں للذکر مثل حظ الانثیین کے طریقے پر مستحق ہیں۔ صورتِ مسئلہ اور تصحیح و تقسیم حسبِ ذیل ہے:

بہاول المسئلة من اربعة وعشرین (۲۴) لاختلاط الثمن بالثلثین
وتصح من ستة وتسعین (۹۶) لانکسار الاخ والاخت

المیت

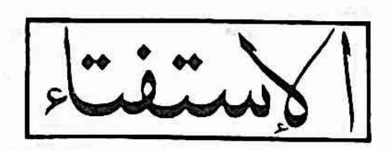
مسماۃ نشاں بنت مسماۃ عزیزاں بنت مسماۃ سرداراں بیوی مسمّٰی چراغ بھائی مسماۃ کموں بہن مسماۃ نورسائن بہن

۵ ۵ ۱۰ ۱۲ ۳۲ ۳۲

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ وصحبہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ الحنفی القادری النعیمی غفرلہ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں صورت کہ مسمّٰی فیض احمد ورثاءِ ذیل سے فوت ہوا، مسماۃ زہرہ، مسماۃ تاج بیویاں اور مسماۃ چانن لڑکی اور مسماۃ نور بیگم



ہمشیرہ حقیقی تو بعد از تجہیز و تکفین و تنفیذ وصیت و دَین متوفی کا ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے
ازروئے شرع شریف؟ بینوا توجروا۔
سائلان: علاول خاں و اکبر خاں حصہ داران موضع سابہ ڈہل ۲۲/۱۰/۴۹





شرعاً دونوں بیویوں کا حق آٹھواں حصہ ہے اور لڑکی نصف کی مستحق ہے
باقی کُل سگی بہن کا حق ہے، سراجیہ میں ہے والثمن مع الولد نیز اسی میں ہے، النصف
للواحدۃ اور ولھن الباقی مع البنات۔ اصل مسئلہ آٹھ سے اور تصحیح سولہ سے ہے
سراجیہ میں ہے کل عدد یکون مخرجا لجزء فذلک العدد ایضاً
یکون مخرجا الخ اور اسی میں ہے الثالث ان لاتکون بین سہامھم و
رؤسھم موافقۃ فیضرب کل عدد رءوس من انکسرت علیہم السہام
فی اصل المسئلۃ، وھذہ صورۃ المسئلۃ:

فیض احمد اصل المسئلۃ من ۸ والتصحیح من ۱۶

میت

زہرہ زوجہ ۱/۲	تاج زوجہ ۱/۲	چانن لڑکی	نور بیگم سگی بہن
۱	۱	۸	۶

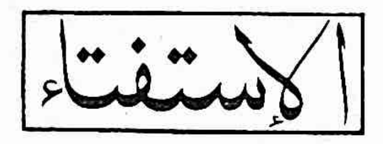
واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ



علی حبیبہ و آلہ و سلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

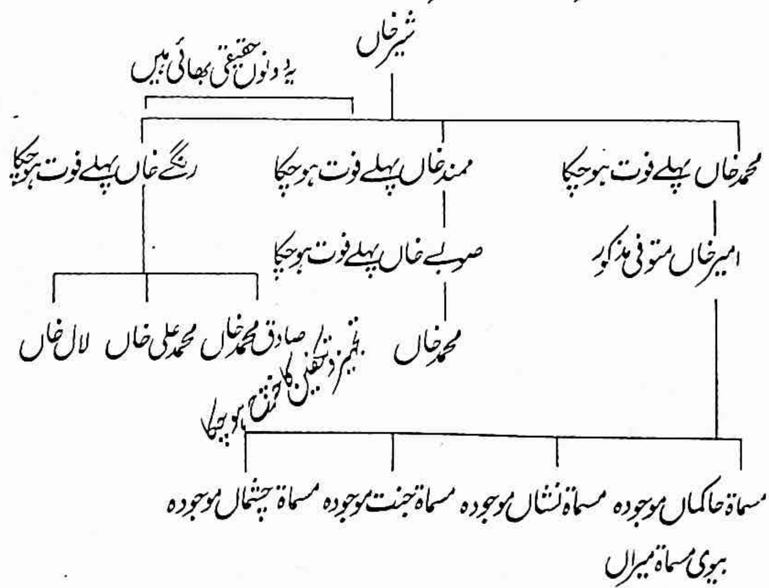
۲۲-۱۰-۴۹



الاستفتاء



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی امیر خاں ولد محمد خاں فوت ہو گیا نہ وصیت کی اور نہ ہی اس پر کوئی قرض ہے، اس کی چار لڑکیاں اور ایک بیوی ہے اور اس کے دادے شیر خاں کی اولاد حسبِ ذیل ہے:





تو شرعاً اس کا ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے؟ بینوا توجروا من رب العٰلمین

سائل محمد علی خاں از کوئیکے جاگیر ۲۱ صفر المظفر ۱۳۶۹ھ





باقی ترکہ کا آٹھواں حصّہ بیوی کا اور دو تہائی چاروں لڑکیوں کا اور باقی چچازادے تین بھائیوں کا ہے اور محمد خاں محروم ہے کہ دادے کے پوتے ہوتے پوتے کا لڑکا محروم ہے جبکہ پوتے قوتِ قرابت میں یکساں ہوں۔

مسئلہ بسبب اختلاطِ ثمن و ثلثین چوبیس ۲۴ سے آئیگا اور تصحیح بہتر ۷۲ سے ہوگی ھکذا:

امیر خاں المسئلۃ من ۲۴ والتصحیح من ۷۲

المیت

بیوی میراں	لڑکیاں: حاکماں	نشاں	جنت	چشماں	چچازاد بھائی صادق محمد خاں	محمد علی خاں	لال خاں	محمد خاں
۹	۱۲	۱۲	۱۲	۱۲	۵	۵	۵	محروم

سراجیہ میں ہے والثمن مع الولد، الثلثان لابنتین فصاعدۃ، وجزء جدہ الاقرب فالاقرب، اذا اختلط الثمن بکل الثانی او بعضہ فھو من اربعۃ و عشرین، فیضرب کل عدد رءوس من انکسرت علیھم نسبأم فی اصل المسئلۃ۔

واللہ تعالٰی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی



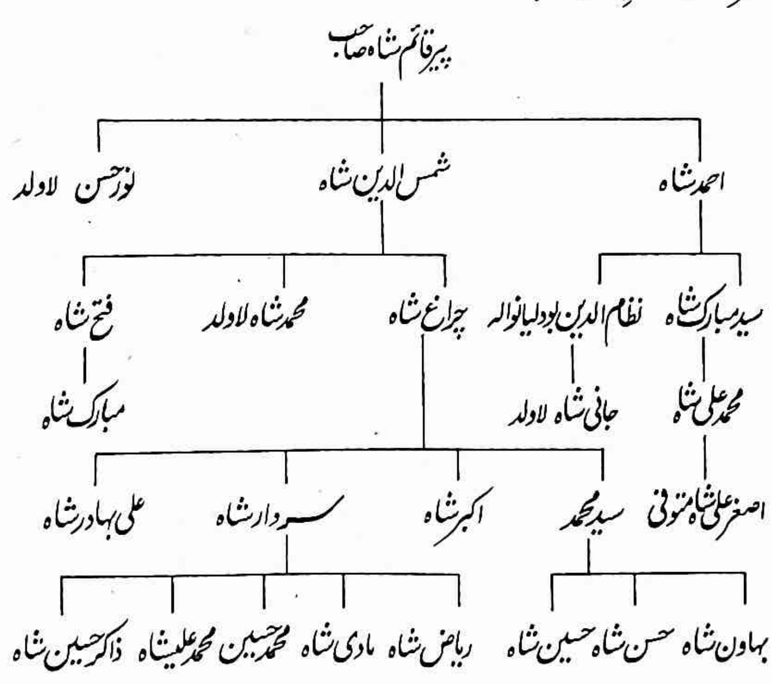
اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۲۶ صفر المظفر ۱۳۶۹ھ

الاستفتاء



کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ سید اصغر علی شاہ صاحب ایک بیوی ایک لڑکی ایک پوتی چھوڑ کر فوت ہوئے اور کچھ ان کے خاندانی افراد بھی تھے، شجرۂ نسب حسبِ ذیل ہے:





بوقت فوتیدگی اصغر علی شاہ، اکبر شاہ علی بہادر شاہ، مبارک شاہ زندہ اور سید محمد شاہ
سردار شاہ پہلے فوت ہوچکے تھے البتہ ان کے لڑکے بہاون شاہ وغیرہ ریاض شاہ وغیرہ بالترتیب
زندہ ہیں تو اصغر علی شاہ متوفی کا ترکہ شرعاً کس طرح تقسیم کیا جائے؟
نوٹ : تجہیز و تکفین ہوچکی اور وصیت و دَین بالکل نہیں، بینوا توجروا۔
سائل : علی بہادر شاہ از ستگھرہ بقلم خود
٦-٦-٥٠





کل مال کا آٹھواں حصہ بیوی، آدھا بیٹی، چھٹا پوتی کا ہے اور باقی اکبر شاہ، علی بہادر شاہ،
مبارک شاہ کا ہے مساوی طور پر کہ عصبے ہیں اور سید محمد شاہ، سردار شاہ کے لڑکے محروم ہیں
بوجہ تقدم اکبر شاہ وغیرہ اور چونکہ اس مسئلہ میں ثمن اور سدس مختلط ہوگئے ہیں لہٰذا مخرج مسئلہ
اربعۃ وعشرین ہے یعنی کل مال کے چوبیس حصے کئے جائیں اور ثمن یعنی تین بیوی کے اور
نصف یعنی بارہ بیٹی اور سدس یعنی چار پوتی کے، باقی پانچ اکبر شاہ وغیرہ عصبوں کے مگر پانچ تین پر صحیح
تقسیم نہیں ہوسکتے تو حسب قاعدہ تین کو چوبیس میں ضرب دی جائے گی اور حاصل ضرب ٧٢ سے صحیح طور پر
تقسیم ہوجائے گا :



اصغر علی شاہ اصل مسئلہ از ۲۴ تصحیح از ۷۲

میت

بیوی	بیٹی	پوتی	اکبر شاہ	علی بہادر شاہ	مبارک شاہ	بہاون شاہ	حسین شاہ	حسن شاہ	ریاض شاہ	بادی شاہ	محمد حسین شاہ
۳	۱۲	۴	۵								
۹	۳۶	۱۲	۵	۵	۵	محروم	محروم	محروم	محروم	محروم	محروم

محمد علی شاہ	ذاکر حسین شاہ
محروم	محروم

فتاوی عالمگیریہ میں ہے وللزوجۃ (الی ان قالو) والثمن مع احدھما۔ فان کانت ابنۃ الصلب واحدۃ فلھا النصف وفرض بنت الابن مع بنت الصلب تکملۃ الثلثین۔ وجزء جدہ ثم عم الجد۔ واذا اجتمع جماعۃ من العصبۃ فی درجۃ واحدۃ یقسم المال علیہم باعتبار ابدانہم۔ وان اجتمع الثمن مع کل الاٰخر او مع بعضہ فاصلہ من اربعۃ وعشرین وان انکسر عدد رءوس من انکسر علیہ فی اصل المسئلۃ الخ

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ واٰلہ وصحبہ وبارک وسلم فی کل حین باللطف والکرم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۹ شعبان المعظم ۱۳۶۹ھ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ زید فوت ہوا اور



ایک بیوی اور ایک لڑکی اور دو بھائی اور ایک بھائی کے دو پوتے چھوڑے اور اس کی فوتیدگی کے بعد کل جائیداد انگریزی قانون کے مطابق بیوی کے نام اس کے (بیوی کے) حین حیات تک منتقل ہوئی اب وہ بھی فوت ہوگئی اور ایک لڑکا اور ایک لڑکی اس کی ہے تو کیا اس جائیداد میں متوفی کی لڑکی اور بھائیوں وغیرہ کا حصہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل: سکندر علی موضع کوٹ شاہ مشتاق

تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری



شرعاً لڑکی کا نصف اور بیوی کا آٹھواں حصہ اور باقی کل دو بھائیوں کا ہے اور یہ تقسیم بعد از تجہیز و تکفین وادائے دین و وصیت ہے اگر ہوں تو۔ انگریزی قانون کے مطابق بیوی کے نام انتقال سے بیوی کا مستقل ملک نہیں بنتا تو اس کے فوت ہونے کے بعد آٹھواں حصہ جو اس کا اصلی حق تھا اس کے لڑکا لڑکی للذکر مثل حظ الانثیین کر لیں اور متوفی کی لڑکی نصف اور دونوں بھائی باقی لے لیں اور بھائی کے پوتے محجوب ہیں۔ یہ مسئلہ ثمانیہ سے ہے اور تصحیح ستۃ عشرہ سے ہے ھکذا:



زید مسئلہ از ۸ تصحیح از ۱۶

میت

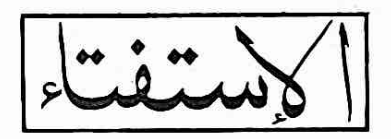
لڑکی	بیوی	بھائی	بھائی	بھائی کا پوتا	بھائی کا پوتا
۴/۸	۱/۲	۳			
۸/۱۶	۲/۱۶	۳/۱۶ (۶)	۳/۱۶	محجوب	محجوب

کذا فی السراجیۃ وغیرھا من کتب المذھب المھذب۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۴ر شوال المعظم ۶۹ھ





الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ مسمّٰی بہاول فوت ہوگیا اور اس کی دو عورتیں تھیں، ایک عورت سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے اور دوسری عورت زندہ ہے اس سے تین لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے پہلی عورت بہاول کی زندگانی میں فوت ہوچکی ہے بہاول کی اولاد مذکور اور زندہ بیوی کی وراثت زمین وغیرہ میں کس طرح حصے ہیں، کفن دفن ہوگیا ہے، وصیت اور قرض کچھ نہیں، بینوا ماجورین۔

اللہ دتہ بقلم خود ۲۵ر رمضان شریف







زندہ بیوی کا کل باقی ماندہ مال سے آٹھواں حصہ ہے، قرآن کریم میں ہے و لھن الثمن اور باقی سات حصے لڑکوں اور لڑکیوں میں حسبِ دستور تقسیم کیے جائینگے اور چونکہ سب بہاول متوفی کی اولاد ہیں لہٰذا استحقاقِ وراثت میں ماؤں کا لحاظ بالکل نہیں اور چونکہ سات حصے اولاد پر تقسیم نہیں ہو سکتے لہٰذا حسبِ قاعدہ آٹھ ۸ عدد رؤس اولاد کو آٹھ اصل مسئلہ میں ضرب دی جائے گی اور حاصل چونسٹھ ۶۴ سے آٹھ ۸ بیوی کے اور باقی چھپن ۵۶ سے لڑکوں کے چودہ چودہ اور لڑکیوں کے سات سات حصے ھٰکذا:

بہاول مسئلہ از ۸ تصحیح از ۶۴

میت

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۸	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی شیرا کی حاصل کردہ جائیداد اس کے دونوں لڑکوں مسمیان مستا اور ہستا کے نام انتقال ہوئی انگریزی دور میں مستا فوت ہوگیا تو انگریزی قانون کے مطابق اس کی کل متروکہ جائیداد مسمّٰی ہستا کے نام منتقل ہوئی، اب ہستا بھی فوت ہوچکا ہے اور اس کی ایک لڑکی مسماۃ غلام فاطمہ زندہ ہے اور مستے کی تین لڑکیاں مسماۃ مریم و شرفاں و کرم بی بی بھی موجود ہیں، شیرا کے حقیقی بھائی ادمیرا کی اولاد سے مسمّیان رمضان و غلام زندہ ہیں تو اب شرع شریف کے رو سے اس کی جائیداد کس طرح تقسیم کی جائے گی نیز مسمّٰی مستا نے اپنی جائیداد کی وصیت باقاعدہ مسماۃ غلام فاطمہ کے نام تحریر کردی تھی۔ اس کا کچھ اعتبار شرعاً ہے یا نہیں؟

سائل: غلام محمد از لونگہ حیات ۱ ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ





انگریزی دور کے اکثر انتقالات غاصبانہ تھے جن کی اصلاح حکومت کے بس کا روگ نہیں ہاں اگر نیک خیال باہمت لوگ کوشش کریں تو مستا کی لڑکیوں کا غصب شدہ حق مستا کی جائیداد کی دو تہائیاں دلا سکتے ہیں مگر وہ لڑکیاں ہستا کی وارث کسی صورت میں بھی نہیں بلکہ ہستا



کے وارث اس کی لڑکی مسماۃ غلام فاطمہ اور عمزادگان رمضان و غلام ہی ہیں۔ غلام فاطمہ کا نصف اور باقی عمزادگان رمضان و غلام کا ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے فان کانت واحدۃ فلھا النصف اور للرجال نصیب مما ترك الوالدان والاقربون۔ مسئلہ چار سے باعتبار تصحیح آئے گا ھکذا:

ھسنا تصحیح از چار

غلام فاطمہ	رمضان	غلام
۲	۱	۱



اور وصیت وارث کے حق معتبر نہیں البتہ اگر دوسرے عاقل بالغ بطیبِ خاطر قبول کرلیں بعد از موتِ مورث تو معتبر ہے۔ فتاویٰ عالمگیر، درالمختار، ردالمحتار میں ہے والنظم من الدر الا ان تجیز ورثته بعد موته۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارك وسلم۔

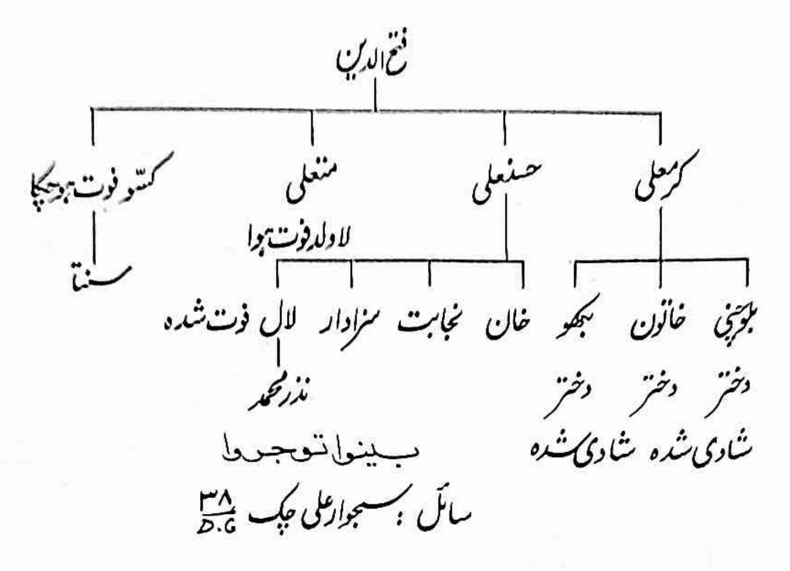
حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ مسمّی کرم علی فوت ہوا،

شجرہ حسب ذیل ہے:









شرعاً لڑکیوں کا حق ثلثین یعنی دو تہائی ہے، باقی خان، نجابت، سزادار، سنتا بھتیجوں کا حق ہے مساوی طور پر مسئلہ ۳ سے آئے گا اور تصحیح ۳۶ سے ہوگی، حسب ذیل

کرمعلی مسئلہ از ۳ تصحیح از ۳۶

میت

بلوچنی دختر	خاتون دختر	بکھو دختر	خان	نجابت	سزادار	سنتا بھتیجے
۸	۸	۸	۳	۳	۳	۳

اور نذر محمد ولد لال محروم ہے، قرآن کریم میں ہے و ان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک۔ حدیث شریف میں ہے فلاولی رجل ذکر و کذا فی السراجیة وغیرھا



واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ

اجمعین۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء



بخدمت حضرت مولانا مولوی نوراللہ صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ بصیر پور شریف

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک شخص دو بیٹیاں، اور تین پوتیاں، ایک بہو اور پانچ بھائی چھوڑ کر راہیِ ملکِ عدم ہوا۔ بیٹیاں دونوں اس کی تابعدار نہ تھیں، آنزاں پر متوفی ناراض رہتا تھا اور وہ بھی اپنے سسرال کے گھر میں رہتی تھیں یہاں تک کہ متوفی کے جنازہ پر بھی دونوں داماد اور بیٹیاں نہ آئیں۔ اندریں حالات اس نے وفات سے دو ہفتے پہلے جناب نائب تحصیلدار صاحب آبادی کے پاس اپنے بیان بھی قلمبند کروائے کہ میری زمین اور دیگر جائیداد منقولہ کا حقدار میری پوتیاں قرار دی جائیں، بعد میں وفات سے دس پندرہ دن پہلے ایک وصیت نامہ روبرو گواہان تحریر کیا۔ اس وصیت نامہ میں بھی متوفی نے اپنی پوتیاں کو اپنی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کا وارث قرار دیا۔ اب اس کے متعلق شرعی فتویٰ درکار ہے مہربانی فرما کر اس کو حل فرمادیں۔ ان کے بھائیوں کے ساتھ بھی تعلقات اچھے نہ تھے۔

سید منور علی شاہ از دیپالپور ۱۲ شعبان شریف ۱۳۷۱ھ







وصیت تیسرے حصہ تک جائز ہے تو تیسرا حصہ پوتیوں کا اور باقی مال کی دوتہائی دولڑکیوں کی اور باقی ایک تہائی پانچوں بھائیوں کی ہے اور یہ مسئلہ ۴۵ سے صحیح ہوگا حسب ذیل

مسئلہ از ۳ تصحیح از ۴۵

میت

بیٹی ۱	بیٹی ۲	بھائی ۱	بھائی ۲	بھائی ۳	بھائی ۴	بھائی ۵	پوتی ۱	پوتی ۲	پوتی ۳
۱۰/۴۵	۱۰/۴۵	۲/۴۵	۲/۴۵	۲/۴۵	۲/۴۵	۲/۴۵	۵/۴۵	۵/۴۵	۵/۴۵

سراجیہ میں ہے ثم تنفذ من ثلث ما بقی والثلثان للاثنتین فصاعدۃ ثم جزء ابیہ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ



کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں کہ مسمیٰ علی محمد فوت ہوا،



اس کے وارث دو اسکی بیویاں اور دو اس کی سگی بہنیں اور ایک عم زاد بھائی، قرض اور وصیت کچھ نہیں، تجہیز و تکفین ہو چکی کہ شرعاً اس کی وراثت کس طرح تقسیم کی جاتے۔





دونوں بیویوں کا $\frac{1}{4}$ اور دونوں بہنوں کا $\frac{2}{3}$ ہے اور باقی عم زاد بھائی کا ہے۔
مسئلہ ۱۲ سے اور تصحیح ۲۴ سے ہے، حسب ذیل:

علی محمد مسئلہ از ۱۲ تصحیح از ۲۴

میت

عم زاد بھائی	بہن	بہن	بیوی	بیوی
۲/۲۴	۸/۲۴	۸/۲۴	۳/۲۴	۳/۲۴

قرآن کریم میں ہے ولھن الربع مما ترکتم ان لکم ولد نیز ارشاد ہے فان کانتا اثنتین فلھما الثلثان مما ترک نیز فرمان ہے للرجال نصیب الآیۃ

واللہ تعالیٰ اعلم و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و الہ و صحبہ و بارک و سلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۵ شوال المکرم ۷۱ھ

۶/۵۲ ۲۸

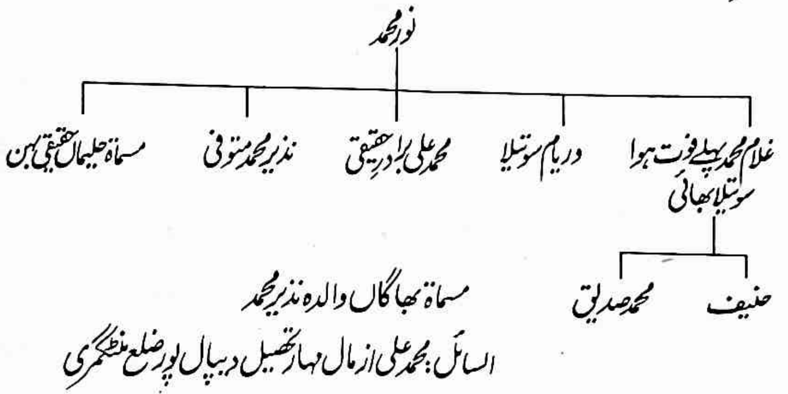


الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی نذیر محمد فوت ہوا اور اس کی ایک والدہ اور ایک بہن حقیقی اور ایک حقیقی بھائی اور ایک سوتیلا بھائی اور دو سوتیلے بھائی کے لڑکے موجود ہیں تو اس کی وراثت کس طرح تقسیم ہوگی ؟

نوٹ : اس کی کوئی شادی نہیں ہوئی۔ بینوا توجروا

شجرۂ نسب ذیل ،



السائل: محمد علی از مال بھار تحصیل دیپال پور ضلع منٹگمری





مسماۃ بھاگاں والدہ نذیر محمد کا چھٹا حصہ ہے، باقی کل محمد علی اور حلیماں کا ہے حسبِ دستورِ شرع مسمّٰی دریام چونکہ سوتیلا بھائی ہے لہٰذا حقیقی کے ہوتے ہوئے وارث نہیں ہو سکتا



اور ایسے ہی حنیف و صدیق بھی محجوب و محروم ہیں، مسئلہ چھ سے ہے اور تصحیح اٹھارہ سے حسبِ ذیل ہے:۔

میت نذیر محمد مسئلہ از ۶ تصحیح از ۱۸

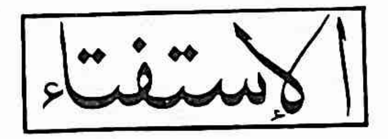
مسماۃ بھاگاں	مسماۃ جلیماں حقیقی ہمشیرہ	محمد علی برادر حقیقی	وریام برادر غیر حقیقی	حنیف و صدیق پسران غلام محمد برادر غیر حقیقی
۱۸/۳	۱۸/۵	۱۸/۱۰	x	x

کذا فی السراجیۃ وغیرہا۔

واللّٰہ تعالیٰ اعلم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللّٰہ النعیمی غفرلہ





سائلین مظہر کہ متوفی حسن ولد علی محمد کے دو بھائی باپ سے مسمّٰی محمد حسین و قاسم علی پسران علی محمد مذکور اور ایک بہن باپ سے مسماۃ زینب بنت علی محمد اور بیوی مسماۃ اللہ جوائی دختر نور احمد نابالغہ اور بخشائی مطلقہ علی محمد مذکور اور مسمیان دلا، محرم پسران جمیل برادر حقیقی علی محمد مذکور اور غنی ولد عبدالرحمٰن بھی علی محمد کے تایازاد بھائی کا لڑکا، یہ سب لوگ موجود ہیں تو حسن کا شرعی وارث کون کون ہے اور مسمیان دلا، محرم، غنی مذکورین نے حسن کے ترکہ سے خدا واسطے دو بگیں چاول



کی بلا اجازت دیگر مندرجہ افراد کر دی ہیں تو کیا ان کی خیرات جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

نشان انگوٹھا غنی ولد عبد الرحمٰن　　نشان انگوٹھا دلا ولد جمیل　　نشان انگوٹھا محرم ولد جمیل

نشان انگوٹھا محمد حسین ولد علی محمد　　نشان انگوٹھا اکبر ولد الیاس وکیل محمد حسین و قاسم پسران علی محمد





مسمی حسن متوفی کے وارث صرف محمد حسین، قاسم علی، زینب بہن بھائی اور بیوی اللہ جوائی اور والدہ بخشائی ہی ہیں، ماں کا چھٹا حصہ اور بیوی کا چوتھا، باقی سب دو بھائی ایک بہن کا ہے جس میں بھائیوں کے دو دو حصے اور بہن کا ایک ہے، قرآنِ کریم میں ہے

فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس، ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد، وان کانوا اخوۃ رجالا ونساء فللذکر مثل حظ الانثیین۔

تو چونکہ اس میں ربع اور سدس آگیا ہے تو مسئلہ ۱۲ سے آئے گا اور تصحیح حسب القاعدہ ساٹھ سے ہوگی یعنی اخراجاتِ کفن دفن کے بعد اور اگر قرض یا کچھ وصیت ہو تو حسبِ قانون باقی کل ترکہ کے ساٹھ حصے کرکے حسبِ تقسیم مندرجہ بالا دئے جائیں، حسبِ ذیل اور مسمیان دلا، محرم، غنی محروم ہیں۔

حسن مسئلہ از ۱۲ تصحیح از ۶۰

میت

بخشائی والدہ	اللہ جوائی بیوہ	محمد حسین بھائی	قاسم علی بھائی	زینب بہن	دلا	محرم	غنی
۱۰	۱۵	۱۴	۱۴	۷	×	×	×

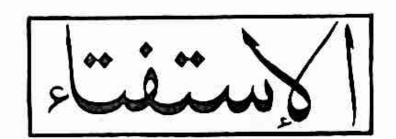


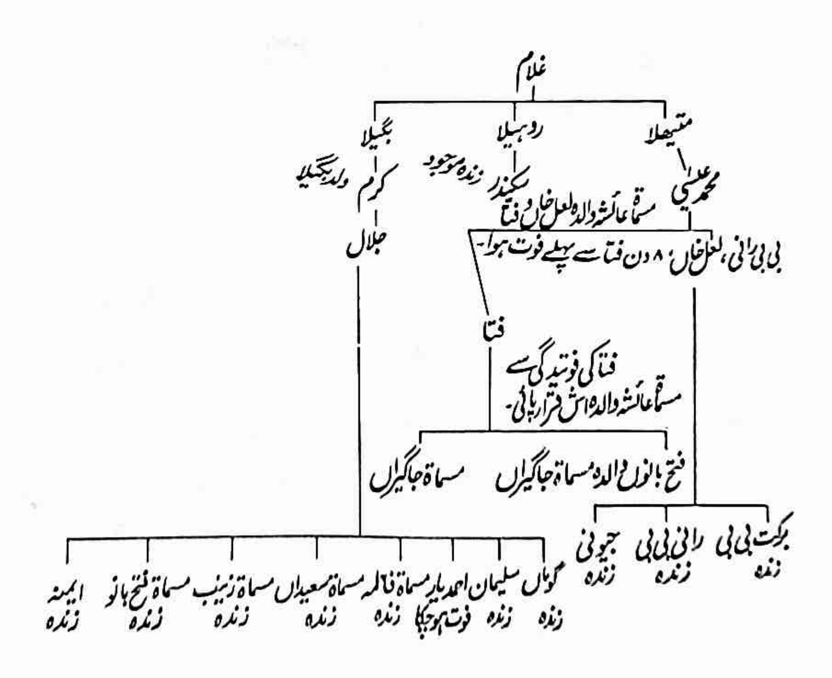
اور جب للا وغیرہ کا کوئی حق نہیں تو ان کو خیرات کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی بلکہ حق ہوتا تب بھی بلا اجازت دوسرے وارثوں کے جائز نہ تھی تو ان پر لازم ہے کہ جتنا مال خیرات کے نام پر اڑا دیا ہے وہ سب مندرجہ بالا وارثوں کے سپرد کریں یعنی اس کا معاوضہ پورا پورا ادا کریں قرآنِ کریم اور حدیث شریف اور فقہ حنفی وغیرہ کا یہی حکم ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ









مسماۃ عائشہ بیوہ محمد عیلے فنا پسر کی جائیداد سے مالک قرار پائی۔ فنا کی فوتیدگی پر
مسماۃ عائشہ والدہ اش و مسماۃ فتح بانوں بیوہ اش و مسماۃ جاگیراں دختر اش مالک قرار پائی اب
مسماۃ عائشہ والدہ فنا فوت ہوچکی ہے اس کا انتقال وراثت بنام نظام الدین برادر و مسماۃ
چوہڑاں بہن بحصہ نصف و مسماۃ جاگیراں دختر فنا نصف مالک قرار پائے نیز مسماۃ عائشہ کی
فوتیدگی سے پہلے نظام فوت ہوچکا تھا لیکن عائشہ کی وراثت کا نظام کے نام بھی انتقال کیا گیا
حالانکہ عائشہ سے پہلے فوت ہوچکا ہے۔





اگر بیانِ مندرجہ بالا صحیح اور واقعی ہے تو یہ انتقالِ وراثت درست نہیں نظام الدین
جب اپنی بہن عائشہ متوفیہ سے پہلے فوت ہوچکا تھا تو وارث کیسے بنا؟ مردہ وارث
نہیں بن سکتا اور چونکہ مسماۃ عائشہ متوفیہ کے لڑکے لعل خاں ولد محمد عیلے کی تین لڑکیاں
برکت بی بی، رانی بی بی، جیونی بھی زندہ ہیں تو ان کو کیوں نظر انداز کیا گیا؟ وہ مسماۃ جاگیراں
کی طرح پوتیاں ہیں اور وارث ہیں بلکہ درست یوں ہے کہ مسماۃ عائشہ متوفیہ کی مملوکہ جائیداد
متروکہ بعد تجہیز و تکفین وغیرہ سے بچی، اس کی دو تہائی برکت بی بی، رانی بی بی، جیونی دختران
لعل خاں اور جاگیراں دختر فنا متوفیہ کی پوتیاں کا حق ہے، باقی کل مسماۃ چوہڑاں بہن کا حق ہے



مسئلہ تین سے آئیگا اور حسبِ قواعد چھ سے تصحیح ہوگی۔

مساۃ عائشہ متوفیہ مسئلہ از ۳ تصحیح از ۶

میت

برکت بی بی	رانی بی بی	جیونی	جاگیراں پوتیاں	چوہڑاں
۱/۶	۱/۶	۱/۶	۱/۶	۲/۶

(مساۃ چوہڑاں اگر متوفیہ عائشہ کی بہن حقیقی یا علاتی ہو تو یہ حکم ہے

سراجیہ ص ۸ میں ہے والثلثان للاثنین فصاعدۃ عند عدم بنات الصلب

نیز ص ۱۰ و ۱۱ میں ہے ولھن الباقی مع البنات او بنات الابن اور اگر بہن اخیافی ہے

یعنی صرف ماں سے عائشہ متوفیہ کی بہن ہے تو حکم اور ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ

وصحبہ و بارک و سلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی نور الصمد فوت ہوا اور ایک بیوی مساۃ مہراں اور دو لڑکیاں مساۃ شریفاں بی بی، فاطمہ بی بی اور ایک بھتیجا حاکم علی اور تین علاتی بھائی مسمّٰے بگھا، غلام قادر، اللہ دتہ اور دو علاتی ہمشیرگان راجاں بی بی، نوراں بی بی چھوڑ گیا ہے تو ان میں سے کون کون وارث ہیں؟ کیا حاکم علی حقیقی بھتیجا کے ہوتے ہوئے علاتی



برادران اور ہمشیرگان محروم ہوسکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔ ۵۸-۲-۲۸





بیوی کا $\frac{1}{8}$ اور دونوں لڑکیوں کا $\frac{2}{3}$ ہے اور باقی سب علاتی برادران اور ہمشیرگان کا حسب دستور ہے اور حاکم علی حقیقی بھتیجا محروم ہے۔ مسئلہ ۲۴ سے آئے گا اور تصحیح ۱۹۲ سے ہوگی ھٰکذا:

نورالصمد مسئلہ از ۲۴ تصحیح از ۱۹۲

میت

زوجہ مہراں	دختر شریفاں	دختر فاطمہ	علاتی برادران گھا	غلام قادر	اللہ دتہ	ہمشیرگان علاتی راجاں	بی بی نوراں	حاکم علی حقیقی بھتیجا
$\frac{24}{192}$	$\frac{64}{192}$	$\frac{64}{192}$	$\frac{10}{192}$	$\frac{10}{192}$	$\frac{10}{192}$	$\frac{5}{192}$	$\frac{5}{192}$	× محروم

۲۔ علاتی بھائیوں اور بہنوں کے ہوتے ہوئے حقیقی بھتیجا وارث نہیں ہوسکتا تو یہ سوال کہ حقیقی بھتیجے کے ہوتے ہوئے علاتی بہن بھائی محروم ہونگے، بالکل الٹا سوال ہے، وہ اس کو محروم بنا رہے ہیں۔

سراجیہ ص ۱۴ میں ہے ثم جزء ابیہ ای الاخوۃ ثم بنوھم

فتاوی عالمگیر ج ۴ ص ۴۰۴ میں ہے ثم الاخ لاب وام ثم الاخ لاب ثم ابن الاخ لاب وام نیز فتاوی ہندیہ میں ہے ولھن الباقی مع البنات اور ایسے ہی

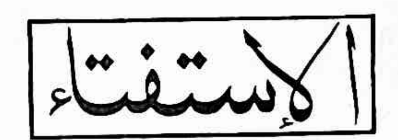


سراجیہ ص ۱۱ میں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۹ شعبان المعظم ۷۷ھ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی میاں نورا قوم نیاری فوت ہوا اور اس نے پانچ لڑکے چھوڑے ہیں، میاں نورا کے پاس ۵۸ ایکڑ زمین تھی جو اس کی فوتگی کے بعد پانچوں لڑکوں نے برابر برابر تقسیم کر کے انتقال کرالیا۔ پانچوں لڑکے مسمیان بالترتیب ۱۔جمیل عرف جموں ۲۔ملا ۳۔خیرا ۴۔راجا ۵۔ناجا اور جمیل عرف جموں کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں جن کے نام یہ ہیں ۱۔بڑا لڑکا نامہ ۲۔گاما، بڑی لڑکی گاماں ۲۔بی بی رانی چھوٹی لڑکی۔

جمیل عرف جموں ۴۱ء میں فوت ہوا اور زمین اس کے ہر دو لڑکوں کے نام انتقال ہوگئی۔ بڑا لڑکا جو کہ غیر شادی شدہ تھا ۵۱ء میں فوت ہوگیا۔ چھوٹا لڑکا گاما شادی شدہ تھا جو کہ ۵۳ء میں فوت ہوگیا، اس کی فوتگی کے بعد از تین ماہ لڑکی پیدا ہوئی جو ایک سال یعنی ۵۴ء میں وہ بھی فوت ہوگئی۔ بیوہ گاما نے اپنا نکاح کسی اور شخص سے کرلیا ہے۔ گاماں دختر جمیل عرف جموں

شادی شدہ ہے، چھوٹی لڑکی بی بی رانی غیر شادی شدہ ہے اور اپنی والدہ مسماۃ سبھرائی بیوہ جمیل عرف جموں کے پاس بیٹھی ہے۔ شرعی لحاظ فیصلہ فرمایا جاوے۔

سائلہ: سبھرائی بیوہ جمیل عرف جموں ۵۸/۳/۱۴ بینوا توجروا

نوٹ: سائلہ نے زبانی بیان کیا کہ جموں، ملّا وغیرہ کی والدہ بھی ایک ہی ہے اور خیرا، نامہ، گاما سے پہلے فوت ہو چکا ہے اور باقی تینوں زندہ ہیں اور نامہ کی جائیداد کا انتقال بھی ہو چکا ہے، اب گاما کی جائیداد کا سوال ہے۔





مسمّٰی گاما کے وارث اس کی والدہ اور لڑکی اور بیوی اور دونوں بہنیں ہیں، ماں کا چھٹا حصہ، بیوی کا آٹھواں حصہ اور لڑکی کا ½ ہے، باقی سب دونوں بہنوں کا ہے۔ یہ مسئلہ حسب القواعد ۲۴ سے آئے گا اور تصحیح ۴۸ سے ہوگی، حسب ذیل:

گاما مسئلہ از ۲۴ تصحیح از ۴۸

میت

بہن بی بی رانی	گاماں بہن	لڑکی	بیوی	سبھرائی والدہ
۵/۴۸	۵/۴۸	۲۴/۴۸	۶/۴۸	۸/۴۸

پھر جب لڑکی فوت ہوئی تو لڑکی کے وارث، لڑکی کی والدہ اور مسمیان ملّا، راجا، ناجا ہیں، والدہ کا تیسرا حصہ ۸/۲۴ ہے، باقی ۱۶/۲۴ سب ملّا، راجا، ناجا کا ہے اور نکاح شادی کر لینے سے حصہ میں

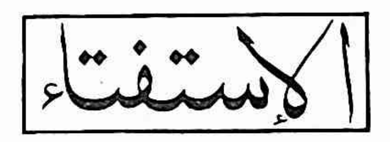
کوئی فرق نہیں آتا تو گاما کی بیوہ کے گاما کی جائیداد کے ۴۸ حصوں سے ۱۴ حصے آئیں گے، ۶ گاما کی بیوی ہونے کی حیثیت سے اور ۸ لڑکی کی ماں ہونے کی حیثیت سے۔ سراجیہ ص۱۱ میں ہے اما للام فاحوال ثلث السدس مع الولد او ولد الابن وان سفل (الی ان قال) وثلث الکل عند عدم ھٰؤلاء المذکورین۔ نیز ص ۸ میں ہے والثمن مع الولد، اسی میں ہے والنصف للواحدۃ اور ص ۱۰-۱۱ میں ہے ولھن الباقی مع البنات نیز ص ۱۴ میں ہے ثم بالعصبات من جھۃ النسب نیز ص ۱۴ میں ہے و جزء جدہ الاقرب فالاقرب، ص ۱۹ میں ہے واذا اختلط الثمن بکل الثانی او ببعضہ فھو من اربعۃ وعشرین، ص ۲۲ میں ہے فیضرب کل عدد رءوس من انکسرت علیھم السھام فی اصل المسئلۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔



حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۲ شعبان المعظم ۷۷ھ



سائل جناب حیدر شاہ صاحب حصہ دار میراں شاہ تحصیل پاکپتن شریف کا تحریری سوال وضاحت طلب تھا جس کا خلاصہ حافظ محمد یونس صاحب نائب سائل کی معرفت درج ذیل ہے۔



حاصل سوال جو زبانی تشریح سے واضح ہوا یہ ہے کہ سلطان ولد عبدالرحمٰن لاولد فوت ہوا حالانکہ ایک حقیقی بہن مسمات رحمت بی بی اور چھ چچازاد بھائی جو تین حقیقی چچوں کے لڑکے ہیں محمود، شاہرا، برہان، سلطان، محمد دین، احمد دین زندہ ہیں اور متوفی کی بیوی اور والدین وغیرہ زندہ نہیں تو از روئے شریعت اس کے وارث کون کون ہیں؟

الفقیر محمد یونس غفرلہٗ





شرعاً بہن کا حق کل جائیداد کا نصف ہے، قرآن کریم میں ہے ولہ اخت فلہا نصف ما ترک اور باقی سب اس کے چچازاد بھائیوں کا برابر برابر حق ہے کہ عصبہ ہیں، سراجی میں ہے جزء المیت واصلہ وجزء ابیہ وجزء جدہ اور بھانجے محروم ہیں۔ صورتِ مسئلہ:

سلطان اصل مسئلہ از ۲ تصحیح از ۱۲

میت

بہن رحمت	محمود	شاہرا	برہان	سلطان	احمد دین	محمد دین
۶/۱۲	۱/۱۲	۱/۱۲	۱/۱۲	۱/۱۲	۱/۱۲	۱/۱۲

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی



اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ وصحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

اواخر شعبان المعظم ۷۸ھ

ما حررہ المجیب اللبیب فھو حق وصحیح وصواب حسب المذھب والسنۃ والکتاب۔

الفقیر الی اللہ محمد نصر اللہ غفرلہ اللہ



باسمہٖ سبحانہٗ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مرحوم جب فوت ہوئے تو دو بیویاں غلام فاطمہ، زیب الٰہی، تین لڑکے نور محمد، غلام رسول، فیض رسول، چار لڑکیاں نور الٰہی، کرم الٰہی، شرف الٰہی اور منور چھوڑ گئے، جائیداد کس طرح تقسیم کی جائے گی؟ بینوا توجروا۔



المستفتی: العبد غلام رسول غفرلہٗ از حویلی لکھا ضلع منٹگمری



یہ مسئلہ ۸ سے ہے مگر چونکہ دو بیویوں کا آٹھواں حصہ ایک، ان پر صحیح تقسیم نہیں ہو سکتا



اور یونہی اولاد کا باقی ہو سات ہے، صحیح تقسیم نہیں ہوتا، تو حسب القواعد دس کو آٹھ میں ضرب دیجائیگی تو اسّی سے تصحیح ہوگی، ہر ایک لڑکے کے دو اور لڑکی کا ایک حصہ ہے، حسبِ ذیل :

مولوی عبدالرحمٰن صاحب، مسئلہ ۸ تصحیح از ۸۰

میت

غلام فاطمہ بیوی	زیب الٰہی بیوی	نور محمد	غلام رسول	فیض رسول لڑکے	نور الٰہی	کرم الٰہی	شرف الٰہی	منور لڑکیاں
۵/۸۰	۵/۸۰	۱۴/۸۰	۱۴/۸۰	۱۴/۸۰	۷/۸۰	۷/۸۰	۷/۸۰	۷/۸۰

قرآن کریم میں ہے فان کان لکم ولد فلهن الثمن مما ترکتم، نیز ہے یوصیکم الله فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین۔

والله تعالیٰ اعلم وصلی الله تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۳ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ

۱۹ جنوری ۱۹۶۴ء



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی غلام رسول کے وارث حسبِ ذیل ہیں : ایک بیوی، چار لڑکیاں، ایک پوتا اور دو پوتیاں ہیں تو کفن دفن اور



قرض و وصیّت سے بچا ہوا ترکہ کس طرح تقسیم کیا جاتے؟ بینوا توجروا۔

سائل: غلام رسول امام مسجد بھلپروں کمبوڈاکخانہ خاص تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری

مورخہ ۲۷-۶-۶۴





بیوی کا آٹھواں حصّہ ہے، قرآنِ کریم میں ہے فان کان لکم ولد فلھن الثمن (ترجمہ) پس اگر تمہاری اولاد ہو تو بیویوں کے لئے آٹھواں حصّہ ہے اور لڑکیوں کیلئے دو تہائی ہیں۔ قرآنِ کریم میں ہے فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترك (ترجمہ) پس اگر ہوں لڑکیاں دو سے اوپر تو ان کے لئے کل ترکہ کی دو تہائی ہے (اور یونہی دو لڑکیوں کے لئے بھی) اور باقی سب پوتے اور پوتیوں کا حق ہے، دو حصے پوتے کے اور ایک ایک پوتیوں کا، قرآنِ کریم میں ہے للذکر مثل حظ الانثیین (ترجمہ لڑکے (اور پوتے) کے لئے دو لڑکیوں (اور پوتیوں) کی مانند ہے۔

یہ مسئلہ حسب القواعد چوبیس ۲۴ سے آئے گا اور تصحیح چھیانوے ۹۶ سے ہوگی یعنی ترکے کے چھیانوے ۹۶ حصے بنا کر وارثوں کو مندرجہ بالا استحقاق کے لحاظ سے دئے جائینگے



حسب ذیل :

غلام رسول مسئلہ از ۲۴ تصحیح از ۹۶

بیوی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	پوتا	پوتی	پوتی
۱۲/۹۶	۱۶/۹۶	۱۶/۹۶	۱۶/۹۶	۱۶/۹۶	۱۰/۹۶	۵/۹۶	۵/۹۶

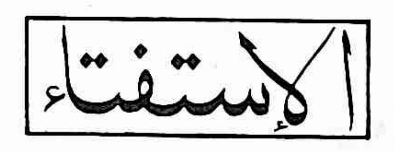
كما في السراجية والهندية وغيرهما من الكتب الفقهية الحنفية -

والله تعالىٰ اعلم وصلى الله تعالىٰ على حبيبه وآله واصحٰبه وبارك وسلم -

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۲ صفر المظفر ۱۳۸۴ھ ۳-۷-۶۴





۷۸۶/۹۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمی عاشق محمد فوت ہو گیا ہے اور اپنے بعد ایک لڑکا مسمّٰی محمد سرور - دو بیویاں مسماۃ غلام فاطمہ و مسماۃ نور نشاں و ایک والدہ مسماۃ ستاں چھوڑ گیا، عاشق محمد متوفی کی جائیداد کس طرح تقسیم ہو گی - بینوا توجروا -

المستفتیہ : مسماۃ غلام فاطمہ بیوہ عاشق محمد مرحوم سکنہ حویلی





نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

عاشق محمد متوفی کا ترکہ جو کفن دفن اور قرض و وصیت سے باقی ہے اس کا چھٹا حصہ والدہ ستاں کا ہے اور آٹھواں حصہ دونوں بیویوں کا اور باقی سب لڑکے کا ہے، یہ مسئلہ حسب القواعد ۲۴ سے آئے گا اور ۴۸ سے ہوگی، حسبِ ذیل :

عاشق محمد مسئلہ از ۲۴ تصحیح از ۴۸

میت

والدہ ستاں	بیوی غلام فاطمہ	بیوی نورنشاں	لڑکا محمد سرور
۸/۴۸	۳/۴۸	۳/۴۸	۳۴/۴۸

کما فی السراجیۃ وغیرھا بل فی القرآن الکریم۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علٰی حبیبہ سیدنا محمد وعلٰی آلہ واصحٰبہ وبارک وسلم۔

نوٹ : یہ جواب اس سوال کا ہے جو کیا گیا ہے، اگر سوال میں غلطی ہوئی تو جواب اور ہوگا۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۵-۱۲-۶۵



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کے کہ مسمّٰی لال خاں ۱۹۴۶ء میں فوت ہوگیا، اس کے پیچھے اس کی جائیداد ۱۹۴۶ء میں اسکی بیوہ مسماۃ سین بی بی کے نام بروئے رواج انگریز کے تاحینِ حیات منتقل ہوئی، اب۔ وہ بھی مسماۃ سین بی بی فوت ہوگئی ہے، اب لال خاں کے وارث یہ ہیں:

لال بی بی حقیقی بہن، مسماۃ ظہراں، شرف الٰہی، نشان بیگم۔ یہ تینوں حقیقی لال خاں کی لڑکیاں ہیں، باقی ایک علاتی بھائی مسمّٰی علی محمد اور ایک علاتی بہن مسماۃ زیب الٰہی زندہ ہیں، متوفی لال خاں کی جائیداد ان ورثاء پر کس طرح تقسیم ہوگی؟ بینوا توجروا۔

سائل: علی محمد علاتی بھائی ۶۷-۱۰-۲۷





بسم الله الرحمن الرحيم

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاکرم وآلہ واصحابہ اجمعین وسلم۔

شرعاً متوفی لال خاں کی زوجہ سین بی بی کا آٹھواں حصہ ہے اور دو تہائی تینوں لڑکیوں



کی، باقی سب حقیقی بہن کا ہے اور مسمّٰی علی محمد اور مسماۃ زیب الٰہی بوجہ علاتی ہونے کے محروم ہے، از روئے قواعد یہ مسئلہ ۷۲ سے آئے گا یعنی کل ترکہ کے حسب دستور بہتّر ۷۲ حصّے بنائے جائیں حسبِ ذیل :

لال خاں مسئلہ از ۲۴ تصحیح از ۷۲

میت

سین بی بی زوجہ	زہراں	شرف الٰہی	مسماۃ نشان بیگم	لال بی بی حقیقی بہن	علی محمد	زیب الٰہی علّاتی بہن بھائی
$\frac{9}{72}$	$\frac{16}{72}$	$\frac{16}{72}$	$\frac{16}{72}$	$\frac{15}{72}$	محروم	محروم

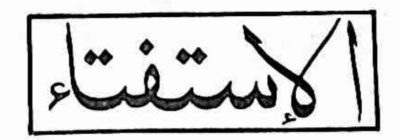
سراجیہ ص ۱۱ میں ہے ویسقط بنو العلات ایضا بالاخ لاب وام و بالاخت لاب وام اذا صارت عصبۃ۔ نیز ص ۱۹ میں ہے واذا اختلط الثمن بکل الثانی او ببعضہ فهو من اربعۃ وعشرین نیز ص ۲۲ میں ہے فیضرب کل عدد رءوس من انکسرت علیہم السهام فی اصل المسئلۃ و الباقی واضح بنص القرآن الکریم۔

واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ الانور وآلہ واصحٰبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمّد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۲ رجب المرجب ۱۳۸۷ھ   ۲۷-۱۰-۶۷





مسمّٰی راجن شاہ ولد کبیر شاہ فوت ہو گیا تھا، اس کا ایک لڑکا اصغر شاہ تھا وہ اس کی



وراثت کا مالک قرار پایا۔ اصغر شاہ اب فوت ہوگیا۔ اصغر شاہ کی نہ بیوی تھی اور نہ اولاد ہوئی، راحن شاہ کی ایک لڑکی ہاجرہ بی بی تھی جو شادی شدہ ہونے کے بعد بیوہ ہوگئی۔ کچھ لوگ پہلے کہتے رہے ہیں کہ وہ ایک غیر قوم حجام کے ساتھ ہے اور بطور میاں بیوی کے وہ رہے ہیں، آپس میں نکاح ہونے کا علم بیان نہیں ہوا۔ اب ۶ سال تک تلاش کرنے کے باوجود اس کا کچھ پتہ نہیں چل سکا، گویا ہاجرہ بی بی عدم پتہ ہے۔ اصغر شاہ متوفی کا حقیقی تایا ولایت شاہ ولد کمیر شاہ تھا، اسکے پسران غلام حسین، بہادرین شاہ، معظم شاہ ہیں اور ولایت شاہ مذکور متوفی کی مسماۃ سردار بی بی، مسماۃ نشاں بی بی دختران ہیں۔

مفتی دین متین مذکورہ بالا معاملہ میں کیا فرماتے ہیں۔ مسماۃ ہاجرہ بی بی لاپتہ کا وراثت اصغر شاہ میں کیا حق ہے اور مسمیان غلام حسین وغیرہ مذکوران اس کے پتریر بھائیوں کا اور مسماۃ سردار بی بی وغیرہ اس کی پتریر بہنوں کا حق ہے؟ اب ہاجرہ بی بی آگئی ہے اور کل جائیداد کا دعویٰ کرتی ہے۔

غلام حسین ولد ولایت شاہ قوم بودلہ صدیقی قریشی سکنہ $\frac{40.A}{4-L}$، ڈاکخانہ $\frac{35}{4-L}$
تحصیل اوکاڑہ ضلع ساہیوال $\frac{1}{69}$ 14





از روئے حکم قرآن کریم ہاجرہ بی بی حقیقی بہن متوفی اصغر شاہ کی کل جائیداد کے نصف کی مالک ہے جو ابھی تک زندہ موجود ہے جیسے کہ سائل نے زبانی بیان کیا ہے اور باقی نصف کے

حقدار اسکے تایا زاد غلام حسین، بہار دین معظم شاہ پسران ولایت شاہ ہیں اور سردار بی بی و نشان بی بی دختران ولایت شاہ کا کوئی حق نہیں ۔ مسئلہ ۲ سے ہے اور تصحیح ۶ سے ہے حسب ذیل :

اصغر شاہ مسئلہ از ۲ تصحیح از ۶

میت

ہاجرہ بی بی حقیقی بہن	غلام حسین	بہار دین	معظم شاہ	سردار بی بی	نشان بی بی
۳/۶	۱/۶	۱/۶	۱/۶	محروم	محروم

کما فی القرآن الکریم واسفار المذہب الحنفیۃ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۴-۱-۶۹





الاستفتاء

نام خود مسماۃ سیانی زوجہ بہادر ولد کوڑا قوم چوہان رکھیہ سکنہ چک ۶۷/D تحصیل پاکپتن ضلع ساہیوال، بتلا کر باقرار صالح بیان کیا کہ :

خاوندم بہادر ولد کوڑا قوم چوہان رکھیہ سکنہ چک ۶۷/D کے فوت ہو جانے پر اس کی اراضی زرعی عظیم کریم دو پسران حقیقی اور عمراں سکینہ دو دختراں اور من زوجہ کے نام انتقال ہوئی، کچھ عرصہ بعد کریم ولد بہادر مذکور لاولد اور کنوارہ فوت ہو گیا۔ کریم ولد بہادر متوفی کی اراضی بھی بدستور سابق حصہ کے برادر عظیم اور ہمشیرگان عمراں، سکینہ کے نام اور میرے نام انتقال ہوئی جس کو کافی عرصہ گذر چکا ہے۔ اب تھوڑے عرصہ سے بقضائے الٰہی عظیم ولد بہادر قوم چوہان رکھیہ کنوارہ لاولد فوت ہو چکا ہے، اس کے رشتہ داران اولاد کوڑا نے شجرہ مشمولہ کے مطابق



پٹواری مال حلقہ چک $\frac{67}{D}$ نے انتقال نمبر ۶۷ قسم انتقالِ وراثت تجویز کرا دیا ہے جس پر جناب نائب تحصیلدار صاحب مال پاکپتن نے انتقال منظور کرنے سے قبل فتویٰ شرعی طلب فرمایا ہے، میں بذریعہ بیان ہٰذا استدعا کرتی ہوں کہ مطابق شرع محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) فتویٰ شرعی سے مستفید فرمایا جاوے۔

مسماۃ سیانی زوجہ بہادر قوم چوہان رکھیسر چک $\frac{67}{D}$ تحصیل پاکپتن ضلع ساہیوال

نوٹ : نقل شجرہ بغرض ملاحظہ شامل ہے :

کوڑا

نتھو — اسماعیل — ناماں — کرمعلی — نادر — وسیا — بہادر

نتھو: شیرا زندہ — مانک زندہ — روشن زندہ — محرم

ناماں: غلام زندہ

نادر: سردارا زندہ — سداں — فجاں

بہادر: سیانی

اسماعیل: محمد یار — صاحبزادی زندہ — صاحبہ زندہ — سموں

شیرا: چراغ — دولاں — بی بی — رانی — سیانی

وسیا: سعداللہ زندہ — زینب — سجاول زندہ — ساجن زندہ — بارا

محمد یار: فاضل — عادل — الامین — یوسف — سیراں — بلال — حسن

بہادر: وراثت متوفی — عمراں — سکینہ

وراثت متوفی: محمد عظیم ۱/۲ — کریم ۱/۲ — فوت شدہ

کرمعلی: احمد زندہ — رمضان زندہ — شبیر زندہ — امیر زندہ — کبیر زندہ — رحمائی

احمد: محمد علی — رحماں — شبیر — حسین — نوراں — سرداراں — انور





نوٹ : نتھو وغیرہ سات بھائی ایک ہی ماں کے بطن سے ہیں۔

نویسندہ : حافظ فیض محمد نکاح رجسٹرار سکنہ اچاڑ کی داخلی موضع جمال لوپڑتلی تحصیل پاکپتن ضلع ساہیوال کونسل ۱۲/۱۳ لوٹانہ کلاں





عظیم کے وارث شرعاً مسماۃ سیانی والدہ اور ہمشیرگان عمران، سکینہ اور مانک، روشن وغیرہ بارہ کس چچازادگان ہیں اور چراغ وغیرہ چچاؤں کے پوتے اور صاحبزادی وغیرہا خواتین سب محروم ہیں، ماں کا چھٹا حصہ ہے اور ہمشیرگان کا حصہ دو تہائی ہے اور باقی ماندہ چھٹا حصہ مانک وغیرہ کا بحصہ برابر ہے۔ یہ مسئلہ حسب القواعد چھ ۶ سے اور تصحیح بہتر ۷۲ سے ہے، حسب ذیل :

عظیم مسئلہ از ۶ تصحیح از ۷۲

میت

سیانی والدہ	عمران ہمشیرہ	سکینہ ہمشیرہ	مانک	روشن	محرم	غلام	رمضان	شمیر	امیر	کبیر
$\frac{12}{72}$	$\frac{24}{72}$	$\frac{24}{72}$	$\frac{1}{72}$	$\frac{1}{72}$	$\frac{1}{72}$	$\frac{1}{72}$	$\frac{1}{72}$	$\frac{1}{72}$	$\frac{1}{72}$	$\frac{1}{72}$

سردارا	سعداللہ	سجوارہ	یارا چچازادگان
$\frac{1}{72}$	$\frac{1}{72}$	$\frac{1}{72}$	$\frac{1}{72}$

کما فی القرآن الکریم والحدیث الشریف والفقہ المنیف۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔



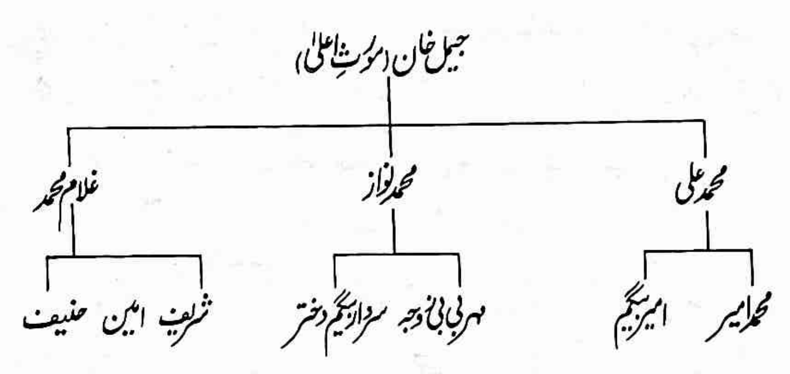
نوٹ : یہ جواب تحریر سائل کی صداقت کی صورت میں ہے۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۱ صفر الخیر ۱۳۸۹ھ ۲۹ ۴/۶۹

الاستفتاء





محمد نواز کی تمام جائیداد انگریزی قانون کے مطابق مہر بی بی کے نام منتقل ہوئی کیونکہ اس کا سر دکار نہیں تھا صرف ایک لڑکی اور دو بھائی محمد علی اور غلام محمد موجود تھے، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ محمد نواز کے وارث کون کون ہیں اور ان کے حصے کیا کیا ہیں؟ محمد نواز وغیرہ تینوں بھائی ایک ہی والدہ سے ہیں۔

عبد الغنی بقلم خود





شرعاً محمد نواز کے وارث اس کی زوجہ مہر بی بی، لڑکی سردار بیگم اور محمد علی و غلام محمد برادران ہیں۔ بیوی کا آٹھواں حصہ، لڑکی کا نصف اور باقیماندہ محمد علی اور غلام محمد کا بحصہ مساوی ہے، حسب القواعد یہ مسئلہ آٹھ سے ہے اور اس کی تصحیح سولہ سے ہے، حسب ذیل:

محمد نواز مسئلہ از ۸ تصحیح از ۱۶

غلام محمد برادران	محمد علی	سردار بیگم بیٹی	مہر بی بی زوجہ
۳/۱۶	۳/۱۶	۸/۱۶	۲/۱۶

كما في القرآن الكريم والسراجية وغيرها۔

والله تعالى اعلم وصلى الله تعالى على سيدنا محمد وآله واصحابه وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۴ رجب المرجب ۱۳۸۹ھ، ۱۷/۹/۶۹





۴۸۶/۹۲ بحضور قبلہ سیدی و سندی، مرشدی و مولائی شیخ الحدیث والتفسیر الحاج ابا جان دامت برکاتکم العالی



السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :

معروض اینکہ مندرجہ ذیل صورت میں زید کا ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائیگا؟ اگر حضور صورتِ حال سے جلوہ آگاہ فرمائیں تو ذرہ نوازی ہوگی کیونکہ میت کے ترکہ کی تقسیم کا جھگڑا چل رہا ہے، صورت مندرجہ ذیل ہے :

زید

میت

لڑکی	لڑکا لڑکی لڑکی لڑکی	لڑکا لڑکا لڑکی لڑکی
پہلی بیوی سے	دوسری بیوی سے	تیسری بیوی سے

پہلی اور دوسری بیوی زندہ نہیں ہیں اور تیسری بیوی مطلقہ تھی، مطلقہ بیوی کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی زید کی زندگی میں ہی فرار ہوکر اپنی والدہ کے پاس چلے گئے تھے اور زید کی موت کے وقت ان کو تقریباً سات سال کا عرصہ گزر چکا تھا، نیز زید کی والدہ بھی زندہ ہے۔ والسلام مع الف احترام۔

خادمِ شما طالبِ دعا : نذیر احمد حافظ نوری، خطیب جامع انوار مدینہ، سٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ

مؤرخہ: ۲ رجمادی الاولیٰ بروز اتوار ۱۳۹۲ھ





وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ :

لڑکے لڑکی کا والد سے فرار ہو کر والدہ کے پاس چلا جانا حق وراثت زائل نہیں کرتا لہٰذا دوسری اولاد کی طرح وہ بھی وارث ہیں تو اصل مسئلہ چھ سے ہے، والدہ کا چھٹا حصہ اور باقی سب اولاد کا اور اس کی تصحیح بہتر ۷۲ سے ہے یعنی کل ترکہ جو کفن، دفن، وصیت سے بچا اس کے پورے بہتر حصے مساوی بنائے جائیں اور حسب ذیل تقسیم کیے جائیں :-

زید مسئلہ از ۶ تصحیح از ۷۲

والدہ	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۱۲/۷۲	۱۰/۷۲	۱۰/۷۲	۱۰/۷۲	۵/۷۲	۵/۷۲	۵/۷۲	۵/۷۲	۵/۷۲	۵/۷۲

کذا فی السراجیۃ وغیرھا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وعلیٰ الہ واصحبہ وبارک وسلم۔



حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

بانی و مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال

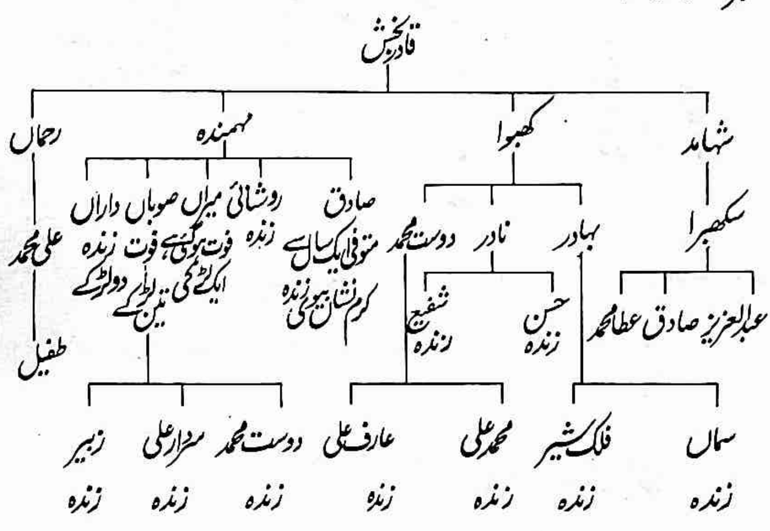
۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ

۵-۷-۷۲



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ مسمیٰ صادق لاولد فوت ہوا ہے، اس کا شجرۂ نسب یہ ہے :





اس کے دادا قادر بخش کی ایک ہی بیوی سے سب اولاد تھی اور جب صادق فوت ہوا تو اس وقت اس کے چچازادوں سے کوئی زندہ نہیں تھا اور نہ ہی کوئی چچا زندہ تھا، صرف ایک بیوی کرم نشاں اور عبدالعزیز وغیرہ چچازادے اور دوست محمد وغیرہ بھانجے اور دو بہنیں حقیقی زندہ تھے تو شرعاً اس کی وراثت کے کون کون حقدار ہیں ؟

سائل : دوست محمد پھوپھی زادہ از موضع رام پور منضل بصیر پور ۷۳-۲-۱۵







شرعاً بیوی کا حق چوتھا حصہ اور بہنوں کا حق دو تہائی ہے اور باقی سب صرف چچازادوں کی نرینہ ہم درجہ اولاد عبد العزیز وغیرہ کا حق ہے اور بھانجے دوس محمد وغیرہ محروم ہیں، ان کا کوئی حق نہیں اور حسب القواعد اس کے ترکہ کے بارہ حصے بنا کر $\frac{3}{12}$ بیوی کے اور $\frac{8}{12}$ بہنوں کے بحصہ برابر اور باقی $\frac{1}{12}$ عبد العزیز وغیرہ کو بحصہ برابر دئے جائیں اور اس کی تصحیح یعنی تقسیم بارہ ۱۲ کو دس ۱۰ میں ضرب دیکر ایک سو بیس ۱۲۰ سے ہوگی حسب الذیل :

صادق مسئلہ از ۱۲ تصحیح از ۱۲۰

کرم نشاں بیوی	روشنائی بہن	داراں بہن	عبد العزیز	صادق	عطا محمد	سماں	فلک شیر
۳۰/۱۲۰	۴۰/۱۲۰	۴۰/۱۲۰	۱/۱۲۰	۱/۱۲۰	۱/۱۲۰	۱/۱۲۰	۱/۱۲۰

حسن	شفیع	محمد علی	عارف علی	طفیل
۱/۱۲۰	۱/۱۲۰	۱/۱۲۰	۱/۱۲۰	۱/۱۲۰

کما فی السراجیۃ والفتاوی الھندیۃ ۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۳ محرم الحرام ۱۳۹۳ھ

۱۷-۲-۷۳



الاستفتاء

شجرہ نسب

بھنبہ ——— جیو بی بی

بگا | نور محمد | واصل | حاصل

خوشی محمد زندہ | جنت بی بی زندہ | باغ علی | نواب زندہ | رانوں زندہ | سباج زندہ | گاماں زندہ | بی بی برکت بی بی زندہ | نوراں زندہ

محمد شریف زندہ | محمد لطیف زندہ | اکبر بی بی زندہ | راستی زندہ

محمد یار زندہ | فاطمہ بی بی زندہ | نور محمد زندہ | رحمتے بی بی زندہ | شریفہ زندہ | گوماں بی بی زندہ | احمد دین

رحمت علی زندہ | تاج بی بی زندہ

چراغ | بختاور بی بی | رانوں بی بی زندہ | کالو ...... شفیہ بی بی زندہ

لاولد لاوارث

سرداراں بی بی زندہ | غلام محمد زندہ | تاج محمد زندہ | نور بھری زندہ | عزیز بی بی زندہ | فضل بی بی زندہ | امثل بی بی زندہ



مندرجہ بالا شجرہ نسب کے مطابق وراثت کالو اور بھنبہ متوفی کے وارثان کے



حصص کی تقسیم فرمائی جاوے۔

کمترین غلام محمد ولد چراغ ڈوگر ساکن بہلول پور تحصیل و پیپال پور

نشان انگوٹھہ غلام محمد ۲۷-۳-۷۳





شرعاً کالو کے وارث اس کی بیویاں اور بہن اور چراغ کے دونوں لڑکے ہیں کہ قریبی عصبے ہیں باقی بگلو وغیرہ کے لڑکے وارث نہیں، دونوں بیویوں کا حق چوتھائی اور بہن کا نصف اور دونوں بھتیجوں کا باقی ہے۔ یہ مسئلہ چار سے ہے اور تصحیح حسب القواعد آٹھ سے ہے۔ حسبِ ذیل :

کالو مسئلہ از ۴ تصحیح از ۸

میت

رانوں زوجہ	شفیعہ بی بی زوجہ	بختاور بی بی بہن	غلام محمد بھتیجا	تاج محمد بھتیجا	خوشی محمد وغیرہ سوتیلے بھتیجے
۱/۸	۱/۸	۴/۸	۱/۸	۱/۸	x

کما فی السراجیۃ بل فی القراٰن الکریم۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وعلیٰ اٰلہ واصحٰبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

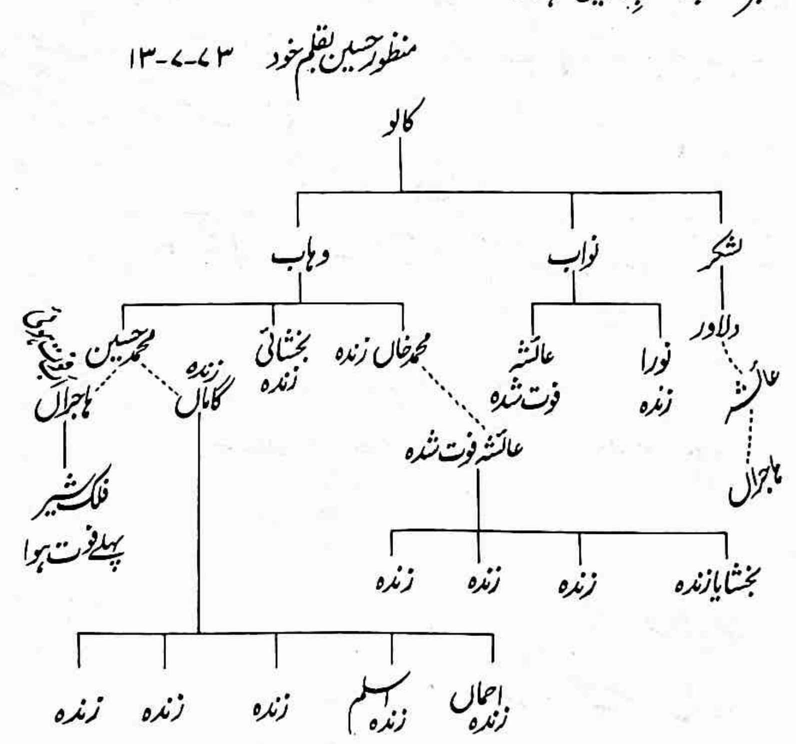
۲۱ صفر المظفر ۱۳۹۳ھ ۲۷-۳-۷۳



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین جبکہ کالو کے تین پسران لشکر، نواب، وہاب، اسکی ایک ہی بیوی کی اولاد ہیں۔ اب کالو کے پوتگان میں سے نورا، محمد خاں زندہ ہیں اور مسماۃ ہاجراں جو کہ کالو کی پڑپوتی ہے، لاولد فوت ہو چکی ہے، مسماۃ ہاجراں محمد حسین کی بیوہ ہے، محمد حسین کی دوسری بیوی مسماۃ گاماں سے احماں وغیرہ محمد حسین کے پسران و دختران زندہ ہیں۔ مسماۃ ہاجراں کی والدہ عائشہ نے بعد ازاں محمد خاں سے عقد کیا جس سے بخشایا اور اس کی تین ہمشیرگاں زندہ ہیں، اندریں حالات مسماۃ ہاجراں متوفیہ کے کون کون سے وارث ہیں اور ان کے کیا کیا حصے ہیں؟ شجرۂ نسب حسبِ ذیل ہے:

منظور حسین بقلم خود ۱۳-۷-۷۳









مسماۃ ہاجراں کے وارث نورا اور محمد خاں چچازاد بھائی اور عصبے ہیں اور اسکی والدہ عائشہ کی اولاد بخشایا وغیرہ بہن بھائی ہیں، بہن بھائیوں کا حصہ ایک بٹہ تین (۱/۳) میں بحصہ مساوی ہے اور باقی میں نورا اور محمد خاں بحصہ مساوی ہے، حسبِ ذیل:

ہاجراں مسئلہ از ۳ تصحیح از ۱۲

میت

نورا	محمد خاں	بخشایا	فجاں	داراں	سجاداں	باقی رشتہ دار محروم ہیں
۴/۱۲	۴/۱۲	۱/۱۲	۱/۱۲	۱/۱۲	۱/۱۲	



کما فی القرآن الکریم والسراجیۃ وغیرھا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۲/۷/۷۸

الاستفتاء

ولی داد ولد لدھو خاں قوم گدھو کا ڈاکخانہ سکنہ احمد گدھو کا تھانہ مکلوڈ گنج تحصیل منچن آباد



ضلع بہاولنگر اس کی اب وفات ہو چکی ہے، اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے مگر اس کی ایک بیوی سماۃ جنت ہے جو اب بھی زندہ ہے، اس میں سے ولی داد مرحوم کی اولاد دختر سردار بیگم، حسینہ بیگم، نور بیگم ہیں، اس کے علاوہ ولی داد کا ایک حقیقی بھائی ہے جس کا نام اللہ جوایا ہے جو تقریباً دس پندرہ سال سے فوت ہو چکا ہے نیز بیوی بھی فوت ہو چکی ہے، اس کی بیوی میں سے بڑا لڑکا محمد حسن، نذر محمد، غلام محمد اور ان کی ہمشیرہ منور بیگم، غلام عائشہ ہیں جو اب تک زندہ ہیں۔ ولی داد کا دوسرا بھائی جو ہے وہ سوتیلی ماں سے ہے، اس کا نام باقر خاں ہے، اس کی اولاد محرم، معروف، منظور، محبوب، فتح محمد اور سماۃ ہدایت، غلام فاطمہ ہیں مگر باقر خاں اور اس کی بیوی پہلے ہی فوت ہو چکے ہیں، اولاد زندہ ہے، شہرت کی رو سے یہ فتویٰ لگائیں کہ اس ولی داد کی وراثت کا کون مالک ہو سکتا ہے؟

سائل: بشیر احمد ولد فلک شیر قوم گدھو کا سکنہ احمد گدھو کا
تھانہ مکلوڈ گنج تحصیل منچن آباد ضلع بہاولنگر ۲۶/۵/۷۴





شرعاً ولی داد کے وارث اس کی بیوی جنت اور تین لڑکیاں سردار بیگم وغیرہا اور حقیقی بھائی کے تین لڑکے محمد حسن وغیرہ ہیں، ان کے علاوہ سوتیلے بھائی کے لڑکے محرم وغیرہ



اور دونوں بھائیوں کی لڑکیاں منور بیگم، غلام عائشہ اور مسماۃ ہدایت، غلام فاطمہ محروم ہیں، بیوی کا حصہ آٹھواں ہے اور لڑکیوں کا دو تہائی اور باقی حقیقی بھتیجوں کا ہے۔ حسبِ دستور یہ مسئلہ چوبیس سے ہے اور تصحیح بہتر ۷۲ سے ہے یعنی کل جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کے بہتر ۷۲ حصے بنا کر نسبت مذکور بالا کے لحاظ سے تقسیم کیے ہیں، حسبِ ذیل :

ولی داد مسئلہ از ۲۴ تصحیح از ۷۲

میت

جنت بیوی	سردار بیگم	حسینہ بیگم	نور بیگم دختران	محمد حسن	نذر محمد	غلام محمد بھتیجے	منور بیگم وغیرہا بھتیجیاں
۹/۷۲	۱۶/۷۲	۱۶/۷۲	۱۶/۷۲	۵/۷۲	۵/۷۲	۵/۷۲	محروم

نوٹ : یہ بہتر ۷۲ حصے کفن، دفن اور قرض و وصیت سے باقیماندہ ترکہ سے بنائے جائیں، كما في السراجية وغيرها۔

والله تعالٰی اعلم وصلی الله تعالٰی علٰی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔



حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۴ ار ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ ۷۵-۴-۲۶

الاستفتاء

محترم المقام جناب بزرگوار ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب

السلام علیکم : آداب و تسلیمات کے بعد حاملِ عریضہ ہٰذا مولوی نذیر احمد آپکی خدمت میں



ایک مسئلہ وراثت پیش کرتے ہیں جو کہ وضاحت طلب ہے، مسئلہ درج ذیل ہے:

ایک شخص مندرجہ ذیل پسماندگان چھوڑ کر فوت ہوا ہے:

ایک بیوی، ایک لڑکی شادی شدہ، دو بہنیں شادی شدہ، دیگر چچازاد بھائی وغیرہ وغیرہ، متوفی کا کچھ سامان بطور ورثہ ہے جس کے متعلق متوفی نے کوئی وصیت نامہ مرتے وقت نہیں کیا ہے، موجود ہے۔

براہِ مہربانی تفصیلاً تحریر فرمائیں کہ متوفی کی اِس وراثت کا زیادہ استحقاق مذکورانِ بالا میں سے کن کو زیادہ ہے یا بتدریجاً کس طرح تقسیم ہونا چاہئے؟

آپ کی نوازش ہوگی۔





سائل نے زبانی بیان کیا کہ متوفی کے ماں باپ، دادہ دادی سے کوئی زندہ نہیں تو اس کے وارث اس کی بیوی اور لڑکی اور ہمشیرگان جو بقول سائل حقیقی بہنیں ہیں، بیوی کا آٹھواں حصہ اور لڑکی کا نصف ہے اور باقی سب دو بہنوں کا حصّہ مساوی ہے۔ یہ مسئلہ حسب القواعد آٹھ سے ہے اور تصحیح سولہ سے ہے حسب ذیل:

میت فضل دین مسئلہ از ۸ تصحیح از ۱۶

بیوی	لڑکی	حقیقی ہمشیرہ ۱	حقیقی ہمشیرہ ۲	باقی محروم
۲/۱۶	۸/۱۶	۳/۱۶	۳/۱۶	

كما فی السراجية وغيرها۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وعلیٰ آلہٖ



وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ از بصیر پور ۲۱ محرم الحرام ۱۳۹۶ھ ۲۴-۱-۷۶

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میراث میں جس کا شجرۂ نسب ذیل درج ہے برخوردار خاں متوفی کے بازگشت حق داران جواب باثواب سے بحوالہ کتب ارشاد فرمائیں :

غریب خاں

زوجہ ۱ — زوجہ ۲

امام خاں — گامے خاں

بہادر خاں — حیدر خاں

علی محمد خاں — حسین خاں، سربلند خاں

برخوردار خاں — فاطمہ بیگم زندہ ہے — عائشہ بیگم لاولد — لاولد فوت برخوردار سے قبل ہوئی

عبدالشکور خاں — نیاز محمد خاں زندہ ہے — غفوراً زندہ ہے

مسماۃ سوندھی

محمد عمر خاں

مسماۃ سوندھی والدہ محمد عمر خاں سال ۱۹۶۰ء میں فوت ہوئی بیوہ عبدالشکور خاں

زوجہ ۱ مسماۃ پیباں — زوجہ ۲ لطیفاً لاولد ہے زندہ ہے — زوجہ ۳ مبارک بیگم زندہ ہے

رفیقاً زندہ ہے

نصرت بیگم زندہ ہے



نوٹ : برخوردار خاں، سال ۱۹۴۲ء میں مقام ٹوہانہ ضلع حصار فوت ہوا۔

سماۃ پیاتاں زوجہ برخوردار خاں ۱۹۴۱ء میں فوت ہوئی۔

سماۃ عائشہ بیگم دختر علی محمد خاں سال ۱۹۶۷ء میں مقام حویلی ضلع ساہیوال فوت ہوئی۔

عائشہ بیگم کے نرینہ اولاد نہ ہے، خاوند نیک محمد خاں زندہ ہے۔

سماۃ مبارک بیگم، لطیفاً بیوگان برخوردار خاں جائیداد پر قابض ہے۔

العارض : سعید احمد خاں ولد عبد الغفور خاں حویلی لکھا





برخوردار خاں کے ورثاء مبارک بیگم اور لطیفاً بیویاں اور مسماۃ رفیقاً اور نصرت لڑکیاں اور مسماۃ فاطمہ بیگم، عائشہ بیگم حقیقی بہنیں ہیں، حسب القواعد مسئلہ از ۲۴، تصحیح از ۴۸ ہے حسب ذیل :

برخوردار خاں مسئلہ از ۲۴ تصحیح از ۴۸

میت

مبارک بیگم زوجہ ۱/۲	لطیفاً زوجہ ۱/۲	رفیقاً	نصرت لڑکیاں	فاطمہ بیگم	عائشہ بیگم بہنیں
۳/۴۸	۳/۴۸	۱۶/۴۸	۱۶/۴۸	۵/۴۸	۵/۴۸

کما فی السراجیۃ وغیرھا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وعلی آلہ



واصحبہ و بارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۰ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ ۱۱-۴-۷۶

الاستفتاء

بخدمت جناب قبلہ وکعبہ سیّدی وسندی غوثی وغیاثی مجاہد فی سبیل اللہ عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت قبلہ فقیہ اعظم صاحب دامت برکاتہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد گزارش ہے کہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ وراثت مسمّٰی رحمت علی شاہ صاحب کی تین لڑکیاں زندہ اور ایک بھتیجا زندہ اور دو بھتیجے فوت شدہ اور بھتیجیاں زندہ ایک نواسہ اور ایک نواسی رحمت علی شاہ کی ستّر ایکڑ زمین حصے ور ان کے حصے کی تقسیم کیسے ہوگی؟ جواب سے مشکور فرمانا، ثواب ملے گا۔

آپ حضور کا خادم سگِ دربارِ نور: محمد امیر نوری، سکنہ وجھلانہ تحصیل دیپالپور ضلع ساہیوال



غسل، کفن دفن اور قرض و وصیت سے بچا ہوا سارا مال اس کی دو تہائی

تین لڑکیوں کا حق ہے اور باقی سب بھتیجا زندہ کا ہے اور فوت شدہ کا کوئی حق نہیں تو حسبِ دستورِ شرعِ پاک یہ مسئلہ تین سے آئے گا اور تصحیح ۹ سے ہوگی، حسبِ ذیل:

رحمت علی شاہ مسئلہ از ۳ تصحیح از ۹

رشیدہ بیگم	لطیف بیگم	نذیر بیگم	صدیق شاہ زندہ	مشتاق شاہ	طفیل شاہ فوت شدہ	اور
۲/۹	۲/۹	۲/۹	۳/۹	×	×	

تین بھتیجیاں ریاض شاہ نواسہ ثریا بیگم نواسی۔

× × ×

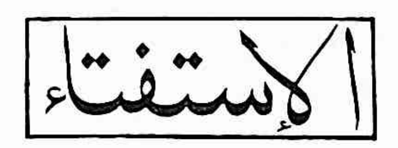
کذا فی السراجی وغیرہا من اسفار المذہب المہذب الحنفی و القرآن الکریم والاحادیث الشریفۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ ۱۱/۴/۷۸





کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص مسمّٰی کمالا فوت ہوگیا ہے اس کے پسماندگان میں ایک بیوی، دو لڑکیاں، ایک ہمشیرہ اور ایک بھائی موجود ہیں، متوفی کی



چھ مرلہ زمین ہے۔ یہ زمین ورثار کے درمیان تقسیم ہونے کا کیا حکم ہے۔

السائل : محمد شریف، بصیر پور ۷۷، ۶، ۵

نیز علاوہ ازیں دو مکان ایک شیشم کا درخت بھی ہے، اس کی تقسیم کا حکم کیا ہے
نیز متوفی پر قرض نہیں تھا اور کفن دفن بھی ہو چکا ہے۔

السائل : محمد شریف مدرس محلہ درس گاہ بصیر پور ضلع ساہیوال ۶/۷۷ ۵





شرعاً بیوی کا آٹھواں حصہ اور دو لڑکیوں کا حصہ دو تہائی اور باقی بہن اور بھائی کا ہے
یہ مسئلہ حسب القاعدہ چوبیس سے آئے گا اور تصحیح بہتر سے ہوگی، حسب ذیل :

کمالا مسئلہ از ۲۴ تصحیح از ۷۲

میت

زہرہ زوجہ	اسمار	اور حنیفاں لڑکیاں	ابراہیم بھائی	جیواں بہن
۹/۷۲	۲۴/۷۲	۲۴/۷۲	۱۰/۷۲	۵/۷۲

كذا في القرآن الكريم سورة النساء والسراجية وغيرها من كتب الفقه الحنفي۔

والله تعالى اعلم وصلى الله تعالى على حبيبه و



على آلہ وصحبہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۷ جمادی الاخری ۱۳۹۷ھ ۵ جون ۱۹۷۷ء

الاستفتاء



مسئلہ محمد یعقوب فوت ہو گیا ہے، اس کی پہلی بیوی سے ایک لڑکا محمد حیات ہے اور دوسری بیوی سے دو لڑکیاں ہیں اور پہلی بیوی اس کے انتقال سے قبل فوت ہو گئی تھی اور دوسری بعد میں فوت ہوئی ہے، اس کی وراثت کس طرح تقسیم ہوگی؟ بینوا توجروا

السائل : بشیر احمد بقلم خود



شرعاً محمد یعقوب کی دوسری بیوی کا آٹھواں حصہ ہے اور باقی سب مال لڑکے اور لڑکیوں کا ہے، لڑکے کا حق نصف باقی اور لڑکیوں کا باقی نصف ہے بحصہ مساوی،



حسبِ ذیل :

محمد یعقوب مسئلہ از ۸ تصحیح از ۳۲

میت

محمد حیات لڑکا	دو لڑکیاں	اور دوسری بیوی
۱۴/۳۲	۱۴/۳۲	۴/۳۲

کما فی القرآن الکریم والحدیث الشریف والفقہ المنیف

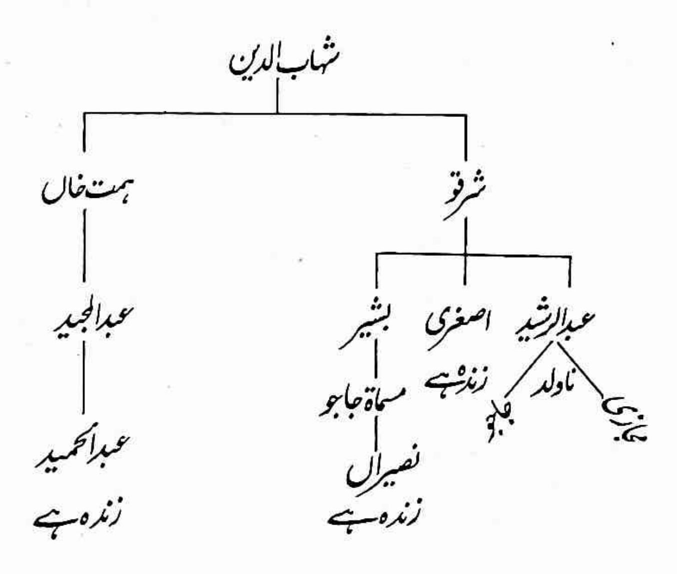
واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲-۶-۷۸









مرحوم عبدالرشید کی وراثت کے وارثین حسبِ ذیل :

دو عدد عورتیں زندہ ہیں اور ایک عدد ہمشیرہ زندہ ہے اور شہاب الدین
سے چوتھی پشت پر عبدالحمید زندہ ہے۔
ایک بھتیجی زندہ ہے۔





دونوں عورتوں کا حق جو عبدالرشید کی بیوہ بیویاں ہیں، چوتھائی ہے، قرآنِ کریم میں ہے ولهن الربع مما تركتم ان لم يكن لكم ولد (پ۴ ع۱۳ آیت ۱۲) اور بہن کا حق نصف ہے، قرآنِ کریم میں ہے ان امرؤ هلك ليس له ولد وله اخت فلها نصف ما ترك (پ۶ ع۴۷ آیت ۱۷۶) اور باقی سب عبدالحمید کا ہے جو عصبہ ہے، حدیث شریف میں ہے الحقوا الفرائض باهلها فما بقي فهو لاولى رجل ذكر بخاری شریف جلد ثانی ص ۹۹۷۔

یہ مسئلہ چار سے ہے اور تصحیح آٹھ سے یعنی کل مال جو کفن دفن اور قرض و وصیت سے بچا اس کے آٹھ حصے بنا کر یوں تقسیم کیا جائے۔

عبدالرشید مسئلہ از ۴ تصحیح از ۸

میت

مجازی بیوی	جاجو بیوی	اصغری بہن	عبدالحمید بھتیجا	نصیراں
۱/۸	۱/۸	۴/۸	۲/۸	محروم



واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الاعظم وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۱۱ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ ۸-۱۲-۷۸-۱۲



الاستفتاء

جناب عالی

گذارش ہے کہ میرا ماموں محمد رمضان ولد ابراہیم مورخہ ۷۹/۱/۴ کو قضائے الٰہی سے فوت ہو گئے ہیں، اس نے تین شادیاں کیں ۱۔ فتح بی بی ۲۔ رحمت بی بی ۳۔ فاطمہ بی بی۔
۱۔ فتح بی بی کی دو لڑکیاں گلزار بی بی اور وزیراں بی بی ہیں جو کہ زندہ ہیں جبکہ فتح بی بی مر گئی ۲۔ رحمت بی بی بغیر اولاد کے فوت ہو گئی اور ۳۔ فاطمہ بی بی بغیر اولاد کے زندہ ہے۔

۲۔ جناب عالی! میرے ماموں محمد رمضان کی چار بہنیں تھی، دو بہنیں بڈھاں اور رانوں ہندوستان میں فوت ہو گئیں اور دو بہنیں کاکی اور راج بی بی زندہ ہیں، جو بہنیں فوت ہو گئی تھیں ان کی اولاد ہے جو حقدار ہیں، ان کو کتنا کتنا حصہ جائے گا۔

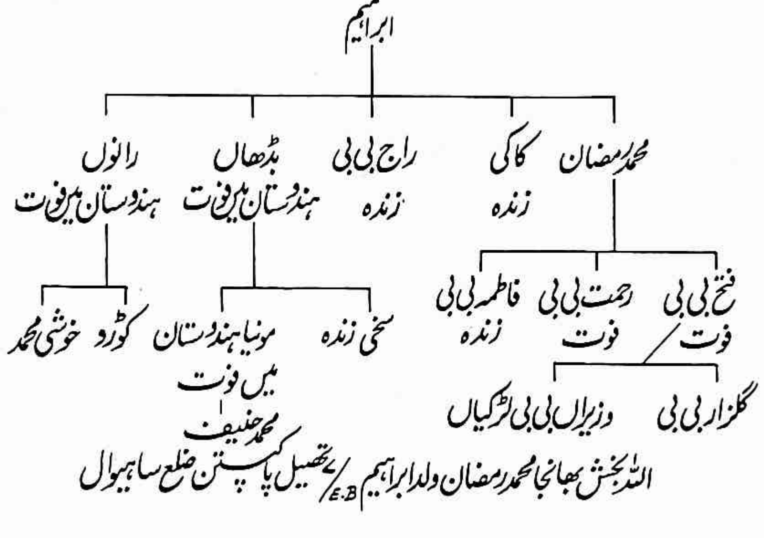
۳۔ عالی جاہ! میرے ماموں محمد رمضان کا کوئی حقیقی بھائی یا بھتیجہ نہیں ہے بلکہ محمد رمضان کے والد ابراہیم کے بھائی دتہ، فتا تھے، ان کے پوتے پوتیاں زندہ ہیں۔ محمد رمضان کا والد



ہندوستان میں پاکستان بننے سے قبل بیس۲۰ سال فوت ہو گئے تھے۔

۴۔ سوال ۱ یہ ہے آیا جو بہنیں ہندوستان میں فوت ہو گئی تھی، ان کی اولاد کو حصہ جائیگا یا کہ نہیں؟

۵۔ سوال ۲ جو محمد رمضان کے والد ابراہیم کے بھائیوں کے پوتے پوتیاں ہیں، ان کو حصہ جائے گا یا کہ نہیں، عالی جاہ! فتویٰ دے کر مشکور فرمادیں اور رمضان کا شجرہ ذیل ہے؛



اللہ بخش بھانجا محمد رمضان ولد ابراہیم E.B/7 تحصیل پاکپتن ضلع ساہیوال





محمد رمضان کی بیوی فاطمہ بی بی کا آٹھواں حصہ ہے اور دو لڑکیوں گلزار بی بی،



وزیراں بی بی کا دو تہائی اور باقی سب دونوں بہنیں کاکی اور راج بی بی کا حق ہے۔ یہ مسئلہ چوبیس ۲۴ سے ہے اور تصحیح اڑتالیس سے ہے:

محمد رمضان مسئلہ از ۲۴ تصحیح از ۴۸

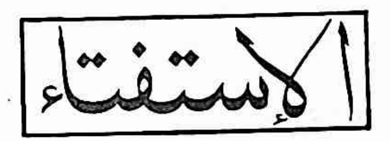
میت

فاطمہ بی بی	گلزار بی بی	وزیراں بی بی لڑکیاں	کاکی اور راج بی بی بہنیں		باقی سب محروم
۶/۴۸	۱۶/۴۸	۱۶/۴۸	۵/۴۸	۵/۴۸	

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۴ ربیع الثانی ۱۳۹۹ھ ۲۳-۷-۷۹





نہایت ہی واجب الاحترام بزرگ فقیہ اعظم حضرت علامہ نعیمی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:-

عرض ہے کہ میرے والد صاحب مرحوم ومغفور کی اولاد میں ہم تین بھائی اور چھ بہنیں اور میری والدہ ہیں، میرے والد صاحب مرحوم کی تمام جائیداد کی نقد رقم بنالی ہے، اب اس رقم میں ہم تینوں بھائیوں کا کتنا حصہ ہے؟ اور چھ بہنوں کا کتنا حصہ ہے؟ اور ہماری والدہ کا کتنا حصہ ہے؟ برائے مہربانی جواب جلدی دیجئے، عین نوازش ہوگی، فقط

کریمی جنرل سٹور، لال چند آباد، میرپور خاص

سندھ، حیدر آباد







کفن و دفن اور قرض اور وصیت سے باقیماندہ مال کا آٹھواں حصہ بیوی کا حق ہے اور باقی سات حصے کل تین لڑکوں اور چھ لڑکیوں کے ہیں۔ حسب القواعد یہ مسئلہ آٹھ سے ہے اور تین بیٹے چھ بیٹیاں شمار ہونگی کیونکہ ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے، قرآن کریم میں ہے فللذکر مثل حظ الانثیین اور آٹھ میں سے باقیماندہ سات حصے بارہ پر صحیح تقسیم نہیں ہوسکتے لہٰذا بارہ کو آٹھ میں ضرب دے کر چھیانوے بنا کر چھیانوے کا آٹھواں حصہ جو بارہ ہیں، بیوی کا بنے گا اور چھیانوے سے سات حصے ہر ایک لڑکی کے اور ہر لڑکے کے چودہ حصے ہیں۔

سراجیہ ص ۱۸ میں ہے والثمن من ثمانیۃ اور ص ۲۲ میں ہے والثالث ان لا تکون بین سہامہم و رءوسہم موافقۃ الخ ھکذا :

زید مسئلہ از ۸ تصحیح از ۹۶

میت

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۱۲/۹۶	۱۴/۹۶	۱۴/۹۶	۱۴/۹۶	۷/۹۶	۷/۹۶	۷/۹۶	۷/۹۶	۷/۹۶	۷/۹۶

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وخیر خلقہ



سیدنا محمد و آلہ و اصحٰبہ اجمعین۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ ۳۰-۳-۸۰

الاستفتاء

کوٹ رادھا کشن سے سائل نے سوال کیا کہ متوفی محمد علی کے وارث اس کی بیوی اور والدہ بختاور بی بی اور دو حقیقی بھائی سردار محمد اور گلزار اور والدہ بختاور بی بی کی تین لڑکیاں جو دوسرے خاوند سے ہیں اور تین لڑکے ہیں جو بختاور بی بی کے دوسرے خاوند کی دوسری بیوی سے ہیں تو اس کی وراثت کیسے تقسیم ہوگی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ:



بیوی کا چوتھا حصہ ہے اور والدہ کا چھٹا حصہ اور تینوں سوتیلی بہنوں کا تیسرا حصہ ہے اور باقی دونوں حقیقی بھائیوں کا ہے۔ حسب القاعدہ یہ مسئلہ ۱۲ سے ہے، ۳ بیوی کے اور دو



ماں کے اور تین بہنوں کے چار حصے اور باقی سب دونوں بھائیوں کا ہے اور باقی تین لڑکے محروم ہیں مگر تصحیح بہتر ۷۲ سے ہے، حسبِ ذیل ؛

محمد علی مسئلہ از ۱۲ تصحیح از ۷۲

میت

بیوی	ماں	سوتیلی بہن	بہن	بہن	دو حقیقی بھائی سردار	محمد گلزار	تین بھائی جو والدہ
۱۸/۷۲	۱۲/۷۲	۸/۷۲	۸/۷۲	۸/۷۲	۹/۷۲	۹/۷۲	×

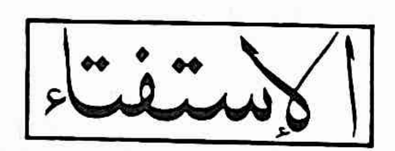
کے دوسرے خاوند کے لڑکے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ سیدنا و مولٰنا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۹ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۰ھ   ۲۵/۴/۸۰





الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی حاجی موسٰے خاں کا انتقال ہو گیا ہے اور نرینہ اولاد نہیں صرف دو لڑکیاں اور دو حقیقی بہنیں اور دو حقیقی بھائیوں کی اولاد ہیں تو ان کا ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے، بینوا بالصواب توجروا۔

سائل : محمد حسین بقلم خود

نوٹ : اور حاجی صاحب متوفی کی ایک بیوی بھی ہے جس کا نام حاجن فاطمہ بی بی



ہے اور سکینہ بی بی، صفیہ بی بی لڑکیاں ہیں اور دو ہمشیرہ ہیں غلام جنت غلام فاطمہ اور
بھتیجے محمد حسین و محمد اصغر و محمد سلیمان، محمد رمضان ہیں۔

محمد حسین بقلم خود





شرعاً بیوی کا آٹھواں حصہ ہے اور دو لڑکیوں کا دو تہائی ہے اور باقی
دو بہنوں کا ہے اور بھتیجے وغیرہ محروم ہیں کما فی القرآن الکریم والسراجیۃ والفتاوی الھندیۃ

مسئلہ از ۲۴ تصحیح از ۴۸

میت

حاجن فاطمہ، بیوی	سکینہ بی بی	صفیہ بی بی، لڑکیاں	غلام جنت	غلام فاطمہ بہنیں
۶/۴۸	۱۶/۴۸	۱۶/۴۸	۵/۴۸	۵/۴۸

سراجیہ ص ۸ میں ہے والثمن مع الولد اور اسی صفحہ میں ہے والثلثان للاثنتین فصاعدۃ اور ص ۱۵ میں ہے کالاخت مع البنت لما ذکرنا وکذا فی الھندیۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ و

صحبہ و بارک و سلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۶ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ ۸۱-۲-۲۲

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسماۃ شاہلاں فوت ہوئی اوراس کی والدہ مسماۃ گاماں اور دو حقیقی بہنیں مسماۃ فجاں و نورسین اور تین حقیقی چچے غلام، وریام، بخشایا زندہ ہیں تو اس کی وراثت کا کون مستحق ہے اور کس طرح حصص ہیں بینوا توجروا۔

شجرۂ نسب

الٰہی بخش

میت

رحیم فوت ہو چکا ہے — غلام زندہ — وریام زندہ — بخشایا زندہ

رحیم:

مسماۃ گاماں زوجہ رحیم — مسماۃ فجاں زندہ — مسماۃ شاہلاں متوفیہ — مسماۃ نورسین زندہ

السائل: بخشایا

چک 39/D تحصیل دیپال پور ضلع منٹگمری

بخشایا بقلم خود







مسماۃ شاہلاں کی مملوکہ متروکہ جائیداد کا چھٹا حصہ مسماۃ گاماں والدہ کا اور دو تہائی دونوں بہنوں اور باقی چچوں کا ہے اور یہ مسئلہ چھ سے آئے گا اور اٹھارہ سے تصحیح ہے، حسبِ ذیل:

شاہلاں مسئلہ از ۶ تصحیح از ۱۸

میت

گاماں والدہ	فجاں بہن	نورسین بہن	غلام چچا	دریام چچا	بخشایا چچا
۳/۱۸	۶/۱۸	۶/۱۸	۱/۱۸	۱/۱۸	۱/۱۸



سراجیہ ص ۱۲ میں ہے او مع الاثنین من الاخوۃ و الاخوات، نیز ص ۱۰ میں ہے والثلثان للاثنتین اور ص ۱۴ میں ہے ثم بالعصبات نیز ص ۱۸ میں ہے کالستۃ ھی مخرج للسدس و لضعفہ و لضعف ضعفہ اور ص ۲۲ میں ہے فیضرب کل عدد رءوس من انکسرت علیہم السہام فی اصل المسئلۃ۔

و اللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و الہ وصحبہ و سلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اِس بارے میں کہ میرے والد صاحب



تین بھائی تھے اور ان کی ایک بہن ہے، دو بھائیوں کی اولاد موجود ہے اور تیسرا بھائی لاولد فوت ہو چکا ہے، اس کی وراثت کے حقدار مندرجہ ذیل افراد ہیں، از روئے شریعت انہیں کتنا کتنا حصہ ملے گا؟ یہ سب بہن بھائی ایک والد اور ایک ہی والدہ سے ہیں اور ان کے والدین پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔

نقشہ ورثاء

برادران: (۱) فتح محمد عرف فتاّ مرحوم (۲) اسماعیل مرحوم (۳) جمیل مرحوم

فتاّ مرحوم: لاولد — زوجہ فوت شدہ قبل از مرگ فتاّ

اسماعیل مرحوم: لڑکا محمد صادق، لڑکی شہادت

جمیل مرحوم: لڑکا محمد امین، لڑکی وزیر بیگم، شاہ بیگم

نوٹ: اسماعیل اپنے لاولد بھائی فتاّ سے پہلے فوت ہوا تھا اور جمیل اپنے بھائی فتا کے بعد فوت ہوا ہے۔

سائل: محمد امین بھتیجا فتح محمد عرف فتا مرحوم لاولد





نور بیگم ہمشیرہ کا حصہ ایک تہائی اور محمد امین برادر زادہ کا بھی ایک تہائی ہے اور وزیر بیگم شاہ بیگم برادر زادیوں کا حصہ مشترکہ باقی ایک تہائی ہے یعنی چھٹا چھٹا حصہ ہے اور محمد صادق



وغیرہ محروم ہیں۔

یہ مسئلہ تین سے ہے اور تصحیح چھ سے ہے، حسبِ ذیل:

فتاّ، مسئلہ از ۳ تصحیح از ۶

میت

اولادِ اسماعیل	محمد صادق شہادت	برادر جمیل	شاہ بیگم دختران	وزیر بیگم	محمد امین برادر زادہ	نور بیگم حقیقی بہن
	۲/۶	۲/۶	۱/۶	۱/۶	×	×

اسماعیل چونکہ فتاّ سے قبل فوت ہوا ہے لہٰذا اس کی اولاد فتاّ کی وراثت سے محروم ہے بحکم الکتاب والسنۃ والفقہ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحٰبہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۲۰ صفر المظفر ۱۳۹۰ھ ۲۷/۴/۷۰





سوال ۱

میت

زوجہ	بنات	اخوات لاب وام
۱	۲	۴

سوال ۲ طوطا حلال ہے یا حرام باحوالہ۔

حضرت ذی المراتب والجاہ مولانا حافظ سید مراتب علی شاہ صاحب
مہتمم مدرسہ رضویہ عارفوالہ
۲۸ رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ







(۱) تجہیز وتکفین وغیرہ سے باقیماندہ ترکہ کا آٹھواں حصہ زوجہ اور دو تہائی لڑکیوں کا اور باقی کل بہنوں کا ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے فان کان لکم ولد فلھن الثمن نیز فرمایا للذکر مثل حظ الانثیین۔ شریفیہ ص ۱۲ میں ہے وادنیٰ مراتب الاختلاط ابن وبنت فللابن حینئذ الثلثان بالاتفاق فعرف بھٰذہ الاشارۃ ان البنتین لھما الثلثان فی الجملۃ الخ ابوداؤد ج ۲ ص ۴۴، ترمذی ج ۲ ص ۳۰، ابنِ ماجہ ص ۲۰۰، مستدرک ج ۴ ص ۳۳۴، دارقطنی ص ۴۵۸ وغیرھا میں بکلماتِ متقاربہ مرفوعاً ہے اعط ابنتی سعد الثلثین وامھما الثمن نیز صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۸، ابوداؤد ج ۲ ص ۴۴، ترمذی ج ۲ ص ۳۰، ابنِ ماجہ ۲۰۰، مستدرک ج ۴ ص ۳۳۵ وغیرہا میں مرفوعاً ہے وما بقی فللاخت سراجیہ ص ۸، ہندیہ ج ۴ ص ۴۰۴ میں ہے والثمن مع الولد نیز سراجیہ ص ۸، ہندیہ ج ۴ ص ۴۰۳ میں ہے وللبنتین فصاعدا الثلثان تفسیر مظہری ج ۲ قسم ۲ ص ۲۳ میں ہے وعلیہ انعقد الاجماع نیز سراجیہ ص ۱۰، ہندیہ ج ۴ ص ۴۰۴ میں ہے ولھن الباقی مع البنات تو یہ مسئلہ حسب القواعد ۲۴ سے آئے گا اور تصحیح ۹۶ سے ہوگی ھٰکذا :

میت   مسئلہ از ۲۴   تصحیح از ۹۶

زوجہ	بنت	بنت	اخت	اخت	اخت	اخت
۱	۱	۲	۱	۲	۳	۴
۱۲/۹۶	۳۲/۹۶	۳۲/۹۶	۵/۹۶	۵/۹۶	۵/۹۶	۵/۹۶



(٢) طوطا حلال ہے، قرآنِ کریم میں ہے خلق لکم ما فی الارض جمیعا نیز فرمایا عفی اللہ عنہا اور احادیث ابوداؤد، ابنِ ماجہ، ترمذی، حاکم، بیہقی وغیرہا سے صراحۃً یہ عفو واباحتِ اصلیہ آفتاب سے بھی زیادہ نمایاں ہے اور تصریحاتِ قواعد وضوابطِ فقہیہ متعلقۂ حلّ وحرمتِ حیوانات سے بھی اس کا حلال ہونا روزِ روشن کی طرح واضح ہے بلکہ اس کی تصریح بھی موجود ہے۔ میزانِ شعرانی ج۲ ص ۶۲، رحمۃ الامۃ ج۱ ص ۱۷۱ والنظم من المیزان قول الائمۃ الثلثۃ (الامام الاعظم والامام مالک والامام احمد) فی المشہور عنہم انہ لاکراہۃ (الیٰ ان قال) والببغاء والطاؤس۔ فتاوی برہنہ ج۲ ص ۱۵۲ میں ہے وہچنیں طوطی وعلیہ الفتوٰی تو امس وشمس کی طرح ثابت ہوا کہ طوطا حلال ہے والتفصیل فی الفتاوی النوریۃ ج۱ ص ۱۶۱) (وفی المطبوعۃ ج۳ ص ۳۳۵ مرتب)



واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاکرم وآلہٖ واصحابہٖ ذوی الکرم۔

حرّرہ الفقیر ابوالخیر محمّد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۹ رمضان المبارک ۷۹ سنہ

عـه ج۲ ص ۱۸۳ عـه ص ۲۴۹ سـه ج۱ ص ۲۰۶ للعـه ج۲ ص ۳۱۷ صـه ج۹ ص ۳۳۰، ج۱۰ ص ۱۲


مناسخه

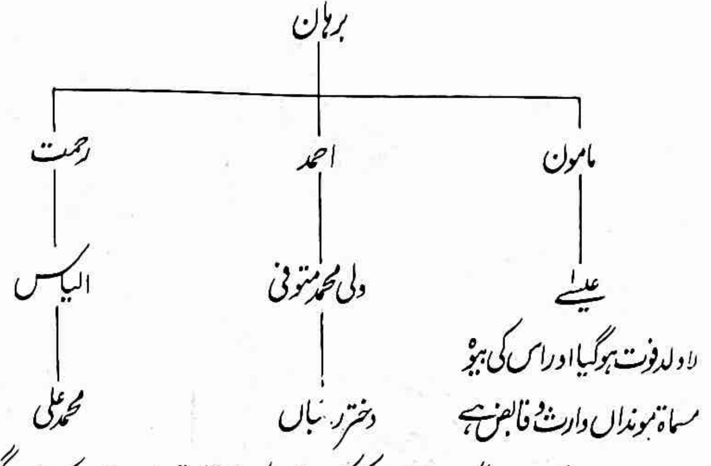


بابُ المناسخة

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ ولی محمد انگریزی دور میں فوت ہوگیا اور اس وقت وارث موجود اس کی والدہ مسماۃ تاجاں، بیوی مسماۃ فاطمہ، لڑکی مسماۃ رائباں اور اس کے چچے کا بیٹا مسمیٰ محمد علی ہے، شجرہ حسب نسب ذیل ہے :







تو حسبِ دستورِ انگریزی ولی محمد کی کل جائیداد کا انتقال ناجاں والدہ کے نام ہوگیا، بعد ازاں مسماۃ ناجاں بھی فوت ہوگئی اور اس کے صرف دو بھائی محمد عبداللہ و محمد خلیل زندہ ہیں اور ولی محمد متوفی کی لڑکی اور بیوہ اور بھتیجا محمد علی زندہ ہیں تو اب از روئے قانونِ وراثتِ شرعیہ تقسیم جائیداد کس طور پر ہوگی۔ آیا اب صرف ناجاں کو مورث قرار دیا جائے گا یا ولی محمد بھی مورث مانا جائے گا۔ بینوا توجروا۔



مسماۃ ناجاں کے نام انتقال انگریزی دور میں برائے گزر اوقات بصورتِ امانت تھا کہ انگریزی قانونِ وراثت میں مستورات کے لئے حقوق مالکانہ نہیں تھے اور بعد از وفات باز گشت ہی مالک متصور ہوتے تھے اور ان کے نام انتقال مستقل ہو جایا کرتا تھا تو اصل مورث ولی محمد ہے اس کی جائیداد اولاً مذکورہ بالا چار وارثوں پر تقسیم کی جاوے گی۔ والدہ کا چھٹا حصہ، بیوی کا آٹھواں



لڑکی کا نصف حصہ، باقی کل بھتیجے کا ہے ھٰکذا:

ولی محمد مسئلہ از ۲۴

میت

ناجاں والدہ	فاطمہ بیوی	رائباں دختر	محمد علی بھتیجا
۴	۳	۱۲	۵

قرآنِ کریم میں ہے ۱۔ ولابویہ لکل واحد منہما السدس

۲۔ فلہن الثمن ۳۔ فلہا النصف ۴۔ للرجال نصیب الآیۃ (سورۃ النساء)

اور ناجاں کے وارث دو بھائی اور پوتی مذکور ہیں، پوتی کا نصف اور باقی دو بھائیوں میں مساوی طور پر تقسیم ہوگا ھٰکذا:

ناجاں مسئلہ از ۲ تصحیح ۴

میت

پوتی رائباں	محمد عبداللہ برادر	محمد خلیل برادر
۲	۱	۱



للآیات المذکورۃ والاحادیث۔ یہ صورتِ مناسخہ ہے۔

الحاصل محمد علی بھتیجا کے لئے ولی محمد متوفی کی کل جائیداد کے چوبیس حصوں میں سے صرف پانچ حصے ہیں اور بیوی فاطمہ کے لئے تین حصے ہیں اور ماں کے لئے چار حصے تھے جن سے دو حصے رائباں کو ملے اور ولی محمد کی طرف سے رائباں کو ۱۲ حصے ملے تو رائباں کے پاس کل چودہ حصے ہوئے، باقی ماں کے دو حصے اس کے بھائیوں کے ہیں۔

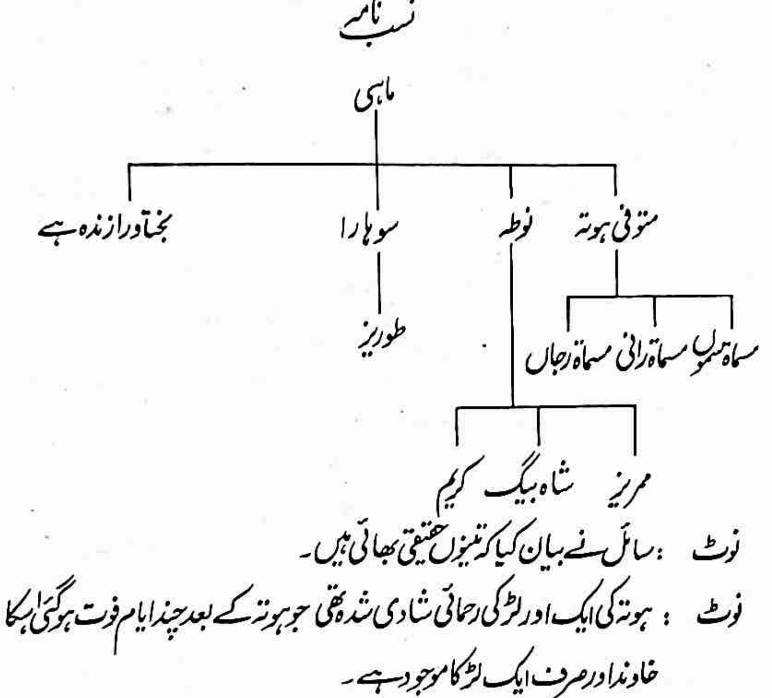
واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۹ شوال المکرم ۱۳۸۵ھ



الاستفتاء





نوٹ : سائل نے بیان کیا کہ تینوں حقیقی بھائی ہیں۔

نوٹ : ہونۃ کی ایک اور لڑکی رحمائی شادی شدہ تھی جو ہونۃ کے بعد چند ایام فوت ہوگئی اسکا خاوند اور صرف ایک لڑکا موجود ہے۔

ماہی عطیہ دار پہلے فوت ہوچکا ہے جس کے چار وارث ہونۃ، نوطہ، سوہاوا، بختاورا جن کے نام انتقال ہوچکا ہے، نوطہ بھی فوت ہوچکا ہے جس کے حصہ کے مالک مرریز بیگ کریم ہے اور سوہاوا بھی فوت ہوگیا جس کے حصے کا مالک طوریز ہے، بختاورا حصہ دار خود زندہ ہے اب ہونۃ حصہ دار فوت ہوگیا ہے جس کا فیصلہ مطلوب ہے۔ ہونۃ حصہ دار کی تین لڑکیاں مسماۃ سموں رانی رجاں ہیں۔ سموں، رانی شادی شدہ ہیں اور مسماۃ رجاں کنواری ہے



مساۃ سموں، رانی بیان کرتی ہیں کہ ہمارا حصہ بھی مساۃ رجاں جو کہ کنواری ہے، ہماری ہمشیرہ ہے اس کو دیا جاوے۔ آپ اس کے متعلق فتوٰی شریعت تحریر کریں، ہوتہ متوفی کا حصہ کس کس کو اور کتنا کتنا ہر ایک کو ملنا چاہیئے، مکرر طور ریز ولد سوہادا کا کھاتہ الگ ہے، باقی مشترکہ ہے۔

السائل : بختاورا ولد ماہی، سکنہ چک نمبر ۴۰



ہوتہ متوفی کی چاروں لڑکیاں رحمائی، سموں، رانی، رجاں دو تہائی کی وارث ہیں اور مسمے بختاورا کا باقی ایک $\frac{1}{3}$ ہے، سراجیہ ص ۸ میں ہے و الثلثان للاثنتان فصاعدۃ نیز ص ۱۴ میں ہے جزء ابیہ ای الاخوۃ۔ مسئلہ تین سے آئے گا اور چھ سے تصحیح ہوگی، حسب ذیل :

ہوتہ متوفی مسئلہ از تین ۳ تصحیح از چھ ۶

میت

رحمائی	رانی	سموں	رجاں	بختاورا برادر حقیقی
$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{2}{6}$

مسمیان مرزیز شاہ بیگ کریم طور ریز محروم ہیں اور مساۃ رحمائی لڑکی جو فوت ہو چکی ہے اس کے وارث اس کا خاوند اور لڑکا ہیں، خاوند کا اپنی بیوی مساۃ رحمائی کے ترکہ سے $\frac{1}{4}$ اور لڑکے کے $\frac{3}{4}$ حصے ہیں اور جو لڑکیاں عاقلہ بالغہ اپنا حصہ بطور رضا و رغبت ہبہ کریں تو کر سکتی ہیں



واللّٰہ تعالیٰ اعلم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی حبیبہٖ

والہٖ وصحبہٖ وسلم۔

حرّرہ الفقیر ابوالخیر محمّد نوراللّٰہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء



کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ مسمّی عبدالخالق شاہ

فوت ہوا، ورثاء حسبِ ذیل ہیں :

متوفی عبدالخالق شاہ

محسن شاہ برادرِ حقیقی زندہ — جنت ہمشیرہ حقیقیہ زندہ — زینب ہمشیرہ حقیقیہ زندہ، بعد میں فوت ہوئی

مساۃ بیگاں والدہ حقیقی متوفی زندہ — مسماۃ نورجاں بیوی متوفی زندہ

مظہر علی لڑکا — انور بی بی — حسنہ بی بی لڑکی

السائل : محسن شاہ موضع ڈولو وال ضلع منٹگمری

نوٹ : سائل کی زبانی معلوم ہوا کہ مسماۃ زینب کا خاوند مسمّٰی محمد نواز بھی

موجود ہے۔





والدہ کا $\frac{1}{6}$ بیوی کا $\frac{1}{4}$ باقی بھائی اور بہنوں کا، دو حصے بھائی کے اور ایک ایک بہنوں کا، مسئلہ ۱۲ سے اور تصحیح ۴۸ سے ہوگی، حسبِ ذیل :

عبدالخالق مسئلہ از ۱۲ تصحیح از ۴۸

میت

بیگاں والدہ	نورجاں بیوی	محسن شاہ برادر	جنت ہمشیرہ	زینب ہمشیرہ
$\frac{8}{48}$	$\frac{12}{48}$	$\frac{14}{48}$	$\frac{7}{48}$	$\frac{7}{48}$

بعدازاں مسماۃ زینب ہمشیرہ کا حصہ اس کے ورثاء میں تقسیم ہوگا، والدہ کا $\frac{1}{6}$ خاوند کا $\frac{1}{4}$ باقی کا نصف لڑکے کا اور چوتھائی چوتھائی لڑکیوں کی، حسبِ ذیل ہے :

زینب مسئلہ از ۱۲ تصحیح از ۴۸

میت

مسماۃ بیگاں والدہ	محمد نواز خاوند	مظہر علی لڑکا	انور بی بی لڑکی	حسنہ بی بی لڑکی
$\frac{8}{48}$	$\frac{12}{48}$	$\frac{14}{48}$	$\frac{7}{48}$	$\frac{7}{48}$

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۸ر شوال المکرم ۱۳۷۱ھ



الاستفتاء

- باگڑ
  - گھنا
    - سردارا
      - جہانگیر فوت ہوچکا ہے
      - امیر زندہ
      - شمیر زندہ
    - طاہرا
      - محمد بشیر زندہ ہے
  - ماہی
    - مسماۃ سباں مرگئی
    - مسماۃ کرم بھری مرگئی
    - مسماۃ بختاور زندہ ہے شادی شدہ
    - مسماۃ رانی زندہ ہے شادی شدہ
  - علیا مرگیا
    - مسماۃ سیانی بیوہ علیا زندہ ہے
  - منتعلی
    - رانجھا مرگیا
    - ماہی زندہ ہے

نوٹ : مسماۃ سباں مسماۃ کرم بھری دختران ماہنی فوت ہو چکی ہیں، ان کی وراثت کا فتویٰ بنا کر دلوائیں ماہنی کی وراثت پہلے انکی دوسری لڑکیوں کے نام نہیں ہے کیونکہ شادی شدہ تھیں۔ آپ پوری وضاحت کر دیویں کہ مسمات سباں، مسماۃ کرم بھری کی وراثت کس کو ملے گی؟

نوٹ : سائل زبانی مظہر کہ مسمی ماہنی کی وفات سے پہلے مسمی گھنا فوت ہو گیا تھا اور مسمے علیا بعد میں فوت ہوا اور ایسے ہی مسمے منتعلی بھی بعد میں فوت ہوا، نیز بوقت وفات ماہنی اس کی بیوی مسماۃ جنداں زندہ تھی اور کل جائیداد حسب قانون انگریزی عارضی طور پر اس کے نام انتقال کی گئی اور جب وہ فوت ہوئی تو عارضی طور مسماۃ سباں اور مسماۃ کرم بھری کے نام انتقال ہوا نیز مسماۃ جنداں کی چار لڑکیاں زندہ ہیں جو کہ ماہنی کی لڑکیاں مندرجہ بالا ہیں اور کچھ مسماۃ جنداں کے دور کے عصبات ہیں اور مسماۃ سباں اور کرم بھری شادی سے پہلے ہی فوت ہو گئیں اور اس وقت ان کے چچازاد بھائیوں سے رانجھا اور ماہی ہی زندہ تھے، سردارا اور طاہرا پہلے فوت ہو چکے تھے اور ایسے ہی علیا اور منتعلی پیچھے بھی۔

السائل : امیر ولد سردارا چک ۳۵/۵ ڈی تحصیل دیپال پور ضلع منٹگمری









انگریزی دور میں مستورات کے نام انتقالات عموماً محض عارضی نکاح و وفات تک ہوا کرتے تھے اور اصل مستحق وباز گشت عصبات ہی ہوا کرتے تھے لہٰذا ایسے مسائل میں یہ ضروری ہے کہ مورث کی وفات کے وقت جو لوگ شرعاً مستحق وراثت تھے ان پر تقسیم کردی جائے اور جو اُن میں سے فوت ہو گئے ان کے حصے ان کے وارثوں میں شرعی طور پر تقسیم کر دیئے جائیں تو مسمّٰی ماہی کی وفات کے وقت اس کے وارث حسبِ ذیل ہیں، بیان سائل کے لحاظ سے، بسمیان علیا، منتلی برادران مسمات جنداں، مسمیات سباں، کرم بھری، بختاور، رانی، دختران، شرعاً جنداں کا $\frac{1}{8}$ حصہ اور لڑکیوں کا $\frac{2}{3}$، باقی کل مسمیان علیا، منتلی برادران، یہ مسئلہ چوبیس سے آئیگا اور تصحیح اڑتالیس سے ہوگی، حسبِ ذیل:

میت ماہی مسئلہ از ۲۴ تصحیح از ۴۸

جنداں بیوی	سباں دختر	کرم بھری دختر	بختاور دختر	رانی دختر	علیا برادر	منتلی برادر
$\frac{6}{48}$	$\frac{8}{48}$	$\frac{8}{48}$	$\frac{8}{48}$	$\frac{8}{48}$	$\frac{5}{48}$	$\frac{5}{48}$

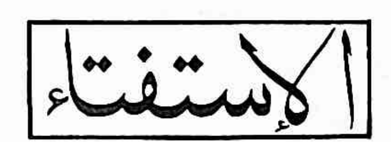
اب جبکہ مسماۃ سباں اور کرم بھری فوت ہو چکی ہیں تو ان کے خالص اپنے حصے حسبِ تقسیم مندرجہ بالا اور جو کچھ انہیں شرعاً اپنی والدہ جنداں کی جائیداد سے ملے، اس مجموعے کے وارث ان کی دو بہنیں بختاور، رانی اور دو چچازاد بھائی رانجھا اور ماہی ہیں۔ بہنوں کا کل حصہ



۲/۳ اور بھائیوں کا ۱/۳ یعنی مسئلہ چھ سے آتے گا تو ۲/۶ بختاور بہن کے اور ۲/۶ رانی بہن کے اور ۱/۶ رانجھا چچازاد کا اور ۱/۶ ماہی چچازاد کا کما فی السراجیۃ وغیرھا۔

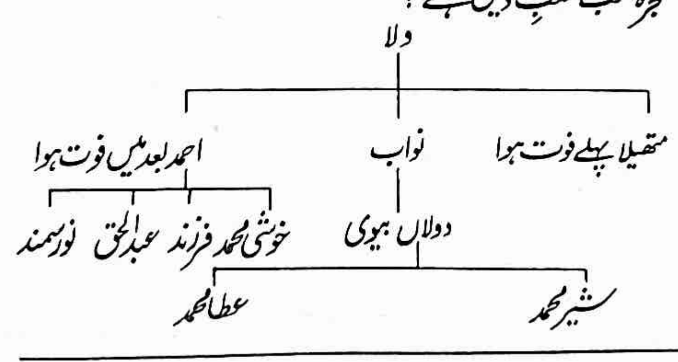
واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وصحبہ وآلہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی نواب فوت ہوا ایک بھائی مسمّٰی احمد اور بیوی مسماۃ دولاں چھوڑ گیا۔ انگریزی قانون کے مطابق کل جائیداد مسماۃ دولاں کے نام عارضی طور پر انتقال کی گئی۔ بعد ازاں دولاں فوت ہوگئی اور دو لڑکے؎ شیر محمد و عطا محمد چھوڑ گئی تو کیا احمد مذکور کو اس جائیداد سے جو عارضی طور پر دولاں کے نام تھی، کچھ ملے گا یا نہیں؟ شجرہ نسب حسبِ ذیل ہے:



؎ یہ دو لڑکے مسماۃ دولاں کے ہیں جبکہ نواب لاولد فوت ہوا ۱۲ من المصحح



شرعاً دولاں بیوی کا صرف ۱/۴ حصہ تھا باقی ۳/۴ احمد کا ہے تو وفاتِ دولاں کے بعد اس کے وارث دونوں لڑکے صرف ماں کا وہی ۱/۴ حصہ لے سکتے ہیں باقی احمد کا حق ہے اس کو ملے گا یہ مسئلہ چار سے آئے گا، حسبِ ذیل کما فی السراجیۃ :

نواب مسئلہ از ۴

میت

مسماۃ دولاں بیوی	مسمی احمد برادر
۱/۴	۳/۴

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

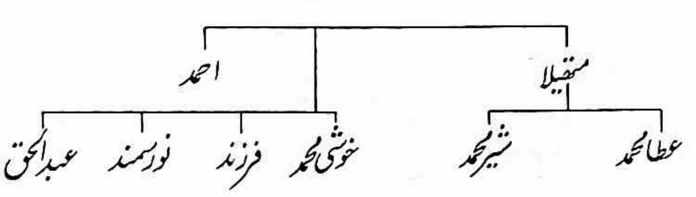
حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ



کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی ولّا



کے تین لڑکے تھے، مسمیان منھیلا، نواب، احمد مسماۃ دولاں منھیلا کے گھر آباد تھی جن کے بطن سے دو لڑکے مسمیان شیر محمد، عطا محمد تھے بعد میں منھیلا فوت ہوگیا اور مسماۃ دولاں نے نواب کے ساتھ نکاح ثانی کرلیا مگر نواب لاولد فوت ہوگیا۔ نواب کی زمین مسماۃ دولاں کے نام انتقال ہوگئی اب مسماۃ دولاں بھی فوت ہوگئی، اس کے فوت ہونے کے وقت احمد زندہ تھا۔ تین ماہ بعد احمد بھی فوت ہوگیا جس کے چار لڑکے مسمیان خوشی محمد، فرزند، عبدالحق، نور سمند ہیں۔ زمین جو نواب کے حصہ کی مسماۃ دولاں کے نام تھی اب کس کس کو ملے گی۔ شجرہ نسب حسب ذیل ہے:





یہ خیال رہے کہ مسماۃ دولاں پہلے منھیلا کی بیوی تھی جس کے بطن سے شیر محمد، عطا محمد ہیں۔ ان کی پیدائش کے بعد منھیلا فوت ہوگیا اور مسماۃ دولاں نے نکاح ثانی نواب کے ساتھ کرلیا۔ نواب کے فوت ہونے پر نواب کی ملکیت مسماۃ دولاں کے نام منتقل ہوگئی۔

اب مسماۃ دولاں بھی فوت ہوگئی ہے۔ اس کی فوتیدگی کے وقت احمد زندہ تھا اور منھیلا کے شیر محمد، عطا محمد بھی زندہ ہیں مگر انتقال ابھی درج نہ ہوا تھا کہ احمد بھی فوت ہوگیا مگر یہ فتویٰ اب احمد کو زندہ تصور کرکے لکھا جائے گا کیونکہ وہ بعد فوت ہوا مکرر عرض آنکہ مسمیان منھیلا اور نواب ہندوستان میں انقلاب سے پہلے فوت ہوگئے جس کی وجہ سے مسمّی نواب کا حصہ مسماۃ دلاں کے نام منتقل ہوگیا مسماۃ دولاں اور احمد پاکستان میں فوت ہوتے ہیں۔ دولاں کو چھ ماہ اور احمد کو فوت ہوتے

تین ماہ گذر چکے ہیں۔ فقط

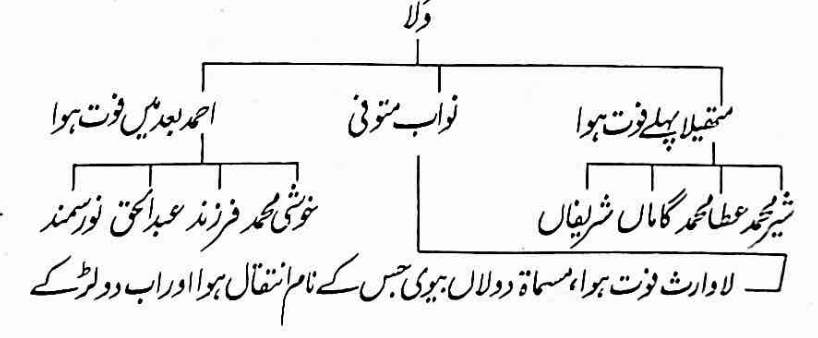
سائلہ : داراں موضع ڈولووال

۵۲-۹-۲۰





انگریزی دور کے انتقالات بیوگان کے نام محض عارضی تھے، ان کے نکاح یا وفات کے بعد عصباتِ بازگشت ہی مالک و قابض قرار پاتے تھے بنابریں علیہ دولاں کے نام بھی انتقال محض عارضی تھا تو اب وفاتِ دولاں سے انتقال ٹوٹ گیا اور شرعاً اس کا جو حصہ اور حق تھا وہ اس کے دونوں لڑکوں مسمیان شیر محمد، عطا محمد پسران متھیلا کو ملے گا مگر اس حیثیت سے نہیں کہ متھیلا کے لڑکے ہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ دولاں کے لڑکے اور وارث ہیں کہ متھیلا کا نواب کی وراثت میں قطعاً کوئی حق نہیں جو اس کے لڑکے اس کے وارث بن کر لیں وہ تو پہلے ہی فوت ہو چکا تھا، قبر میں پڑا ہوا وارث بن گیا؟ اور دولاں کا شرعی حصہ صرف چوتھائی حصہ ہے، باقی سب احمد کا ہے جو اس کے وارث لیں گے، شجرہ حسبِ ذیل ہے :



چھوڑکر فوت ہوئی جو متھیلا سے ہیں شیر محمد، عطا محمد اور ہر دو لڑکیاں گاماں شریفاں
مسئلہ چار سے آئے گا :

نواب مسئلہ از ۴

میت

مسماۃ دولاں بیوی	مسمیٰ احمد برادر
۱/۴	۳/۴

اور جب دولاں فوت ہوئی تو دولاں کا اصلی حق ۱/۴ اُس کے دونوں لڑکے شیر محمد، عطا محمد لیں گے
اب جب احمد بھی فوت ہوچکا تو اس کے ۳/۴ اس کے وارث چاروں لڑکے اور دوسرے
حقدار بیوی اور لڑکیاں حسبِ دستورِ شرع لیں گے کذا فی السراجیۃ وغیرھا۔

نوٹ : اِس جواب کی تحریر کے بعد سائلہ نے زبانی بتایا کہ مسماۃ دولاں کی دو لڑکیاں
گاماں، شریفاں متھیلا کی پشت سے ہیں، تو مسماۃ دولاں کے وارث اس کے دو لڑکے
شیر محمد، عطا محمد اور دو لڑکیاں گاماں، شریفاں ہیں۔



یہ مسئلہ چھ سے آئے گا، حسبِ ذیل :

دولاں مسئلہ از ۶

میت

شیر محمد	عطا محمد لڑکے	گاماں	شریفاں لڑکیاں
۲/۶	۲/۶	۱/۶	۱/۶

دولاں کے اصلی حق ۱/۴ کے چھ حصے بنا کر تقسیم کی جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ
وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی جمیل خاں عرصہ تقریباً ۳۵ سال ہوئے، فوت ہو گیا۔ اس کی دو بیویاں تھیں، اس کی ایک بیوی مسماۃ جوائی جس سے دو لڑکے مسمّٰی محب علی واکبر خاں پیدا ہوئے مسمّٰی جمیل خاں کی حینِ حیات میں ہی فوت ہو گئی اور دوسری بیوی مسماۃ حیات بانو سے تین لڑکیاں مسماۃ سرداراں وفتح بی بی وبخشائی تھیں مسمّٰی جمیل خاں کے ہر دو لڑکوں نے مسمّٰی جمیل خاں کے فوت ہو جانے کے بعد اپنی سوتیلی والدہ مسماۃ حیات بانو کو اپنے باپ کی کل جائیداد کا $\frac{1}{3}$ حصہ بطور معاش کے دے دیا اور کل جائیداد کے $\frac{1}{3}$ حصہ کا انتقال بھی مسماۃ حیات بانو کے نام ہو گیا۔ اب حیات بانو فوت ہو گئی، اس کے ورثاء میں سے تین لڑکیاں مذکورۃ الصدر اور ایک بھائی ہے۔ آیا مسماۃ حیات بانو کل جائیداد کے $\frac{1}{3}$ حصہ کی شرعاً جائز وارث تھی اور اس کے ورثاء کو کتنا کتنا حصہ پہنچتا ہے؟

بینوا توجروا۔

السائل: مسمّٰی محب علی ولد جمیل خاں، ساکن اپائیں تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری
۱۳؍ اپریل ۱۹۵۴ء





مسماۃ حیات بانو کا صرف $\frac{1}{8}$ حصہ تھا، باقی لڑکوں اور لڑکیوں میں للذکر مثل

حظ الانثیین تھا یعنی ہر لڑکے کے دو حصے اور ہر لڑکی کا ایک حصہ، اور مسئلہ آٹھ سے صحیح تھا یعنی کل مال کے آٹھ حصے کر کے تقسیم کیا جاتا، حسب ذیل ؛

جمیل خاں مسئلہ از ۸

میت

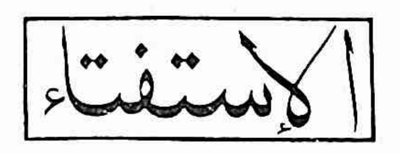
بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
حیات بانو	محب علی	اکبر خاں	سرداراں	فتح بی بی	بخشائی
۱/۸	۲/۸	۲/۸	۱/۸	۱/۸	۱/۸

بہر حال حیات بانو کا شرعاً جائز حق صرف آٹھواں حصہ ہی تھا تو وہ آٹھواں حصہ نکال کر اس کا ۳/۲ تینوں لڑکیوں کا حق ہے اور ۳/۱ حیات بانو کے بھائی کا حق ہے اور صورتِ مذکورہ میں جبکہ کل جائیداد کا ۳/۱ حصہ حیات بانو کے نام منتقل ہو چکا ہے تو آٹھواں نکالنے کے بعد جو بچے وہ صرف تینوں لڑکیوں کو دے دیا جائے کہ ان بیچاریوں کا حق تو زیادہ ہے مگر انگریزی دور میں جو مستقل انتقال لڑکوں کے نام ہو گئے وہ قانونِ مال کی رو سے فسخ نہیں کئے جاتے ورنہ حق وہی ہے جو اوپر تحریر کیا گیا کذا فی السراجیۃ وغیرھا من کتب المذھب

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ واٰلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ





سائل نے بیان کیا کہ مسمّٰی علو کی نرینہ اولاد نہیں تھی، صرف ایک لڑکی مسماۃ سلطان بی بی



اور ایک بیوی مسماۃ رانی تھی تو انگریزی قانون کے مطابق کل زمین مسماۃ رانی کے نام بطور گزارہ منتقل ہوگی اور بازگشت لشکر سالم محرم دوسا رہنالا پسران جمیل ولد مفقود چچا حقیقی متوفی علو موجود اور زندہ ہے مگر بعد ازاں لشکر، سالم، محرم ہر سہ فوت ہوگئے ہیں اور دوسا اور رہنالا زندہ ہیں۔ اب مسماۃ رانی مذکورہ بالا فوت ہوگئی ہے تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسمی لشکر سالم محرم (جو علو کے بعد اور مسماۃ رانی سے پہلے فوت ہوگئے ہیں) کی اولاد علو کی جائیداد منتقلہ بنام رانی سے حصہ کے مستحق ہیں یا نہیں ؟

سائل : نور صمد

از عملیکے اہتر شاہ علاقہ ہیرا سنگھ

۱۵ ذی القعدۃ المبارکہ ۱۳۷۳ھ





جب وہ جائیداد علو کی ہے اور علو کی وفات کے بعد لشکر سالم محرم زندہ ہیں تو انکا حق شرعاً ثابت ہوچکا اور عارضی طور پر ان کے نام منتقل نہ ہوا تو ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد ضرور بالضرور مستحق ہے کہ یہ جائیداد رانی کی نہیں بلکہ علو کی ہے، رانی صرف آٹھویں حصہ کی مستحق تھی جو اب بھی اس کے عصبے لیں گے اور لڑکی نصف کل جائیداد کی وارث ہے اور باقی لشکر وغیرہ پسران جمیل کا حق ہے، مسئلہ آٹھ سے آتے گا ،



علو مسئلہ از ۸

رانی بیوی	لڑکی سلطانہ	پسران جمیل لشکرو غیرہ چچازاد بھائی
۱/۸	۴/۸	۳/۸

اور جب پسرانِ جمیل کا برابر حق ثابت ہوگیا توان میں سے جو بھی فوت ہوا، اس کی اولاد وارث و مستحق رہے گی ومن ادعی الخلاف فعلیہ البیان۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحٰبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمّد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی صاحب خاں کی تین بیویاں تھیں، ایک بیوی سے ایک لڑکا واحد خاں ہوا اور وہ بیوی فوت ہوگئی اور دوسری بیوی مسماۃ لال بی بی سے فلکاں بی بی لڑکی پیدا ہوئی اور تیسری بیوی مسماۃ نورسین سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ جب صاحب خاں فوت ہوا تو اس کی جائیداد کا ۳/۴ حصہ واحد خاں لڑکے کے نام منتقل ہوا اور ۱/۸ حصہ مسماۃ نورسین کے نام اور ۱/۸ حصہ مسماۃ لال بی بی کے نام انتقال کیا گیا انگریزی قانون کے مطابق اور فلکاں بی بی لڑکی کو کچھ نہ ملا، بعدازاں واحد خاں بھی فوت ہوگیا اور اس کا ایک لڑکا ہے۔



اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسماۃ لال بی بی اور نور سین کے فوت ہونے کے بعد
ان کے نام منتقل شدہ اراضی شرعاً کس کو دی جائے؟ بینوا توجروا۔

السائل: محمد خاں ولد شکر خاں حصہ دار لکھو ملکانہ

۱۶ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۷۳ھ





چونکہ لال بی بی، نور سین بیوگانِ صاحب خاں کے نام $\frac{2}{3}$ اراضی محض بطور گذارہ
انگریزی دور میں منتقل کی گئی تھی اور ان کے قانون کے مطابق بیوگان کی فوتیگی کے بعد بازگشتوں
یعنی صاحب خاں کے ورثاء کو بھی ملنی تھی لہٰذا یوں تصور کرنا چاہیئے کہ صاحب خاں اب فوت
ہوا ہے اور اس کے ورثاء ایک لڑکا واحد خاں، ایک لڑکی فلکاں بی بی اور دو بیویاں مسماۃ
لال بی بی، نور سین ہیں تو شرعاً دونوں بیویوں کا حق $\frac{1}{8}$ اور باقی $\frac{7}{8}$ سے دو حصے لڑکے کے اور ایک
لڑکی کا ہے تو یہ مسئلہ آٹھ سے آیا اور تصحیح ۸ [سہ] ۴۸ سے ہوگی کہ بلا کسر تقسیم ہوسکے ھکذا:

صاحب خاں مسئلہ از ۸ تصحیح از ۴۸

میت

لال بی بی بیوی	نور سین بیوی	واحد خاں لڑکا	فلکاں بی بی لڑکی
$\frac{3}{48}$	$\frac{3}{48}$	$\frac{28}{48}$	$\frac{14}{48}$

[سہ] یعنی آٹھ کے اڑتالیس حصے بنائے جائیں۔



اور جب واحد خاں کو نہائی یعنی ۱۶/۴۸ پہلے مل چکے ہیں تو ۱۲/۴۸ اور دے کر ۲۸/۴۸ پورے کر دئے جائیں اور جب وہ فوت ہو چکا ہے تو اس کے لڑکے وغیرہ ورثاء کو دے دئے جائیں اور لال بی بی کے فوت ہونے پر اس کے حصہ ۳۲/۴۸ کا نصف اس کی لڑکی فلکاں بی بی کو اور باقی دوسرے ورثاء ذوی الفروض اور عصبات کو حسبِ دستورِ شرع دیا جائے اور اگر نہ ہوں تو باقی بھی لڑکی ہی کو دیا جائے اور نور سین کے ۳۲/۴۸ اس کے ورثاء کو موافق حکمِ شرع دئے جائیں۔ سراجیہ ص ۸ میں ہے والثمن مع الولد نیز اسی میں ہے ومع الابن للذکر مثل حظ الانثیین ص ۱۸ میں ہے والثمن من ثمانیۃ، ص ۲۳ میں ہے فالحکم فیہا ان یضرب احد الاعداد فی جمیع الثانی الخ۔ ص ۸ میں ہے النصف للواحدۃ ص ۴ میں ہے ثم الرد علی ذوی الفروض النسبیۃ بقدر حقوقہم۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہٖ وآلہٖ وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۱ر ذی الحجۃ المبارکہ ۷۳ھ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ہم تین حقیقی بھائی تھے رنگا، نور محمد، علی محمد پسرانِ کالے خاں، رنگا فوت ہو گیا اور اس کی جائیداد اُسکے لڑکے خوشی محمد کے نام منتقل ہو گئی، بعد ازاں علی محمد لاولد فوت ہوا اور اس کی کل جائیداد حسبِ

دستورِ برطانیہ عارضی طور اس کی بیوی مسماۃ نوراں کے نام انتقال کی گئی اور ۱۹۴۷ء میں ہم لوگ پاکستان میں آ گئے اور موضع ونجھل تحصیل دیپال پور میں رقبہ ملا۔ مسماۃ نوراں کے نام بھی حسبِ دستور موضع مذکور میں اراضی الاٹ ہو گئی، بعد ازاں وہ بھی لاولد فوت ہو گئی اور اس کی حقیقی دو بہنیں مسماۃ سلطان اور راج بی بی اور ایک حقیقی تایا زاد بھائی نور محمد جو علی محمد متوفی کا حقیقی بھائی بھی ہے اور حقیقی تایا زاد رنگا کا لڑکا خوشی محمد موجود ہیں۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ شرعاً اس اراضی کا وارث کون کون ہے؟

یہ کل اراضی خوشی محمد نے اپنے نام کسی حال سے منتقل کرا لی ہے۔ آیا یہ درست ہے؟



عرض

فدوی نور محمد ولد کالے خاں قوم وٹو

سکنہ ونجھل تحصیل دیپال پور

ضلع منٹگمری

۳ - ۸ - ۵۴

شجرۂ نسب حسبِ ذیل ہے:۔

جلا ـــــ گولے خاں ـــــ دُلّا

کالے خاں — جہانا

کالے خاں کی اولاد: رنگا پہلے فوت ہو گیا — نور محمد زندہ — علی محمد متوفی لاولد

جہانا کی اولاد: نوراں متوفیہ — امیراں پہلے فوت ہو گئی — سلطان زندہ — راج بی بی زندہ

رنگا کا بیٹا: خوشی محمد زندہ







مسماۃ نوراں کے نام کل اراضی کا انتقال محض عارضی بطور گزارہ تھا، وہ مستقل مالک نہیں ہوئی تھی، دراصل اس کا شرعی حق صرف $\frac{1}{4}$ تھا باقی $\frac{3}{4}$ صرف نور محمد برادرِ حقیقی کا حق ہے جو اب اس کے سپرد کرنا ضروری ہے البتہ نوراں کے اصل حق $\frac{1}{4}$ کے وارث اسکی دو حقیقی بہنیں مسماۃ سلطان اور راج بی بی اور نور محمد تایا زاد ہیں، $\frac{2}{3}$ بہنوں کے اور $\frac{1}{3}$ تایا زاد کا، اصل مسئلہ چار سے آئے گا اور نوراں کے ورثا میں تقسیم کرنے کے لئے بارہ سے آئے گا یعنی علی محمد کی جائداد کے بارہ حصے مساوی بنائے جائیں جن سے $\frac{9}{12}$ نور محمد کو علی محمد متوفی کے بھائی ہونے کے لحاظ سے دیئے جائیں اور $\frac{1}{12}$ نوراں متوفیہ کے حق سے تایا زاد بھائی کی حیثیت سے تو اس کے کل حصے $\frac{10}{12}$ ہو گئے اور سلطان کا $\frac{1}{12}$ نوراں کے حق سے ہے اور ایسے ہی راج بی بی کا $\frac{1}{12}$ ہے ہکذا:

میت علی محمد مسئلہ از ۴ پھر میت نوراں مسئلہ از ۳ کل کی تصحیح ۱۲ سے ہے

نور محمد حقیقی بھائی علی محمد کا اور تایا زاد نوراں کا	سلطان	راج بی بی ہمشیرگان حقیقی نوراں
$\frac{10}{12}$	$\frac{1}{12}$	$\frac{1}{12}$

سراجیہ ص ۷ میں ہے الربع للواحدۃ، ص ۴ میں ہے ثم بالعصبات ص ۱۰ میں ہے و الثلثان للاثنین ص ۱۸ میں ہے فمخرج کل فرض سمیتہ



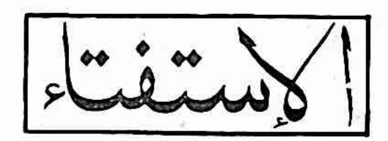
ص ۳۲۳، ۳۲۴ میں ہے وان کان بینهما مباینة فاضرب کل التصحیح الثانی فی کل التصحیح الاول فالمبلغ مخرج المسئلتین۔

رہا خوشی محمد تو وہ نور محمد کی موجودگی کے سبب بالکل محروم ومجوب ہے کہ نور محمد علی محمد متوفی کا بھائی ہے اور بھائی کے ہوتے بھتیجا وارث نہیں ہوسکتا اور اسی طرح مسماۃ نوراں کا تایازاد ہے اور تایازاد کے ہوتے تایا کا پوتا وارث نہیں ہوسکتا۔ سراجیہ ص ۱۴ میں ہے یرجحون بقرب الدرجۃ، ص ۱۷ میں ہے والثانی الاقرب فالاقرب تو اس کے نام کل اراضی کا انتقال جائز نہیں بلکہ وہ تو حصہ دار بھی نہیں تو یہ انتقال فسخ کرکے نور محمد کے نام کیا جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۲۲ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۷۳ھ

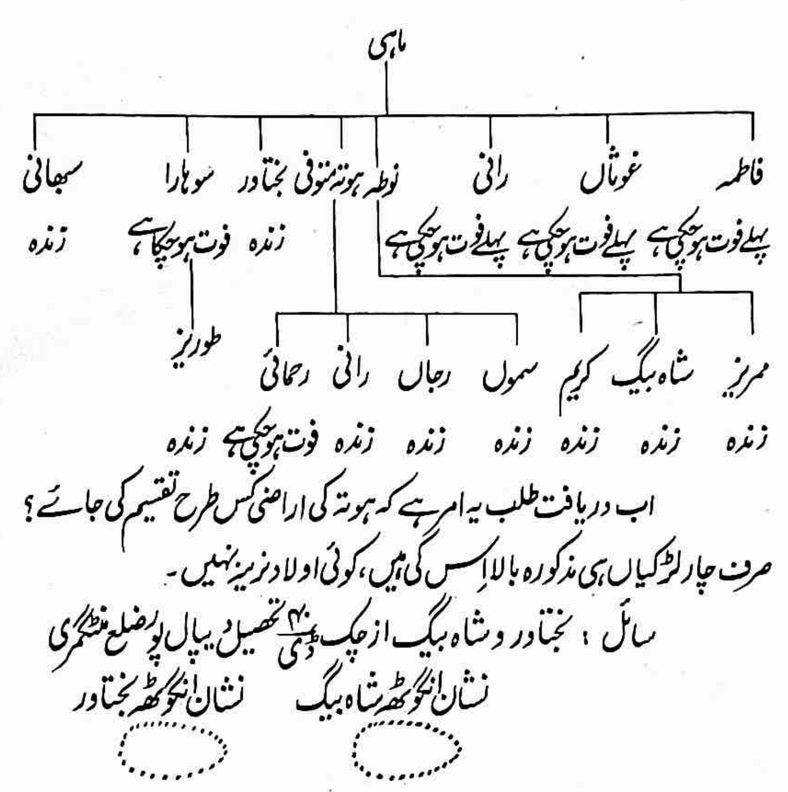




کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی ہوتہ فوت ہوا بعدازاں اس کی لڑکی مسماۃ رحمائی جو مریز ولد نوطہ کی بیوی تھی فوت ہوئی، اس کے پیٹ سے مریز کا لڑکا سوہارا موجود ہے، بعدازاں مسماۃ بھرو بیوہ ہوتہ و والدہ رحمائی مذکورہ فوت ہوئی



اور اس کے صرف تین بھائی مسمیان بلوچ، سوجا، شہادا موجود ہیں، شجرۂ نسب ہوتہ حسبِ ذیل ہے :۔



اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ہوتہ کی اراضی کس طرح تقسیم کی جائے؟

صرف چار لڑکیاں ہی مذکورہ بالا اس کی ہیں، کوئی اولاد نرینہ نہیں۔

سائل : بختاور و شاہ بیگ از چک 40 ڈی تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری

نشان انگوٹھہ شاہ بیگ　　نشان انگوٹھہ بختاور





مسئلے ہوتہ کے وارث اس کی بیوی بھر و اور چار لڑکیاں مذکورہ بالا اور بختاور بھائی اور سبھانی بہن ہیں، نوطہ وغیرہ جو فوت ہو چکے ہیں وہ وارث نہیں بن سکتے اور نہ ہی



ان کی اولاد کا ہوتہ کی وراثت میں کوئی حق ہے اور مسئلہ چوبیس سے آئے گا، بھرو بیوی کا آٹھواں حصہ اور چار لڑکیوں کا دو تہائی ہے اور باقی بختاور اور بھائی کے درمیان دو حصے بختاور کے اور تیسرا بھائی کا اور تصحیح تقسیم کے لئے چوبیس کو تین میں حسب قانونِ فرائض ضرب دیکر بہتر بنائے جائیں گے اور جب رحمائی فوت ہوئی تو اس کے وارث اس کا لڑکا سوہارا ولد مریز اور خاوند مریز اور والدہ بھرو ہیں، والدہ کا چھٹا حصہ اور خاوند کا چوتھا، باقی سب لڑکے کا ہے اور جب بھرو بھی فوت ہو گئی تو اس کے وارث اس کی تین لڑکیاں سموں رجاں رانی مذکورہ بالا اور تین بھائی بلوچ، سوجا، شہامدا ہیں، دو تہائی تینوں لڑکیوں کا حق ہے اور ایک تہائی تینوں بھائیوں کا حق ہے اور چونکہ بھرو کے پاس خاوند کی طرف سے $\frac{9}{72}$ اور لڑکی کے حصہ سے $\frac{2}{12}$ جو درحقیقت $\frac{2}{72}$ ہے، ہیں جن کا مجموعہ $\frac{11}{72}$ ہے اور ۱۱ کی صحیح تقسیم مذکورہ لڑکیوں اور بھائیوں میں نہیں ہو سکتی لہٰذا حسبِ دستور ۹ کو بہتر (۷۲) میں ضرب دیکر ۶۴۸ حصے بنا کر صحیح تقسیم کیا جائے گا۔ اب بھرو کے گیارہ حصے مندرجہ بالا ۹۹ ہو گئے پس اس مسئلہ مناسخہ کی تصحیح صورت حسبِ ذیل ہے:

میت ہوتہ ولد ماہی مسئلہ از ۲۴ تصحیح از ۷۲ آئندہ تصحیح کیلئے حسب قانون ۹ سے ضرب دیکر کل تصحیح ۶۴۸

مسماۃ بھرو بیوی	سموں لڑکی	رجاں لڑکی	رانی لڑکی	رحمائی لڑکی	بختاور بھائی	سبحانی بہن
$\frac{9}{72}$	$\frac{12}{72}$	$\frac{12}{72}$	$\frac{12}{72}$	$\frac{12}{72}$	$\frac{10}{72}$	$\frac{5}{72}$
$\frac{81}{648}$	$\frac{108}{648}$	$\frac{108}{648}$	$\frac{108}{648}$		$\frac{90}{648}$	$\frac{45}{648}$

میت مسماۃ رحمائی مسئلہ از ۱۲ مافی الید $\frac{108}{12}$

بھرو والدہ	مریز خاوند	سوہارا لڑکا
$\frac{2}{12}$	$\frac{3}{12}$	$\frac{7}{12}$
$\frac{18}{108}$	$\frac{27}{108}$	$\frac{63}{108}$



میت بھرو مسئلہ از ۳ تصحیح از ۹ مافی الید $\frac{99}{11}$

سموں لڑکی	رجاں لڑکی	رانی لڑکی	بلوچ بھائی	سوجا بھائی	شہامد بھائی
$\frac{2}{9}$	$\frac{2}{9}$	$\frac{2}{9}$	$\frac{1}{9}$	$\frac{1}{9}$	$\frac{1}{9}$
$\frac{22}{99}$	$\frac{22}{99}$	$\frac{22}{99}$	$\frac{11}{99}$	$\frac{11}{99}$	$\frac{11}{99}$

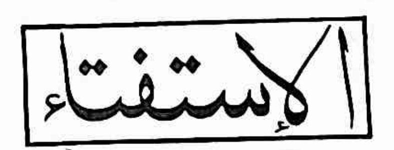
الاحیــــــــــــــــــاء

سموں	رجاں	رانی	بختاور	سبحانی	مریز	سوہارا	بلوچ	سوجا	شہامد
ازوالد	ازوالد	ازوالد	ازبرادر	ازبرادر	ازبیوی	ازوالد	ازبرادر	ازبرادر	ازبرادر
۱۰۸	۱۰۸	۱۰۸							
ازوالدہ ۲۲	ازوالدہ ۲۲	ازوالدہ ۲۲							
۱۳۰	۱۳۰	۱۳۰	۹۰	۴۵	۲۷	۶۳	۱۱	۱۱	۱۱

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ





الاستفتاء

ولیا ولد ہدایت متوفی کو فوت ہوئے تین چار سال گزر چکے ہیں۔ ولیا مذکور نے اپنی وفات کے بعد چار لڑکیاں اور ایک لڑکا محمود باقی چھوڑا اور جب ولیا مذکور کی وراثت کا انتقال ہونے لگا، لڑکیوں کو حقوقِ وراثت دینے کے لئے بلایا گیا تو انہوں نے عدالت کے سامنے بیان حلفی دیا کہ ہم اپنی حصہ کی وراثت اپنے بھائی محمود کو دینا چاہتی ہیں۔

اس کے بعد عدالت نے فیصلہ کیا اور محمود کے نام تمام وراثت منتقل کر دی۔ اب مسمّٰے متوفی محمود بھی فوت ہو گیا ہے اور اس کا کوئی لڑکا یا لڑکی باقی نہیں ہے، لاولد فوت ہوا ہے باقی اس کے ایک بیوی اور چار ہمشیرہ ہیں اور ایک حقیقی چچا اور چچازاد بھائی بھی ہیں لہٰذا سوال کیا جاتا ہے کہ اب محمود متوفی کی وراثت کے حقدار کون ہیں اور کتنے حصہ کے حقدار ہیں۔ برائے مہربانی جواب سے مشکور فرما کر ممنون فرمائیں۔

ذوالفقار ولد جمال خاں بلوچ چک $\frac{83}{E.B}$ ڈاک خانہ فتنہ ریلوے اسٹیشن
تحصیل پاکپتن ضلع منٹگمری





وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ:۔

آپ کا جوابی کارڈ ملا، جوابِ مسئلہ لکھا جاتا ہے۔

ولیا کی چار لڑکیاں اپنے حقِ وراثت سے اپنے بھائی محمود کے حق میں دستبردار ہو گئیں تو محمود ہی مالک ہو گیا۔ اب جب محمود لاولد فوت ہو گیا ہے تو وہ بہنیں بھی اسکی وراثت کی حقدار ہیں اور اسکی بیوی اور حقیقی چچا بھی اور چچازاد بھائی محروم ہیں چاروں بہنیں دو تہائی ترکہ کی حقدار ہیں (قرآنِ کریم سورۃ النساء) اور بیوی چوتھائی کی۔ (قرآنِ کریم سورۃ النساء) اور باقی سب حقیقی چچا کا ہے (قرآنِ کریم اور حدیثِ متفق علیہ) یہ مسئلہ بارہ سے آئے گا



صورت حسبِ ذیل ہے :۔

میت محمود مسئلہ از ۱۲

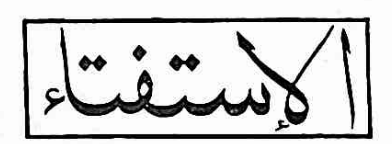
بیوی	بہن	بہن	بہن	بہن	حقیقی چچا	چچازاد بھائی
۳/۱۲	۲/۱۲	۲/۱۲	۲/۱۲	۲/۱۲	۱/۱۲	×

نوٹ : یہ فتویٰ اس صورت میں ہے کہ چاروں بہنیں محمود ہی کی حقیقی بہنیں یا سب سوتیلی باپ سے ہوں اور اگر بعض حقیقی اور بعض سوتیلی یا کل سوتیلی صرف ماں سے ہوں تو حکم بدل جائے گا، دوبارہ سوال کر کے دریافت کریں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ
۲۸ ربیع الاول شریف ۷۴ھ





جناب مولانا مولوی صاحب حسبِ ذیل مسئلہ کا جواب دیکر مشکور فرماویں :۔

۱۔سوال : مسئلہ حسبِ ذیل ہے :

یہ کہ ولیا متوفی نے اپنے مرنے کے بعد چار لڑکیاں اور ایک لڑکا اور ایک حقیقی بھائی چھوڑا ہے، اس کی وراثت کے حقدار کون کون ہیں؟ از روئے شریعت جواب دے کر مشکور فرمائیں، اس کی بیوی بھی زندہ ہے۔اِس کا جواب علیحدہ دیویں۔



۲۔ یہ کہ محمود متوفی نے اپنے مرنے کے بعد چار بھتیجے اور ایک بیوی ایک چچا چھوڑا ہے اور اس کی جو چار بہنیں ہیں انہوں نے پہلے بھی اسی وراثت سے جو محمود کو تقسیم ہوئی تھی اپنے باپ کی طرف سے حصے لے چکی ہیں اور اب محمود اور اس کی والدہ کا انتقال وراثت ہوتا ہے۔ یہ وراثت جو اب تقسیم ہو رہی ہے یہ محمود کے باپ کی ہے۔ پہلے یہ مندرجہ ذیل طریقہ سے تقسیم ہوئی ہے، کیا یہ ٹھیک ہے؟ اس کا جواب علیحدہ دیویں۔

کل وراثت سے بیوی کو $\frac{1}{8}$ حصہ اور باقی $\frac{7}{8}$ حصہ سے $\frac{1}{3}$ حصہ محمود کو اور $\frac{2}{3}$ حصہ اسکی چار بہنوں کو دیا گیا۔ اب محمود اور اسکی والدہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ ان دونوں کی وراثت کس طرح تقسیم ہوگی۔ وارثان مندرجہ بالا ہیں، چار بہنیں اور ایک بیوی اور ایک چچا محمود کا حقیقی ہے اور اس کے والد کے بھی یہ وارثان ہیں۔ اس کی والدہ محمود سے پہلے فوت ہوئی تھی، تقریباً ایک سال ان ہر دو مسئلہ کا جواب علیحدہ علیحدہ مفصل لکھیں، مہربانی اور نوازش ہوگی۔



السائل : ذوالفقار بقلم خود



السلام علیکم :-

قبل ازیں محمود کی وراثت کا فتویٰ آپ یہیں سے لے چکے ہیں مگر پہلے آپ نے محمود کی والدہ ولیا کی بیوہ کا ذکر ہی نہیں کیا، یہ تمہاری سخت غلطی تھی پھر دوسری سخت غلطی یہ ہے کہ



آپ نے لکھا تھا کہ لڑکیوں کے حلفی بیان پر عدالت نے تمام وراثت محمود کے نام منتقل کردی ہے حالانکہ اب لکھا ہے کہ ولیا کی بیوی کو اور لڑکیوں کو بھی حصّے دئے گئے ہیں۔ شرعی فتوٰے حاصل کرنے وقت غلط بیانیوں سے کام لینا نہایت ہی برا کام ہے۔ اب آپ ہی بتاؤ کہ تمہاری کس بات کا اعتبار کرکے فتوٰے دیا جائے؟

بہرحال جو صورت آپ نے لکھی ہے اگر وہ صحیح ہے اور ولیا کی کوئی اور بیوی یا ماں باپ یا دادا دادی نانی بھی زندہ نہیں ہے اور محمود اور لڑکیوں کے ماسوا کوئی اور اولاد بھی نہیں تھی تو یہ فیصلہ یعنی $\frac{1}{8}$ حصہ بیوی اور $\frac{7}{8}$ حصہ سے $\frac{1}{3}$ حصہ محمود کو اور $\frac{2}{3}$ اسکی چاروں بہنوں کو دیا گیا، یہ درست ہے مگر اس کی تقسیم از روئے قواعد یوں ہوگی کہ ولیا کے مال کے ۴۸ حصے کئے جائیں اور حسبِ ذیل تقسیم ہوں:

ولیا مسئلہ از ۸ تصحیح از ۴۸

میت

بیوی	محمود لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
$\frac{۶}{۴۸}$	$\frac{۱۴}{۴۸}$	$\frac{۷}{۴۸}$	$\frac{۷}{۴۸}$	$\frac{۷}{۴۸}$	$\frac{۷}{۴۸}$



کذا فی السراجیہ۔ بعد ازاں ولیا کی بیوہ اور محمود اور ان چاروں لڑکیوں کی ماں فوت ہوئی اور اس کے وارث بھی یہی تھے یعنی اس نے کسی اور مرد سے نکاح بھی نہیں کرلیا تھا اور اسکے ماں باپ دادا دادی نانی زندہ نہ تھے اور نہ ہی کوئی اور اسکی اولاد تھی پھر اسکے ترکہ تقسیم کرنے سے پہلے محمود بھی فوت ہوگیا اور اس کے وارث صرف ایک بیوی، چار حقیقی بہنیں اور ایک چچا ہے اور دادا دادی نانی زندہ نہیں اور وہ لاولد فوت ہوا تو اب ان دونوں ماں بیٹا کا ترکہ یوں صحیح طور پر تقسیم ہوگا کہ محمود کو ولیا کی وراثت سے جو ۱۴ حصے اور اسکی ماں کو ۶ ملے تھے، یہ کل بیس حصے ہوتے، ان کے ساٹھ برابر حصے بنا لئے جائیں اور حسبِ ذیل دئے جائیں۔



بیوہ ولیا ۶ حصے اور دوسرا میت محمود ۱۴، کل ۲۰ اور تین کی ضرب سے ۶۰ ہوئے

میت

محمود کی بیوی	بہن	بہن	بہن	بہن	بہن	چچا
۱۲	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۴

من السراجیۃ و غیرھا۔

نوٹ : محمود کا چچا اور بیوی صرف محمود کے وارث ہیں اور اس کی ماں کے وارث نہیں اور محمود کی بہنیں ماں اور محمود بھائی دونوں کی وارث ہیں۔ یہ مسئلہ مناسخہ کا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۲۷ جمادی الاخریٰ ۷۴ھ





الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اِس مسئلہ میں کہ ایک شخص خان محمد نامی جو ۴۷ھ میں فوت ہو چکا ہے اس کی زمین جو اسکو اپنے باپ سے بذریعہ ورثہ ملی تھی وہ یہاں پاکستان میں انہیں مل گئی، اس وقت اس کے متعلقین میں سے یہ افراد زندہ ہیں، اس کی بیوی (جو اس کے فوت ہونے کے بعد دوسری جگہ شادی کر چکی ہے) اس کا ایک لڑکا جو اس کی وفات کے بعد تین ماہ کو اسی بیوی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا مگر وہ فوت ہو چکا ہے اس کا بھتیجا حقیقی زندہ ہے، اس کی تین بہنیں تھیں جن سے دو فوت ہو چکی ہیں ان کی اولادیں



ایک کے تین لڑکے ہیں اور ایک کا ایک لڑکا ہے، باقی ایک بہن خان محمد مذکور کی زندہ ہے یہ وارث اس کے موجود ہیں۔ شریعتِ حقہ کے مطابق ان میں جائداد (زمین) کی تقسیم کس طرح ہوگی۔ بیوی کا نام فاطمہ اور نومولود متوفی لڑکے کا نام عبدالعزیز تھا اور حقیقی بھتیجے کا نام قاسم ولد چراغ ہے اور زندہ بہن کا نام جیو ہے۔

سائل: قاسم ولد چراغ از بھون ۱۲ ررجب المرجب ۱۳۷۶ھ نشان انگوٹھہ سائل





یہ مسئلہ مناسخہ ہے۔ خان محمد میت کا مسئلہ آٹھ سے ہے۔ آٹھواں حصہ بیوی فاطمہ کا اور باقی سات عبدالعزیز نومولود کے ہیں اور خان محمد کی وراثت سے حقیقی بھتیجے قاسم اور بہن جیو اور دو متوفیہ بہنوں کی اولاد کو کچھ نہ ملے گا۔ پھر عبدالعزیز کا مسئلہ تین سے آئے گا یعنی اسکو اپنے باپ کی وراثت سے جو سات حصے آئے ہیں ان کا تیسرا حصہ اسکی ماں فاطمہ کا ہے اور باقی دو حصے قاسم چچازاد بھائی کے ہیں اور جیو پھوپھی اور دوسری دو پھوپھیوں کی اولاد کو کچھ نہ ملیگا اور چونکہ سات تین پر تقسیم نہیں ہو سکتے تو حسب القواعد تین کو خان محمد کے مسئلہ کے آٹھ میں ضرب دے کر چوبیس بنائے جائیں گے تو ان چوبیس سے آٹھواں حصہ تین فاطمہ کو خان محمد خاوند کی وراثت سے ملیں گے اور اکیس حصے باقی عبدالعزیز کو، پھر ان اکیس سے تیسرا حصہ سات فاطمہ کو اپنے لڑکے کی وراثت کے ملیں گے اور باقی چودہ قاسم چچازاد کو بوجہ عصبہ



ہونے کے ملیں گے تو خان محمد کی جائداد کے چوبیس حصوں سے دس حصے فاطمہ کے اور چودہ قاسم کے حسبِ تفصیل مندرجہ بالا ہیں؛

هٰكذا



میت — خان محمد مسئلہ از ۸ تا ۲۴

فاطمہ بیوی	عبدالعزیز لڑکا	قاسم	جیو وغیرہا
۳/۲۴	۲۱/۲۴	×	×

میت — عبدالعزیز مسئلہ از ۳ مافی الید ۷ تا ۲۱

فاطمہ ماں	قاسم چچازاد بھائی	پھوپھی وغیرہا
۷/۲۱	۱۴/۲۱	×

الاحیاء

فاطمہ	قاسم	جیو وغیرہا
۱۰/۲۴	۱۴/۲۴	

سراجیہ ص ۷ میں ہے والثمن مع الولد، ص ۱۴ میں ہے وھم اربعۃ اصناف جزء المیت (الٰی ان قال) الاقرب فالاقرب، ص ۱۱ میں ہے وبنو الاعیان والعلات کلہم یسقطون بالابن الخ، ص ۱۴ میں ہے وجزء جدہ، ص ۳۳ میں ہے وان کان بینہما مباینۃ فاضرب کل التصحیح الثانی فی کل التصحیح الاول فالمبلغ مخرج المسئلتین۔

واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہٖ وآلہٖ واصحابہٖ



و بارك و سلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۱۲ر رجب المرجب ۱۳۷۶ھ

الاستفتاء

شجرۂ نسب

محبت

- کرم — فوت ہوگیا ۱۹۳۲ء
  - مسماۃ صاحبزادی — فوت ۲/۱۶/۵۵ کو ہوگئی
    - مسماۃ آلاں — فوت ہوگئی ۱۹۳۰ء
    - سہرائی — فوت ہوگئی ۱۹۳۱ء
    - مسماۃ صلابت — زندہ ہے
    - مسماۃ سالاں — فوت ہوگئی ۱۹۵۱ء
- چراغ — فوت ہوگیا ۱۹۵۱ء
  - چاوا
  - کرملی
  - امیر علی
  - کمال
  - سموں



جب مسمٰی کرم فوت ہوا تھا تو اس کی تمام زمین کا انتقال اس کی بیوی مسماۃ صاحبزادی کے نام بطور گذارہ ہوا تھا، اب مسماۃ صاحبزادی ۲/۱۶/۵۵ کو فوت ہوگئی ہے حالانکہ اس کا بھائی بہادر زندہ ہے تو اب یہ زمین کس طرح تقسیم ہوگی۔

سائل: کرملی سکنہ ٹھٹھہ کالیاں ابراہیم ضلع منٹگمری







سائل نے یہ بیان کیا ہے کہ وفاتِ چراغ کے وقت اس کی بیوی زندہ نہیں تھی اور مسماۃ سالاں کے لڑکے ہیں۔ یہ مسئلہ مناسخہ کا ہے، اصل میں چوبیس سے آتا ہے اور حسب القواعد چارسو بتیس سے صحیح آئے گا۔ مسماۃ صاحبزادی کا آٹھواں حصہ ہے اپنے خاوند کے ترکے کا جو ۵۴ ہے اور مسماۃ صلابت کو ۱۴۴ باپ کے ترکہ سے اور مسماۃ سالاں لڑکی کو بھی ۱۴۴ باپ کے ترکہ سے ملے، پھر جب سالاں فوت ہوئی تو اس کے ترکہ سے چھٹا حصہ صاحبزادی ماں کا بنا جو ۲۴ ہے، اور ۱۲۰ سالاں کے لڑکوں کے ہیں تو اب صاحبزادی کے پاس کل حصے ۸۷ آگئے جو اس کے ایک بھائی اور ایک لڑکی میں تقسیم ہو گئے، لڑکی صلابت کو ماں کے حصوں کا نصف (۳۹) ملے اور باقی اس کے بھائی مسمٰی بہادر کا ہے اور چراغ کو باقی ۹۰ حصے آئے جو اس کے چار لڑکوں اور ایک لڑکی پر تقسیم ہوئے، لڑکوں کے بیس بیس اور لڑکی کے دس حصے بنے، ھٰکذا صورتہ :-

مسمٰی کرم پہلے فوت ہوا پھر سالاں اور چراغ فوت ہوئے بعد ازاں مسماۃ صاحبزادی فوت ہوئی

اصل مسئلہ از ۲۴، تصحیح ۴۳۲

میت

صلابت	بہادر برادر حقیقی صاحبزادی	سالاں کے لڑکے	چاوا	کرملی	امیر علی	کمال	سمول اولادِ چراغ
۱۸۳/۴۳۲	۳۹/۴۳۲	۱۲۰/۴۳۲	۲۰/۴۳۲	۲۰/۴۳۲	۲۰/۴۳۲	۲۰/۴۳۲	۱۰/۴۳۲

آلاں اور سھرائی کرم سے پہلے ہی فوت ہو چکی تھیں تو محروم رہیں۔



یہ جواب اس صورت میں ہے کہ بہادر صاحبزادی کا عینی یا علاتی بھائی ہو اور اس کی کوئی اور بہن یا بھائی یا ماں باپ سے کوئی بھی نہ ہو ورنہ یہ حکم نہیں رہے گا۔

نوٹ: اور یہ تو عام دستور شرعی ہی ہے کہ کفن دفن اور قرض و وصیت سے بچے ہوئے ترکہ کے وارث مستحق ہوا کرتے ہیں، سراجیہ وغیرہا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

رقمہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۲۶ رجب المرجب ۱۳۷۶ھ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص مانا ہندوستان میں فوت ہوا جس کی دو عورتیں تھیں، ایک عورت مسماۃ عیجاں بی بی مانا مذکور کی موجودگی میں فوت ہوئی اور دوسری مسماۃ بختاور جو کہ اب فوت ہوئی ہے جس کے نام مانا مذکور کی زمین تھی۔ مسماۃ بختاور سے دو لڑکیاں مانا سے ہیں اور عیجاں بی بی سے ایک لڑکی مسماۃ رحمت بی بی مانا سے ہے مگر عیجاں بی بی کے نام ہندوستان میں زمین نہ تھی، بختاور کی لڑکیوں کے نام مذکور ہیں۔ رانوں بی بی، رجاں بی بی اور ایک بھائی بختاور کا مسمّٰی جمیل زندہ ہے۔ مسماۃ بختاور کا قرضہ اتارنے کے کون کون سے مستحق ہیں۔

سائل: محمد الدین بقلم خود از بھوکن تحصیل دیپال پور ضلع منٹگمری ۲ رشعبان المعظم ۱۳۷۶ھ





اگر صورتِ سوال صحیح اور واقعی ہے تو مانا کی جائداد سے دو تہائی تین لڑکیوں رحمت بی بی، رانوں بی بی، رجاں بی بی کی ہیں اور آٹھواں حصہ مسماۃ بختاور بیوی کا ہے اور باقی مانا کے عصبات میں سے جو قریبی ہو، خواہ آٹھویں پشت میں ملتا ہو، اس کا ہے اور اگر کوئی جدّی عصبہ نہ ہو تو باقی سب تینوں لڑکیوں کا ہے۔ بیوی کو اس باقی سے کچھ نہیں ملے گا اصل میں یہ مسئلہ ۲۴ سے ہے اور حسبِ قواعد ۷۲ سے صحیح ہوگا، حسبِ ذیل :



مسئلہ از ۲۴ تصحیح از ۷۲

میت

بیوی بختاور	لڑکیاں رحمت بی بی	رانوں بی بی	رجاں بی بی	عصبات قریبی سے ایک یا زیادہ
۹/۷۲	۱۶/۷۲	۱۶/۷۲	۱۶/۷۲	۱۵/۷۲

اور اگر کوئی بھی جدی عصبہ موجود نہ ہو تو پھر یہ صورت ہوگی :

مسئلہ از ۲۴ تصحیح از ۷۲

میت

بختاور بیوی	لڑکیاں رحمت بی بی	رانوں بی بی	رجاں بی بی
۹/۷۲	۲۱/۷۲	۲۱/۷۲	۲۱/۷۲

اور جبکہ بختاور بھی فوت ہو چکی ہے تو اس کے نو حصے اس کی دو لڑکیوں رانوں بی بی رجاں بی بی اور اس کے بھائی سجیل کے ہیں اور قواعد کے رُو ہر ایک ⅓ کا مستحق ہے مگر جب بختاور پر قرض ہے تو حسبِ قانونِ وراثت بختاور کے ترکہ سے جو نو حصے مذکورہ ہیں صرف یا اس کا کوئی ذاتی مال اور رہ



تو اس سمیت کل مال سے پہلے قرضہ پورا کیا جائے گا اور جو بچے وہ وارثوں کا ہے اور ایسے ہی تجہیز و تکفین اور وصیت حسبِ دستورِ شرع پہلے پورے کئے جاتے ہیں، بعد میں وارث اپنے حق لیتے ہیں، سراجیہ وغیرہا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ وآلہٖ واصحٰبہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۲/ شعبان المعظم ۱۳۷۶ھ



نوٹ: سائل کہتے ہیں کہ مانا، بھانا دو بھائی تھے، بھانا پہلے فوت ہو گیا اور اس کی دو لڑکیاں اور کل جائداد انگریزی قانون کے تحت مانا کے نام منتقل ہو گئی، اب مانا کی جائداد سے ان لڑکیوں کو کچھ ملتا ہے یا نہیں؟

تو شرعاً جواب واضح ہے کہ بھانا کی لڑکیاں بھانا کی دو تہائی جائداد کی وارث ہیں اور مانا کی ذاتی جائداد کی وارث نہیں۔

ابوالخیر النعیمی غفرلہٗ ۲/ شعبان المعظم ۱۳۷۶ھ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں صورت کہ مسمّٰی بھانا فوت ہوا اور اس وقت اس کا ایک لڑکا مسمّٰی اکبر اور دو لڑکیاں عیجاں اور رہاپھاں اور ایک بھائی مانا موجود تھے



توانگریزی دستور کے مطابق زمین لڑکے اکبر کے نام منتقل ہوئی، بعد ازاں اکبر کنوارہ ہی فوت ہوگیا اور زمین ہاپھاں کنواری کے نام منتقل ہوئی۔ بعد ازاں ہاپھاں کی شادی ہوگئی اور زمین مانا کے نام ہوگئی، پھر مانا فوت ہوا اور چونکہ اس کا کوئی لڑکا نہیں تھا اور ایک بیوی بختاور اور تین لڑکیاں تھیں تو زمین بختاور کے نام پر منتقل ہوئی۔ اب بختاور فوت ہوگئی ہے تو از روئے شرع شریف عیجاں اور ہاپھاں دختران بھانا کا کوئی حق ہے تو تفصیل وار بتایا جائے۔ بینوا توجروا۔

سائلہ: عیجاں بنت بھانا از ویرو والہ تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری ۱۲ شعبان المعظم ۸۶ھ





اگر سوال صحیح اور واقعی ہے تو بھانا کی زمین کے وارث اکبر لڑکا، عیجاں اور ہاپھاں لڑکیاں ہی وارث تھے اور مانا کا اس میں کوئی حق نہیں تھا، قرآن کریم میں ہے یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین تو مسئلہ چار سے تھا دو حصے اکبر کے اور ایک ایک عیجاں اور ہاپھاں کا تھا اور جب اکبر بھی کنوارا ہی فوت ہوگیا تو اس کے جائز وارث اسکی دو بہنیں عیجاں اور ہاپھاں اور ایک چچا مانا تھے۔ بہنوں کی دو تہائی اور باقی تیسری تہائی مانا چچا کی، قرآن کریم میں ہے وان امرؤ ھلک لیس لہ ولد ولہ اخت فلھا نصف ما ترک وھو یرثھا ان لم یکن لھا



ولد فان كانتا اثنتين فلهما الثلثان مما ترك اور حدیث شریف میں ہے فما ابقت الفرائض فلاولى رجل ذكر۔ (مستدرک ج۴ ص ۳۳۸، کنز العمال ج۶ ص ۳)

یہ مسئلہ اکبر تین سے ہے، سب کا ایک ایک حصہ بنا اور چونکہ پہلے مسئلہ سے اکبر کے دو حصے تھے اور دو تین پر تقسیم نہیں ہو سکتے تو حسب القواعد تین کو چار میں ضرب دیکر بارہ بنائے جائیں گے یعنی بھانا کے ترکہ (زمین) کے بارہ حصے برابر بنائے جائیں گے جن سے عیجاں اور ہاپھاں کو تین تین حصے بھانا باپ کے ترکہ سے آئیں گے اور دو حصے اکبر بھائی کے ترکہ سے تو ان کے مجموعی طور پر پانچ پانچ حصے بن گئے اور مانا کا حق اپنے بھتیجے اکبر کے ترکہ سے صرف دو حصے تھے حسب ذیل (یہ مسئلہ مناسخہ ہے)۔

میت بھانا مسئلہ از ۴ اور بوجہ وفات اکبر مناسخہ ہوا تو تصحیح از ۱۲

عیجاں	ہاپھاں	مانا
$\frac{۵}{۱۲}$	$\frac{۵}{۱۲}$	$\frac{۲}{۱۲}$

سراجیہ وغیرہا۔

رہا انگریزی دستور سے اکبر، ہاپھاں، مانا، بختاور کے نام تمام زمین کا بالترتیب انتقال تو وہ محض ظلم اور غصب تھا اور جب یکے بعد دیگرے وہ سب فوت ہو چکے ہیں اور عیجاں اور ہاپھاں جائز حقدار اور وارث زندہ ہیں تو بھانا کی اراضی کے برابر برابر بارہ حصوں سے دس حصے حسب تفصیل مندرجہ بالا ان کے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ والہ واصحابہ وبارک وسلم۔

نوٹ: قبل ازیں دوسرے فریق نے صرف مانا کے ترکہ کا سوال کیا اور جب شرعی جواب لکھا گیا تو بھانا کی لڑکیوں کا ذکر کیا اور لڑکے اکبر کا ذکر کیا بلکہ ظاہر یہ کیا کہ اور کوئی وارث نہیں تھا



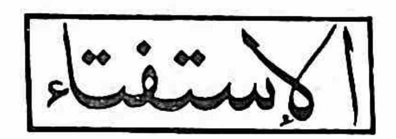


تو نوٹ کی صورت میں یہ لکھا گیا کہ بھانا کی لڑکیاں بھانا کی جائداد سے دو تہائی کی حقدار ہیں مگر اب اس سائلہ نے ظاہر کیا کہ بھانا کا لڑکا بھی تھا تو اس صورت میں حسبِ تفصیلِ مندرجہ بالا ان کا حق بڑھ گیا۔ ایسے مسائل ہیں سائل بعض دفعہ ایرپھیر سے مفاد حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں افسرانِ مجاز کا فرض ہے کہ خوب غور سے کام لیں۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۴ شعبان المعظم ۷۶ھ





الاستفتاء

واضح رائے شریف ہو کہ مسمّٰی نیاز احمد کی وفات کے بعد جب چھ مہینے گزرے تو اس کی بنت امیراں فوت ہو گئی، اب بغیر لڑکی کے اس کے پانچ وارث موجود ہیں ایک بھائی سردارا اور دو بہنیں ایک نظراں، دوسری سرداراں، ایک عورت الٰہی سین اور ایک والدہ مہراں۔ ترکہ کیسے تقسیم کیا جائے؟ بیّنوا توجروا۔

متوفی نیاز احمد ولد جمیل

میت

اخ	اخت	اخت	بنت	زوجہ	والدہ
سردارا	سرداراں	نظراں	امیراں	الٰہی سین	مہراں
پدری	پدری	پدری			



اس کی تصدیق کے لئے محمد حیات ولد بالا قوم بھار حصہ دار قائم کے بھار

محمد حیات بقلم خود   مستفتی: محمد اسماعیل بقلم خود





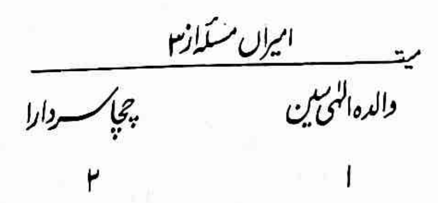
متوفی نیاز احمد کی لڑکی امیراں کا حصہ نصف اور والدہ مہراں کا چھٹا حصہ اور عورت الٰہی سین کا آٹھواں، باقی سب سردارا بھائی اور سرداراں، نظراں بہنوں کا ہے۔ حسب قواعد یہ مسئلہ ۱۲ سے آئیگا اور تصحیح ۹۶ سے ہوگی ھٰکذا:

نیاز احمد مسئلہ از ۲۴ تصحیح از ۹۶

میت

نظراں	بہن سرداراں	برادر سردارا	زوجہ الٰہی سین	والدہ مہراں	لڑکی امیراں
۵	۵	۱۰	۱۲	۱۶	۴۸

پھر جب امیراں فوت ہوئی تو اس کے وارث صرف اسکی ماں الٰہی سین اور چچا سردارا ہیں، ماں کا تیسرا حصہ، باقی سب چچا کا۔ اس کا مسئلہ ۳ سے ہی صحیح ہے ھٰکذا:



امیراں مسئلہ از ۳

میت

چچا سردارا	والدہ الٰہی سین
۲	۱

اور چونکہ امیراں کا کل مال ۴۸ حصہ ہے تو ماں کا تیسرا حصہ ۱۶ بنے اور چچا کے دو حصے ۳۲ بنے تو ۹۶ سے ماں کے کل حصے بمع سابقہ ۲۸ بنے اور سردارا کے بمع سابقہ ۴۲ بنے تو اب حصوں کی یہ صورت ہے :

نیاز احمد ۹۶ حصے مع المناسخہ

میت

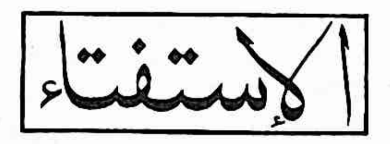
والدہ مہراں	بیوی الٰہی سین	بھائی سردارا	بہن سرداراں	نظراں
۱۶	۲۸	۴۲	۵	۵

كذا في السراجية وغيرها

والله تعالٰى اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم وصلى الله تعالٰى على حبيبه وآله وصحبه وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۶ر جمادی الاولیٰ ۷۸ھ



کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمیٰ شیخ محمد فوت ہوا



اس کے فوت ہونے کے وقت اس کی والدہ مسماۃ ساماں ایک بیوی مسماۃ کرم بھری، ایک لڑکی مسماۃ خورشید، تین حقیقی بہنیں مسماۃ مریم، سلوں، جنت موجود تھیں اور اس کا کوئی لڑکا اور بھائی نہیں اور بعد از چھ ماہ اس کی والدہ ساماں بھی فوت ہو گئی، اب اس کا ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے؟ اس پر کوئی قرض نہیں اور نہ ہی اس نے کوئی وصیت کی ہے۔

نوٹ: مسماۃ ساماں کے حقیقی بھتیجے اور تین لڑکیاں جنت وغیرہا موجود ہیں۔

مستفتی: مسمیٰ علاول بھٹہ

ساکن رتہ کھنہ نزد دیپال پور





اگر سوال صحیح ہے تو مسمیٰ شیخ محمد کے کفن و دفن سے بچے ہوئے کل ترکہ کا چھٹا حصہ والدہ کا ہے اور آٹھواں حصہ بیوی کا اور آدھا لڑکی کا باقی سب تین بہنوں کا ہے حسب القواعد (اصل مسئلہ ۲۴ سے اور تصحیح ۷۲ سے ہے یعنی کل ترکہ کے ۷۲ حصے برابر بنا کر حسب تفصیل ذیل دیئے جائیں)



میت شیخ محمد مسئلہ ۱۲ تا ۷۲

والدہ ساماں	بیوی کرم بھری	لڑکی خورشید	بہن مریم	بہن سلوں	بہن جنت
۱۲/۷۲	۹/۷۲	۳۶/۷۲	۵/۷۲	۵/۷۲	۵/۷۲

پھر جب مسماۃ ساماں والدہ فوت ہوئی تو اس کے کفن دفن وغیرہ سے بچے ہوئے کل ترکہ[ف] کی دو تہائی حصے اس کی تینوں لڑکیوں کے ہیں اور باقی تیسرا حصہ بھتیجوں کا ہے۔ سراجیہ میں ہے

السدس مع الولد، والثمن مع الولد، النصف للواحدۃ، ولهن الباقی مع البنات، والثلثان للاثنتین فصاعدا، ثم بنوهم۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۵ رجمادی الاخریٰ ۷۸ھ

ف یہ اصل مسئلہ تین سے آئے گا:

میت ساماں مسئلہ از ۳

۳ لڑکیاں	بھتیجے
۲/۳	۱/۳

اور اس کی تصحیح اس لئے نہیں کی گئی کہ بھتیجوں کی تعداد مذکور نہیں ۱۲ منہ المصحح

الاستفتاء

مورثِ اعلیٰ صالے خاں

میت

لال بی بی — دو بیویاں — ست بھرائی

مشری خاں — موسیٰ خاں — مراد خاں (لاولد) — ماچھی خاں

سمند خاں — ممند خاں

مطابق رواج نصف نصف حصہ کے مالک

لڑکا احمد خاں — لڑکی مائی صوباں

اس کی والدہ کا نام صباں جو مورث کے بعد فوت ہوئی

احمد خاں کی دو بیویاں

روشن بی بی — صاحبزادی

لڑکا محمد امین — لڑکیاں فجاں بی بی، رجاں بی بی

وراثت ½ حصہ محمد امین خاں یعنی نصف حصہ، نصف حصہ مائی صاحبزادی سوتیلی والدہ بموجب رواج چونڈے وَنڈ

وراثت بر فوتیدگی محمد امین خاں روشن بی بی اور محمد امین خاں کی دادی مائی صباں کے نام چھٹا حصہ

مائی صباں یعنی محمد امین کی دادی کی فوتیدگی پر مائی روشن بی بی اور مائی صاحبزادی سوتیلی والدہ کے نام

روشن بی بی کی فوتیدگی پر کل حصہ مائی صاحبزادی کے نام

تین بیویاں

مائی اللہ جوائی — جوائی — مائی سبھرائی

پسر فتح دین مرحوم — سرور خاں مرحوم — علاول خاں زندہ — انور خاں مرحوم — سجاول خاں

ایک لڑکی مائی روشن بی بی والدہ محمد امین خاں مرحوم

نوٹ: انور خاں مرحوم، سجاول خاں مرحوم کی فوتیدگی کے بعد مائی روشن بی بی نے انتقال کیا۔

فتح الدین۔ سرور دین









حسبِ بیانِ سائلین علاول خان وغیرہ متوفی احمد خاں کے ورثاء اس کا ایک لڑکا محمد امین خاں، دو لڑکیاں فجاں بی بی۔ رجّاں بی بی اور والدہ صبّاں بی بی، دو بیبیاں روشن بی بی اور صاحبزادی بوقت وفات احمد خاں زندہ تھے بعد ازاں محمد امین خاں بچپن میں ہی فوت ہوا اس وقت روشن بی بی مذکورہ اسکی والدہ اور فجاں بی بی، رجاں بی بی بہنیں اور علاول خان، انور خان، سجاول خان پسرانِ ماچھی خاں محمد امین خاں کے پردادے صابے خاں کے پوتے جو اُس کے دادے کے حقیقی بھتیجے تھے، موجود تھے پھر روشن بی بی فوت ہوئی اور اسکی دونوں لڑکیاں فجاں بی بی، رجاں بی بی اور ایک بھائی علاول خاں مذکور تھے۔ صباں بی بی والدہ احمد خاں قبل از وفات روشن بی بی فوت ہوئی اور اس کی دو پوتیاں فجاں بی بی، رجاں بی بی اور کچھ بھتیجے وغیرہ زندہ تھے حالانکہ سمندر خاں، ممند خاں وغیرہ پسرانِ صابے خاں محمد امین خاں کی وفات سے پہلے فوت ہو چکے تھے تو دریافت کیا کہ اس صورت میں مذکورہ بالا ورثاء کے کیا کیا حصے آتے ہیں۔ جو شجرۂ نسب منسلکہ سوال میں درج ہیں تو متوفی احمد خاں کی والدہ کا چھٹا حصہ اور دونوں بیویوں کا آٹھواں حصہ اور باقی حسبِ دستور لڑکے اور لڑکیوں کا۔ یہ مسئلہ ۲۴ سے آئے گا اور تصحیح ۹۶ سے ہے حسبِ ذیل:


ــہ فجاں بی بی روشن بی بی سے قبل فوت ہو چکی تھی، یہ علاول خاں نے آج بیان دیا ہے۔ نور عفرلہ ۶۳-۳-۲۵



میت احمد خاں مسئلہ از ۲۴ تصحیح از ۹۶ جو نچلی تقسیمات کے لیے حسب القواعد ۸۶۴۰ بن گئے۔

والدہ صباں بی بی	بیوی روشن بی بی	بیوی صلح زادی	لڑکا محمد امین خاں	لڑکی فجاں بی بی	لڑکی رجاں بی بی
۱۷ / ۱۵۳۰	۱۷ / ۱۵۳۰	۳۴ / ۳۰۶۰	۶ / ۵۴۰	۶ / ۵۴۰	۱۶ / ۱۴۴۰

اور متوفی محمد امین خاں کی والدہ کا چھٹا حصہ اور بہنوں کا تیسرا تیسرا حصہ اور باقی علاول خاں وغیرہ پسران ماجھی خاں کا جو زندہ تھے۔ یہ مسئلہ ۶ سے آئے گا اور تصحیح ۱۸ سے ہوگی مگر حسب القواعد ۸۶۴۰ سے محمد امین کا حصہ لے کر تقسیم صحیح ہوگی، حسب ذیل:

میت محمد امین خاں مسئلہ از ۶ تصحیح از ۱۸ اور والد کی وراثت سے اسکے مافی الید ۳۰۶۰ تھے۔

والدہ	بہن	بہن	پرداد ے کا پوتا	پرداد ے کا پوتا	پرداد ے کا پوتا
روشن بی بی	فجاں بی بی	رجاں بی بی	علاول خاں	انور خاں	سجاول خاں
۵۱۰	۱۰۲۰	۱۰۲۰	۱۷۰	۱۷۰	۱۷۰

بعدہٗ صباں بی بی کی دونوں پوتیوں کا تیسرا تیسرا حصہ اور باقی بھتیجے وغیرہ کا مسئلہ ۳ سے آئیگا حسب ذیل:

میت صباں بی بی مسئلہ از ۳ اور اس کے قبضے میں ۱۴۴۰ تھے

پوتی فجاں بی بی	پوتی رجاں بی بی	بھتیجے وغیرہ
۴۸۰	۴۸۰	۴۸۰

اور جب فجاں بی بی فوت ہوئی تو اس کا مسئلہ ردیہ از ۵ ہے، ۲ حصے اس کی والدہ روشن بی بی کے اور تین حصے اس کی بہن رجاں بی بی کے اور اس کے پاس مافی الید ۳۰۳۰ تھے حسب ذیل:

میت فجاں بی بی مسئلہ از ۵ مافی الید ۳۰۳۰

والدہ روشن بی بی	بہن رجاں بی بی
۱۲۱۲	۱۸۱۸





آخر میں جب روشن بی بی فوت ہوئی تو اس کے مال سے نصف اس کی لڑکی رجاں بی بی کا اور باقی نصف اس کے بھائی علاول خاں کا ہے اور کل اس کے مافی الید ۲۲۶۲ تھے حسبِ ذیل :

روشن بی بی مسئلہ از ۲ مافی الید ۲۲۶۲

میت

لڑکی	برادرِ حقیقی
رجاں بی بی	علاول خاں
۱۱۳۱	۱۱۳۱

اب حسبِ بیانِ سائلین جو زندہ ورثاء ہیں ان کے حصص یوں ہیں :

الاحیاء ———— زندہ ورثاء



رجاں بی بی	صاحبزادی	علاول خاں	انورخاں	سجاول خاں	صباں کے بھتیجے وغیرہ
از وراثتِ والد ۱۵۳۰ از وراثتِ بھائی ۱۰۲۰ از وراثتِ دادی ۴۸۰ از وراثتِ ہمشیرہ ۱۸۱۸ از وراثتِ والدہ ۱۱۳۱	از وراثتِ خاوند	از وراثت محمد امین خاں بھتیجا ۱۷۰ از وراثتِ ہمشیرہ روشن بی بی ۱۱۳۱	از وراثت محمد امین خاں بھتیجا	از وراثت محمد امین خاں بھتیجا	
۵۹۷۹	۵۴۰	۱۳۰۱	۱۷۰	۱۷۰	۴۸۰

نوٹ : شریعتِ اسلامیہ کی رُو سے اگر کوئی وارث اپنے مورث کی وفات کے وقت



مرتد ہو چکا ہے مثلاً عیسائی وغیرہ بن چکا ہے تو وہ حصہ وراثت نہیں پا سکتا اور محروم رہتا ہے تو اگر ان مذکورہ بالا میں سے کوئی ایسا ہو تو محروم رہے گا اور دوسرے اس کے ہم درجہ کے حصے بھی بدل جائیں گے کذا فی السراجیۃ وغیرھا۔

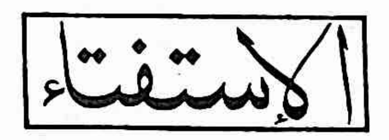
واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحٰبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۸ ذی القعدہ المبارکہ ۷۸ھ

بروز اتوار





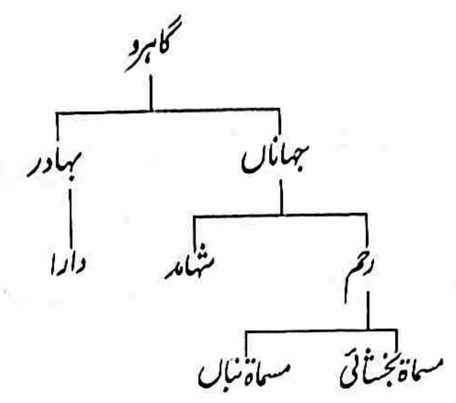
بحضور جناب حضرت مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف ضلع منٹگمری

درخواست برائے دریافت حکم شرع نسبت تقسیم جائیداد منقولہ بصورت ذیل

جناب عالی!

۱: یہ کہ مسمیان بہادر، جہاناں پسران گہرو تھے، بہادر کا ایک لڑکا مسمیٰ دارا نامی تھا اور جہاناں کے دو لڑکے مسمیان رحم و شہامد تھے۔







۲: یہ کہ رحم مذکور شادی شدہ تھا اور اس کے نطفہ سے دو لڑکیاں مسماۃ بخشائی و مسماۃ نباں تھیں جو کہ ان دو لڑکیوں اور اپنی بیوی کو تقریباً آٹھ راس بکریاں چھوڑ کر فوت ہو گیا۔ اس وقت اس کا بھائی شہامد کنوارہ تھا مگر اپنے بھائی متوفی سے علیحدہ تھا۔

۳۔ یہ کہ رحم کے فوت ہو جانے کے بعد شہامد مذکور نے اپنی بیوہ بھاوج کا نکاح کر لیا۔ بھتیجیوں اور جائداد منقولہ کو بھی حاصل کر لیا اور کچھ عرصہ بعد خود بھی فوت ہو گیا۔ اس کے اپنی کوئی اولاد نہ ہوئی۔ جائیداد میں پچانوے راس بھیڑ و بکری چھوڑ کر فوت ہوا جس میں رحم متوفی کی مذکورہ بکریاں اور ان کے بچے جن کی تعداد کا علم نہیں، شامل ہیں۔

۴: شہامد کی وفات سے پہلے اس کی بیوی جو کہ لڑکیاں کی والدہ تھی وہ بھی فوت ہو چکی تھی۔ اب شہامد کی وفات پر یتیم بچیوں کو معہ مجلہ جائیداد مذکورہ ان کے نانکے اپنے پاس لے گئے اور وہ بمع جائداد اپنے حقیقی نانا دوسا کے پاس ہیں اور ان کی نانی ان کی ماں وزیراں سے پہلے فوت ہو چکی تھی۔

۵: یہ کہ اب دارا مذکور جو کہ مسماۃ بخشائی، مسماۃ نباں دختران رحم متوفی کا رشتہ میں تایا ہے اور یک جدی ہے، جائداد مذکورہ و لڑکیاں مذکوراں کی واپسی کا مطالبہ کر رہا ہے،



دونوں لڑکیاں نابالغ ہیں۔

بذریعہ درخواست ہذا ملتمس ہوں کہ اندریں حالات مذکورہ جائیداد اور لڑکیوں پر مسمّٰی دارا مذکور اور لڑکیوں کے نانا مسمّٰی دوسہ مذکور کا کہاں تک حق ہے؟ واضح فرمایا جاوے حضور کی عین نوازش ہوگی۔

نوٹ: مسمّٰی بہادر رحم سے پہلے فوت ہو چکا تھا اور رحم اور شہامدہ کی کوئی بہن نہیں تھی۔

المرقوم ۹ جون ۱۹۵۹ء

عرضے

سائل، فلک شیر ولد محمد قوم ہریکے وٹو ساکن ہریکے نوآباد تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری

نشان انگوٹھہ سائل مذکور





مسمّٰی رحم کے وارث اس کی دو لڑکیاں اور ایک بیوی اور ایک بھائی شہامدہ تھے اور دارا رحم کا وارث نہیں تھا اور وارثوں کے حصے رحم کے ترکہ میں حسب ذیل تھے، دونوں لڑکیاں $\frac{2}{3}$ اور بیوی $\frac{1}{8}$ اور بھائی کا باقی سب پھر جب وزیراں فوت ہوئی تو اس کے وارث اس کی دونوں لڑکیاں اور اس کا باپ اور دوسرا خاوند شہامدہ تھے لڑکیوں کے $\frac{2}{3}$ اور باپ کا $\frac{1}{6}$ اور خاوند کا $\frac{1}{4}$ اور دارا کا کوئی حق نہیں تھا تو مسماۃ وزیراں کے فوت ہونے پر مسمّٰی رحم کی چھوڑی ہوئی کل جائداد کے حصے اور حقدار حسب ذیل تھے (حسب قواعد اسکی کل جائداد کے ۳۱۲ حصے بنے)

مسمٰی رحم بعد ازاں اس کی بیوی زیراں

بخشائی	نباں، دختران رحم اور زیراں	دوسا، والدِ زیراں	شہامدہ برادرِ حقیقی رحم اور زیراں کا خاوند
۱۱۶/۳۱۲	۱۱۶/۳۱۲	۶/۳۱۲	۷۴/۳۱۲

مسماۃ بخشائی اور نباں یتیم بچیوں کے یہ ۱۱۶ اور ۱۱۶ کل ۲۳۲ حصے خالص ان دونوں کا حق ہے اس میں سے کوئی نانا یا چچا ایک پیسہ بھی اپنے لئے نہیں لے سکتا اور دوسا کے چھ حصے بھی اسی کا حق ہیں اور شہامدہ کے یہ ۷۴ حصے جو رحم کی جائداد سے اسے ملے اور اس کی دوسری کل جائداد منقولہ اور غیر منقولہ ان سب کا وارث بعد از وفاتش دارا ولد بہادر بنا، شہامدہ کے ترکہ سے بخشائی اور نباں بھتیجیوں کو کچھ نہیں ملے گا (کما فی السراجیۃ وغیرھا)۔

جب یہ سب حق واضح ہوئے تو معلوم ہوا کہ دارا مذکور شہامدہ کے کل ترکہ (جس میں رحم کی جائداد سے ۷۴ حصے بھی شامل ہیں) کا حقدار ہے اور اپنے اس حق کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے مگر لڑکیوں کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرسکتا کہ وہ لڑکیوں کی پرورش نہیں کرسکتا بلکہ یہ دوسا نانا کا ہی حق ہے ہدایہ، فتح القدیر، عنایہ ج ۴ ص ۱۸۷، شرح الوقایہ ج ۲ ص ۱۶۹، تبیین الحقائق، شلبی ج ۳ ص ۴۸، ملتقی الابحر، مجمع الانہر، در المنتقی ج ۱ ص ۴۸۲، بحر الرائق ج ۴ ص ۱۶۹، شامی ج ۲ ص ۸۷۹، عقود الدریہ ج ۱ ص ۶۴، ہندیہ ج ۲ ص ۱۴۱ میں ہے (والنظم منها) والصغيرة لا تدفع اليهم۔ یعنی چھوٹی بچی غیر محرم عصبات (جیسے چچوں کے لڑکے) کے سپرد نہ کی جائے نیز فتاوٰی عالمگیر کے اسی صفحہ میں ہے لا حق لغير المحرم فی حضانة الجارية یعنی غیر محرم کے لئے لڑکی کی پرورش میں کوئی حق نہیں۔

فتاوٰی قاضیخاں ص ۱۹۲ میں ہے لا حق^ع لابن العم فی حضانة الجارية



ع و نحوه فی البدائع ج ۴ ص ۴۳ و نصه وان کان جارية فلا تسلم اليه لانه ليس بمحرم منها لانه يجوز له نکاحها فلا يؤتمن عليها ۱۲ منہ غفر لہ



عقود الدریہ ج ۱ ص ۶۴ میں ہے لاحق لابن العم وابن الخال فی کفالۃ الجاریۃ

شامی ج ۲ ص ۸۷۹ میں ہے لاحق لابن العم فی الجاریۃ مطلقا۔

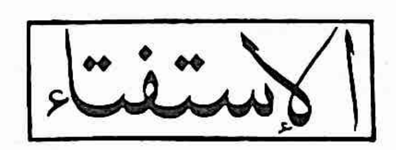
اس سب کا حاصل یہ کہ چچا کا لڑکا پرورش نہیں کرسکتا کہ غیر محرم ہے تو باپ کے چچے کا لڑکا (دارا ولد بہادر) کیونکر پرورش کرسکتا ہے کہ وہ بھی غیر محرم ہے اور نسبۃً دور کا رشتہ دار ہے اور نانا چونکہ محرم ہے تو پرورش کرسکتا ہے۔ شامی ج ۲ ص ۸۷۹، عقود الدریہ ج ۱ ص ۶۴ میں ہے (والنظم منہا) فالحضانۃ للجد لام لانہ محرم کہ اس صورت میں پرورش نانے کا حق ہے کہ وہ ایسا لگا ہے جو محرم ہے۔

حاصل یہ کہ دارا لڑکیوں کا نامحرم ہے، لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے لہٰذا لڑکیوں کی پرورش کا حق نہیں رکھتا اور نانا محرم ہے اور نانے سے قریب کوئی اور محرم ہے نہیں تو نانا ہی حقدار ہے لہٰذا لڑکیاں اسی کے پاس رہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ والہ واصحٰبہ وبارک وسلم۔



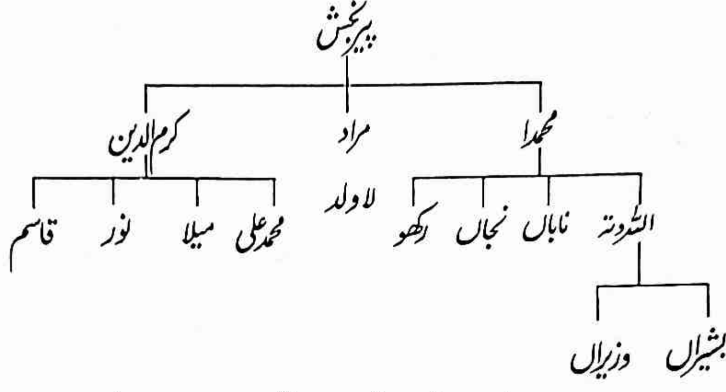
حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۷ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۷۸ھ بروز پیر



مسمّٰی اللہ دتہ ولد محمد اجب فوت ہوا اس وقت اسکی بیوی راج بخت اور دو حقیقی بہنیں بخاں اور رکھو اور تین چچازاد بھائی مسمیان میلا، نور، قاسم اور دو لڑکیاں مسماۃ بشیراں اور وزیراں زندہ



تھے بعدازاں اس کی لڑکی بشیراں فوت ہو گئی اور پھر دوسری لڑکی وزیراں بھی فوت ہو گئی تو اسکی جائداد کس طرح تقسیم ہو گی؟ نیز اسکی ایک بہن ناباں بھی تھی جو اس سے پہلے فوت ہو گئی اور یونہی اس کا چچازاد محمد علی بھی اس سے پہلے فوت ہو چکا تھا، شجرۂ نسب حسب ذیل ہے:



السائل: خوشی محمد از چک 5/S.P تحصیل دیپال پور ضلع منٹگمری



اللہ دتہ کے ترکہ سے راج بخت بیوی کا آٹھواں حصہ ہے اور دونوں لڑکیوں کیلئے دو تہائی اور باقی سب دونوں بہنوں کا ہے اور چچازاد بھائیوں کے لئے اللہ دتہ کے ترکہ میں کوئی حصہ نہیں۔ پھر جب لڑکی بشیراں فوت ہوئی تو اس کے وارث اس کی ماں اور بہن وزیراں اور میلا، نور، قاسم جو اس کے والد کے چچازاد ہیں، ماں کا تیسرا حصہ اور بہن کا نصف اور باقی



تینوں چچوں کا حق ہے۔

بعد ازاں جب دوسری لڑکی وزیراں بھی فوت ہوئی تو اس کے وارث اسکی ماں راج بخت اور میلا، نور، قاسم چچے ہیں، ماں کا تیسرا حصہ ہے اور باقی سب چچوں کا ہے تو حسب القواعد اللہ دتہ کے ترکہ کے کل حصے چار سو بتیس ۴۳۲ بنیں گے جن میں سے راج بخت کو ایک صد چوہتر ۱۷۴ حصے ملیں گے اور مسماۃ نجاں اور رکھو کو پینتالیس ۴۵ پینتالیس ۴۵ حصے اور میلا، نور، قاسم کو چھپن ۵۶ چھپن ۵۶ حصے ملیں گے۔ مسماۃ راج بخت، اللہ دتہ خاوند اور بشیراں، وزیراں لڑکیوں کی وارث ہے لہٰذا اس کا حق تین طرح ثابت ہو گیا اور نجاں رکھو صرف اپنے بھائی اللہ دتہ کی وارث ہیں تو ان کا حق ایک ایک مرتبہ ہے اور مسمیان میلا، نور، قاسم مسماۃ بشیراں اور وزیراں دونوں کے وارث ہیں، ان کے لئے دو دو مرتبہ حق ثابت ہوا۔ یہ مسئلہ مناسخہ کا ہے اور یہ جواب سراجیہ وغیرہا سے ہے جو مذہبِ حنفی کی معتبر کتابیں ہیں۔ تقسیم کی صورت حسب القواعد مندرجہ ذیل ہے:

اللہ دتہ مسئلہ از ۴ تصحیح از ۲ ۴۸، بعد ازاں بشیراں فوت ہوئی تو اس کا مسئلہ از ۶ تصحیح از ۸ ۱۱ اور جب حسب قاعدہ ۹ کو ۴۸ سے ضرب دی گئی تو ۴۳۲ ہوئے پھر جب وزیراں فوت ہوئی تو اسکا مسئلہ از ۶ تصحیح از ۹ اور یہ در تقسیم درست ہے



میت

مسماۃ راج بخت بیوہ اللہ دتہ	نجاں، اللہ دتہ کی بہن	رکھو، اللہ دتہ کی بہن	میلا	نور	قاسم، اللہ دتہ کے چچا زاد بھائی
۱۷۴/۴۳۲	۴۵/۴۳۲	۴۵/۴۳۲	۵۶/۴۳۲	۵۶/۴۳۲	۵۶/۴۳۲

نوٹ: وارث وہ ہوتا ہے جو بوقتِ وفاتِ میت زندہ ہو لہٰذا مسماۃ نابان اور محمد علی وارث نہیں۔

نوٹ: میت کے کفن، دفن کے اخراجات اور یونہی اگر قرض ہو تو اس کے ادا کرنے کے بعد وارثوں کا حق بنتا ہے۔ یونہی اگر میت نے وصیت کی ہو تو ایک تہائی تک پوری کرنے



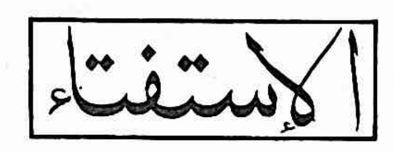
کے بعد جو مال بچے اس میں وارثوں کے حصے ہوا کرتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہ و

واصحٰبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

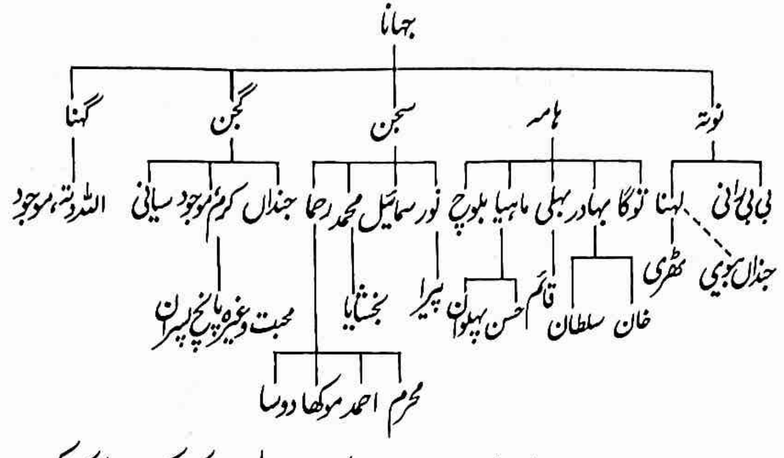
۱۹ صفر المظفر ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹-۷-۱۹۶۱





کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی لہنا برطانوی دور میں فوت ہوا حالانکہ اس کا کوئی لڑکا یا بھائی نہیں تھا اور ایک بہن بی بی رانی تھی جو پہلے فوت ہو چکی تھی اور والدین بھی پہلے فوت ہو چکے تھے ہاں لہنا کے حقیقی دو چچوں گجن اور گہنا کے لڑکے مسمیان کرم اور اللہ دتہ موجود تھے اور اب بھی ہیں اور باقی دو چچوں ہامہ اور سجن کے لڑکے سب فوت ہو چکے تھے ہاں انکے پوتے سلطان وغیرہ زندہ تھے اور اب بھی ہیں تو انگریزی قانون کے مطابق لہنا کی کل جائداد کا انتقال اس کی بیوہ جنداں کے نام ہو گیا اور پھر جنداں کے فوت ہونے پر اس کی لڑکی ٹھری کے نام انتقال ہو گیا اب مسماۃ ٹھری بھی فوت ہو گئی ہے حالانکہ اس کی بھی کوئی اولاد نہیں ہاں خاوند مسمّٰی محبت موجود ہے اور باپ کے لڑکے کرم اور اللہ دتہ اور چچوں کے پوتے سلطان وغیرہ بھی موجود ہیں نیز جنداں فوت ہوئی تھی تو اس کی صرف ایک لڑکی ٹھری اور ایک بھائی کرم اور ایک بہن سیانی موجود تھے۔ شجرۂ نسب حسبِ ذیل ہے:





تو اب مسماۃ ٹھڑی کے فوت ہونے کے بعد مسمٰی لہنا مذکور کی جائداد کا کون کون وارث ہے، شرعی وضاحت سے جواب دیں۔

نوٹ : توگا، ہامہ وغیرہ پانچوں حقیقی بھائی ہیں اور یونہی کرم اور جنداں، سیانی یہ تینوں حقیقی بہن بھائی ہیں۔

السائل : کرم ولد گجن چک $\frac{42}{D}$ تحصیل دیپال پور ۶۲-۳-۵





مسمٰی لہنا کے وارث اس کی بیوی جنداں اور لڑکی ٹھڑی اور کرم اور اللہ دتہ چچازاد بھائی ہیں، بیوی کا آٹھواں حصہ اور لڑکی کا نصف اور باقی کرم اور اللہ دتہ کا بحصہ مساوی ہے

اور سلطان وغیرہ جو چچوں کے پوتے ہیں وہ چچازاد بھائیوں کی موجودگی میں عصباتِ بعیدہ ہیں اور وارث نہیں۔ بعدازاں جب جنداں فوت ہوئی تو اس کے وارث اس کی لڑکی ٹھری اور کرم بھائی اور سیانی بہن ہے، لڑکی کا نصف اور باقی نصف کی دو تہائی بھائی اور ایک تہائی بہن کا حق ہے پھر جب مسماۃ ٹھری فوت ہوئی تو اس کے وارث اس کا خاوند محبت اور کرم اور اللہ دتہ باپ کے چچازاد عصبات قریب ہیں۔ خاوند کا نصف اور باقی کرم اور اللہ دتہ کا بحصہ مساوی ہے اور حسب القواعد یہ مسئلہ ۱۹۲ سے آئے گا یعنی مسماۃ لہنا کی کل جائداد کے کل ۱۹۲ حصص مساوی بنانے سے تقسیم صحیح ہوگی حسبِ ذیل:۔

پہلے لہنا فوت ہوا تو مسئلہ از ۸ تصحیح از ۱۶ پھر جنداں فوت ہوئی تو مسئلہ از ۶ تصحیح از ۴۸

پھر ٹھری فوت ہوئی تو مسئلہ از ۴ اور تصحیح از ۱۹۲

کرم	اللہ دتہ	سیانی	محبت	سلطان وغیرہ
۷۱/۱۹۲	۶۳/۱۹۲	۴/۱۹۲	۵۴/۱۹۲	محروم



کما فی السراجیۃ وغیرھا حسب احکام القرآن الکریم والاحادیث الشریفۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہٖ واٰلہٖ واصحٰبہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۸ ماہِ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ

مطابق ۷ مارچ ۱۹۶۲ء

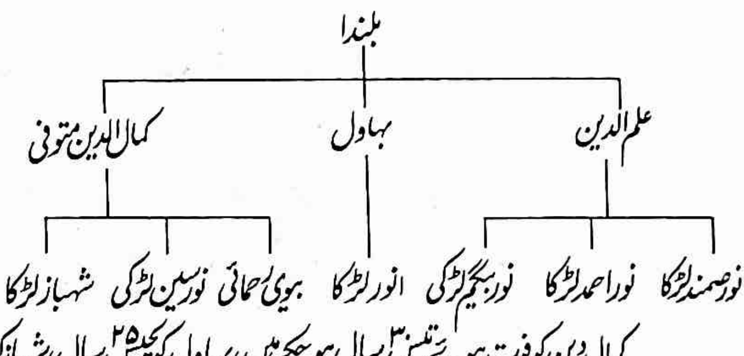


الاستفتاء

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ کمال دین متوفی کی جائیداد کو کس طرح تقسیم کیا جائے گا جب وہ فوت ہوا تو اس کا ایک لڑکا شہباز، ایک لڑکی نور سین، بیوی مسماۃ رحمائی، دو بھائی بہاول وعلم الدین چھوڑ کر فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کا بھائی بہاول فوت ہو گیا اور ایک لڑکا انور چھوڑ گیا۔ اس کے بعد شہباز فوت ہو گیا اور ماں رحمائی، بہن نور سین، چچا علم الدین اور چچا زاد بھائی انور چھوڑ گیا۔ اس کے بعد علم الدین دو لڑکے نور صمند، نور احمد اور ایک لڑکی نور بیگم چھوڑ کر فوت ہو گیا، اس کے بعد رحمائی فوت ہو گئی ہے، شجرۂ نسب حسبِ ذیل ہے :۔





کمال دین کو فوت ہوئے تیس ۳۰ سال ہو چکے ہیں، بہاول کو پچیس ۲۵ سال، شہباز کو اٹھارہ ۱۸ سال، علم الدین کو پانچ ۵ سال اور رحمائی کو ایک ماہ ہوا ہے۔

نوٹ : سائل نور صمند نے زبانی بیان کیا کہ متوفی شہباز شادی شدہ نہیں تھا اور مسماۃ رحمائی کا صرف ایک بھائی اور ایک بہن سوتیلے ہیں یعنی اس کے باپ کے ہیں اور اس نے کسی اور سے



نکاح نہیں کیا۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: العبد غلام رسول غفرلہٗ از حویلی لکھا برائے نور صمند

نشان انگوٹھا نور صمند (......)





یہ مسئلہ مناسخہ کا ہے یعنی تقسیم سے پہلے ہی ورثہ یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے تو حسب القواعد اس کی تصحیح سات سو بیس ۷۲۰ سے ہوگی۔ متوفیٰ اوّل کمال دین کی جائیداد کے سات سو بیس حصوں سے اس کی بیوی کا آٹھواں حصہ ۹۰/۷۲۰ اور باقی کی دو تہائی ۴۲۰/۷۲۰ لڑکے کے اور ایک تہائی ۲۱۰/۷۲۰ لڑکی کے ہیں۔ بعد ازاں شہباز فوت ہوا تو اس کے پاس اپنے باپ کی جائیداد سے شرعاً ۴۲۰/۷۲۰ تھے تو اس کی ماں کا تیسرا حصہ ۱۴۰/۷۲۰ اور بہن کا نصف ۲۱۰/۷۲۰ اور باقی کل ۷۰/۲۴۰ چچا علم الدین کے ہیں۔ بعد ازاں رحمائی فوت ہوئی تو اس کے پاس اس جائیداد سے خاوند اور لڑکے کی وراثت سے کل ۳۲۰/۷۲۰ تھے تو اس کی لڑکی کا نصف ۱۱۵/۲۴۰ اور باقی اس کے سوتیلے بہن اور بھائی کا ہے، بھائی کے دو حصے اور بہن کا ایک حصہ ہے اور جب علم الدین فوت ہوا تو اس کے پاس اس جائیداد سے ۷۰/۷۲۰ تھے جو اس کے دو لڑکوں اور ایک لڑکی کا حق ہے، ہر ایک لڑکے کو ۲۸/۷۲۰ اور لڑکی کو ۱۴/۷۲۰ ملیں گے حسب ذیل:۔



الاموات (مرے) کمال دین۔ شہباز۔ علم الدین۔ رحمائی، تصحیح از سات صد بیس۔ ۷۲۰

الاحیاء (زندے) نور بیبن، جاگیر اور حسنا، رحمائی کے بھائی بہن۔ نور صمند، نور احمد، نور بیگم، انور۔

۵۳۵/۷۲۰	۱۱۵/۷۲۰	۲۸/۷۲۰	۲۸/۷۲۰	۱۴/۷۲۰

مسمےٰ انور اس لئے محروم ہے کہ اس کا باپ بہاول شہباز سے پہلے فوت ہوگیا تھا والمسائل مصرح بھا فی السراجیۃ وغیرھا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہٖ واصحٰبہٖ وبارک وسلم۔

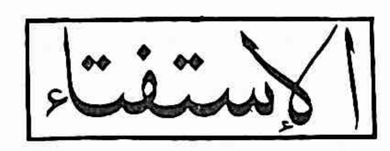


نوٹ: سائل نے کئی بار دریافت کرنے کے باوجود بھی بعد میں جا کر بتایا کہ مسماۃ رحمائی کے بہن بھائی بھی ہیں لہٰذا ان دونوں کے حصے مشترکہ لکھے ہیں۔ اگر ان کے الگ الگ صحیح حصے معلوم کرنے ہوں تو تین کو سات صد بیس میں ضرب دے کر حصے بنا لئے جائیں تو کُل دو ہزار یکصد ساٹھ حصے بنیں گے جن میں سے رحمائی کے حصے تین صد پینتالیس ہونگے اور اس کے بھائی جاگیر کے ۲۳۰/۲۱۶۰ اور بہن حسنی کے ۱۱۵/۲۱۶۰ بنیں گے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

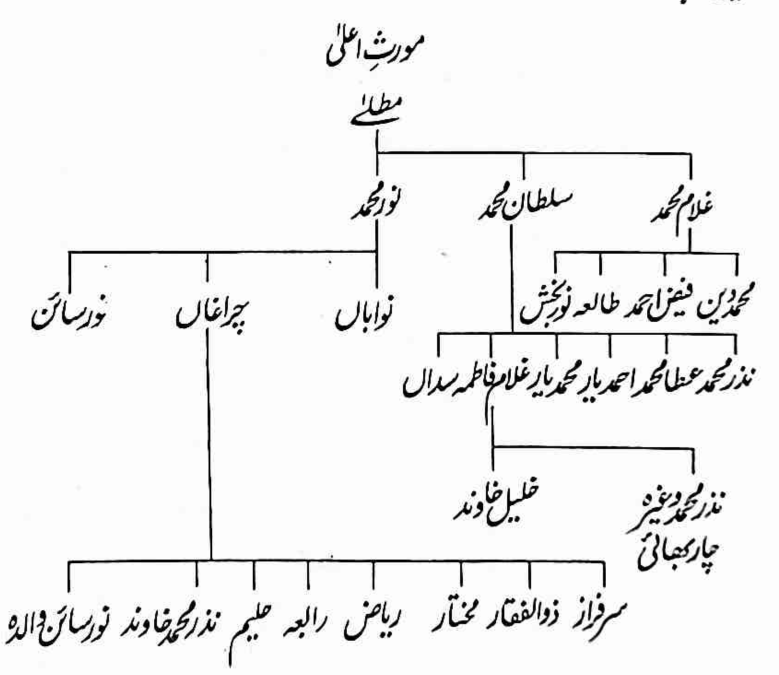
۲ ماہ رمضان المبارک ۸۳ھ ۶۴-۱-۱۸



کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمےٰ نور محمد ولد



مطلی فوت ہوا اس کی ایک بیوی اور دو لڑکیاں اور دو حقیقی بھائی زندہ تھے، بعد ازاں اس کا بھائی غلام محمد فوت ہوا، اس کے دو لڑکے ایک لڑکی اور ایک بیوی موجود تھے، بعد ازاں نور محمد متوفی کی لڑکی نواباں فوت ہوئی جس کی ایک بہن اور ماں اور چچا زندہ تھے، بعد ازاں سلطان محمد برادر نور محمد فوت ہوا، اس کے چار لڑکے اور ایک لڑکی اور ایک بیوی موجود تھے، بعد ازاں اس کی بیوی سداں، چار لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑ کر فوت ہوئی، بعد ازاں اس کی لڑکی غلام فاطمہ، چار بھائی اور خاوند چھوڑ کر فوت ہوئی نیز مسمّٰی غلام محمد کی بیوی مسماۃ نور بخش، دو لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑ کر فوت ہوئی اور سب کے بعد مسماۃ چراغاں دختر نور محمد فوت ہوئی، اس کی والدہ اور خاوند مسمّٰی خلیل، دو لڑکے، چار لڑکیاں زندہ تھے۔ شجرہ حسب ذیل ہے :۔







تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ متوفی نور محمد کا ترکہ شجرہ مندرجہ بالا کے موجود افراد میں کس طرح تقسیم کیا جائے۔ بینوا توجروا

السائل: نذر محمد ولد سلطان محمد سکنہ موضع بلاڑہ ڈاکخانہ کلیانہ تحصیل پاکپتن شریف ضلع ساہیوال

دستخط بحروف اردو نذر محمد ۴/۲/۷



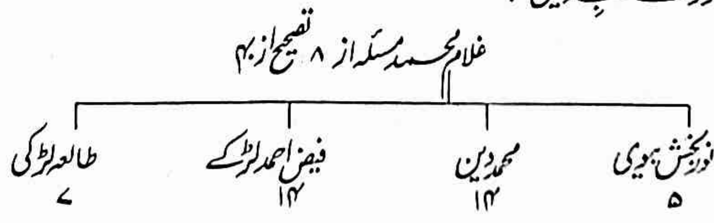


نور محمد کی لڑکیاں نواباں اور چراغاں دو تہائی کی مالک تھیں اور نور سائن ۱/۸ حصہ کی اور باقی غلام محمد و سلطان محمد بھائیوں کا تھا حسب ذیل:

نور محمد مسئلہ از ۲۴ تصحیح از ۴۸

نور سائن بیوی	چراغاں	نواباں لڑکیاں	غلام محمد	سلطان محمد
۶	۱۶	۱۶	۵	۵

بعد ازاں غلام محمد فوت ہوا تو اس کی بیوی کا ۱/۸ حصہ اور باقی لڑکی کا ایک حصہ اور لڑکوں کے دو دو حصے حسب ذیل:





بعدازاں مسماۃ نواباں فوت ہوئی تو اس کی ماں کے لئے ⅓ اور چراغاں بہن کا نصف اور باقی سلطان محمد چچا کا حق تھا حسبِ ذیل :

نواباں مسئلہ و تصحیح از ٦

سلطان محمد چچا	چراغاں بہن	نور سائن والدہ
١	٣	٢

بعدازاں سلطان محمد فوت ہوا تو اس کی بیوی کا حق آٹھواں حصّہ اور باقی سے لڑکی کا ایک حصّہ اور چار لڑکوں کے دو دو حصّے حسبِ ذیل :

سلطان محمد مسئلہ از ٨ تصحیح از ٧٢

غلام فاطمہ لڑکی	محمد یار لڑکے	احمد یار	عطا محمد	نذر محمد	سداں بیوی
٧	١٤	١٤	١٤	١٤	٩



بعدازاں مسماۃ سداں فوت ہوئی تو اس کی لڑکی کا ایک حصّہ، لڑکوں کے دو دو حصّے حسبِ ذیل :

سداں مسئلہ و تصحیح از ٩
میت

غلام فاطمہ لڑکی	احمد یار لڑکے	محمد یار	عطا محمد	نذر محمد
١	٢	٢	٢	٢

بعدازاں مسمات غلام فاطمہ فوت ہوئی تو اس کے خاوند کا حق نصف ہے اور باقی چار بھائیوں کا، حسبِ ذیل :

غلام فاطمہ مسئلہ از ٢ تصحیح از ٨
میت

خلیل خاوند	برادران	محمد یار	احمد یار	عطا محمد	نذر محمد
٤		١	١	١	١

اور جب مسماۃ نور بخش فوت ہوئی تو اس کے وارث دو لڑکے اور ایک لڑکی

حسبِ دستور ہیں، حسبِ ذیل :

مسماۃ نور بخش، مسئلہ و تصحیح از ۵

میت

محمد دین	فیض احمد لڑکے	طالعہ لڑکی
۲	۲	

اور جب چراغاں فوت ہوئی تو اس کی والدہ کا حق چھٹا حصہ اور خاوند کا حق

چوتھا حصہ اور باقی سب لڑکوں اور لڑکیوں کا حق ہے، حسبِ ذیل :

چراغاں مسئلہ از ۱۲ تصحیح از ۹۶

میت

نورسائن والدہ	نذر محمد خاوند	سرفراز	ذوالفقار لڑکے	ممتاز	ریاض	رابعہ	حلیمہ لڑکیاں
۱۶	۲۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷



ایسا پیچیدہ مسئلہ جس میں تقسیم سے پہلے یکے بعد دیگرے ورثاء مرتے جائیں اس کو مناسخہ کہا جاتا ہے اور تصحیح کے لئے ضربیں دے کر ترکے کے حصے بنائے جاتے ہیں چنانچہ قواعدِ فقہیہ کے رو سے مسمّٰی نور محمد کی جائداد کے حصے ۱۰۳۶۸ بنائے جائینگے اور تفصیلاتِ مندرجہ بالا کے رو سے زندہ اور موجود افراد کے حصے جو ان کو اپنے اپنے مورثوں سے ملتے ہیں، اس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے :

نور محمد کی جائداد کے کل حصص ۱۰۳۶۸ ہیں۔

الاحیـــــاء

نورسائن	محمد دین	فیض محمد	طالعہ	نذر محمد	عطا محمد	محمد یار	احمد یار	خلیل	سرفراز
۳۳۱۲	۴۳۲	۴۳۲	۲۱۶	۱۶۸۷	۳۹۱	۳۹۱	۳۹۱	۹۲	۷۵۶

ذوالفقار	ممتاز	ریاض	رابعہ	حلیمہ
۷۵۶	۳۷۸	۳۷۸	۳۷۸	۳۷۸

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ والہٖ



وصحبہ و بارک وسلم۔

نوٹ : یہ جواب فتاوٰی عالمگیر اور سراجیہ سے ہے۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۷ شوال المکرم ۱۳۸۶ھ ۲/۲/۶۷ء



الاستفتاء



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علماء دین متین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی محمد شریف ولد سوجا قضاء الٰہی سے فوت ہو گیا اور اپنے پیچھے مندرجہ ذیل وارث چھوڑ گیا :

۱۔ مسماۃ فیضاں، بیوہ ۲۔ زیب الٰہی، دختر ۳۔ بصری، دختر چھوٹی ۴۔ محمد نور، بھائی ۵۔ زینب، بہن ۶۔ زہرہ، بہن۔

مسماۃ فیضاں نے جائیداد مکان مسکونہ کو کمیٹی کے رجسٹر ہائے میں اپنے ورہر دونوں لڑکیوں کے نام منتقل کروالی، بعد ازاں ہر دونوں لڑکیاں ایک ماہ کے اندر فوت ہو گئیں اور اب وارث مسماۃ فیضاں، بیوہ۔ محمد انور، بھائی۔ مسماۃ زینب، بہن اور مسماۃ زہرہ، بہن رہ گئے۔ جائیداد کی تقسیم کس طرح ہو گی؟ بینوا توجروا۔

المستفتی : محمد انور ولد سوجا قوم سن سکنہ حویلی لکھا ضلع ساہیوال

(اس کے جواب میں حضرت فقیہ اعظم نے سائل کے نام تحریر فرمایا :) (مرتب)



"یہ وضاحت کریں کہ دونوں لڑکیاں بیک وقت فوت ہوئیں یا یکے بعد دیگرے؟ تو پہلے کون سے فوت ہوئی؟"

ابوالخیر النعیمی غفرلہٗ ۶؍ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۸۹ھ ۱۳-۲-۷۰

(اس پر سائل نے یہ وضاحتی تحریر بھیجی:)

"پہلے بصری چھوٹی لڑکی فوت ہوئی اور تقریباً ایک ماہ بعد زیب الٰہی بڑی لڑکی فوت ہوئی۔ فقط"

محمد انور





یہ مسئلہ مناسخہ کا ہے، حسب القواعد محمد شریف کا وہ ترکہ جو کفن و دفن اور قضائے دُیون و وصیّت سے بچا، اس کے ورثاء پر حسبِ ذیل تقسیم ہوگا:

محمد شریف مسئلہ از ۲۴ تصحیح از ۹۶×۳ ۲۸۸

میت

فیضاں بیوی	زیب الٰہی لڑکی	بصری لڑکی	محمد انور بھائی	زینب بہن	زہرہ بہن
۳۶ : ۳×۱۲	۹۶ : ۳×۳۲	۹۶ : ۳×۳۲	۳۰ : ۳×۱۰	۱۵ : ۳×۵	۱۵ : ۳×۵

بعد ازاں بصری فوت ہوئی تو اس کا مسئلہ حسبِ ذیل ہے:

بصری، مافی الید ۳۲، مسئلہ از ۶ تصحیح از ۹۶ اور حسب القاعدہ محمد شریف کے ورثاء کے حصوں کو بھی تین میں



ضرب دے کر بڑھایا جائے گا ،

فیضاں والدہ	زیب الٰہی بہن	محمد انور چچا	زینب پھوپھی	زہرہ پھوپھی
۳۲	۴۸	۱۶	محروم	محروم

بعد ازاں زیب الٰہی فوت ہوئی تو اس کا مسئلہ حسبِ ذیل ہے ،

زیب الٰہی مافی الید از حصہ اَب ۹۶ و از حصہ بصری بہن ۴۸ کل : ۱۴۴، مسئلہ از ۶
میت



فیضاں والدہ	محمد انور چچا	زیب الٰہی پھوپھی	زہرہ پھوپھی
۴۸	۹۶	محروم	محروم

تو اب زندہ ورثاء کے حصے حسبِ ذیل بنے از ۲۸۸ حصص :

۱۔ فیضاں از ترکۂ زوج : ۳۶	۲۔ محمد انور از ترکۂ برادر : ۳۰	۳۔ زینب از ترکۂ برادر : ۱۵
از ترکۂ بصری دختر : ۳۲	از ترکۂ بصری بھتیجی : ۱۶	۴۔ زہرہ از ترکۂ برادر : ۱۵
از ترکۂ زیب الٰہی دختر : ۴۸	از ترکۂ زیب الٰہی" : ۹۶	
۱۱۶	۱۴۲	کل : ۲۸۸

كذا في السراجية والهندية وغيرهما من اسفار المذهب المهذب الحنفية۔

والله تعالى اعلم وعلمه جل مجده اتم و احكم وصلى الله تعالى على سيدنا و مولانا محمد وعلى آله واصحبه وبارك وسلم۔

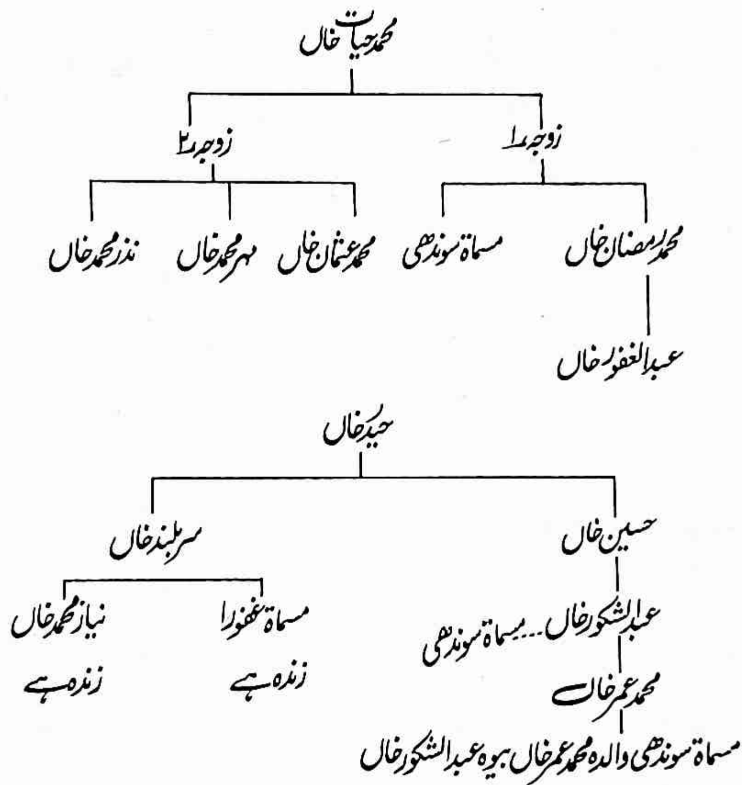
حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۴ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۸۹ھ

۲۰/۲/۷۰



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میراث میں جس کا شجرۂ نسب ذیل میں درج ہے
مسماۃ سوندھی متوفیہ کے بازگشت حق داران۔ جواب باثواب سے بحوالہ کتب ارشاد فرمائیں۔





نوٹ: عبدالشکور ۱۹۲۶ء میں مقام ٹوہانہ میں فوت ہوا۔
محمد عمر خاں ۱۹۳۷ء میں مقام ٹوہانہ میں فوت ہوا۔



مسماۃ سوندھی ۱۹۶۰ء میں مقام حویلی ضلع ساہیوال میں فوت ہوئی۔

محمد رمضان خاں ۱۹۶۹ء میں مقام حویلی ضلع ساہیوال میں فوت ہوا۔

مسماۃ سوندھی کے خاوند عبدالشکور خاں کے بازگشت حقداران کی بھی وضاحت کی جائے۔

سربلند خاں، عبدالشکور خاں سے پہلے فوت ہوا۔

العارض

سعید اختر خاں ولد عبدالغفور خاں، مورخہ ۱۱/۴/۷۹





عبدالشکور خاں کے وارث مسمات سوندھی زوجہ اور مسمی محمد عمر خاں لڑکا ہیں، حسبِ ذیل:

میت عبدالشکور خاں مسئلہ از ۸ تصحیح بعد از مناسخہ از ۲۴

سوندھی زوجہ	محمد عمر خاں لڑکا
۱/۸	۷/۸
۳/۲۴	۲۱/۲۴

بعد ازاں محمد عمر خاں فوت ہوا تو اس کے جائز وارث اسکی والدہ سوندھی اور نیاز محمد خاں جو اس کے والد کے چچا کا لڑکا ہے۔



مسئلہ از ۳ اور تصحیح حسب القواعد از $\frac{۲۱}{۲۴}$ ہے، حسبِ ذیل :

میت محمد عمر خاں مسئلہ از ۳ تصحیح از $\frac{۲۱}{۲۴}$	
سوندھی والدہ	نیاز محمد خاں عصبہ
$\frac{۷}{۲۴}$	$\frac{۱۴}{۲۴}$

بعد ازاں مسماۃ سوندھی فوت ہوئی تو اس کا وارث اس کا بھائی محمد رمضان خاں ہے حسبِ ذیل :

میت مسماۃ سوندھی مافی الید ۳ از خاوند اور ۷ از پسر کل ۱۰ حصے ہیں
محمد رمضان خاں عصبہ

لہٰذا عبد الشکور خاں کی کل مملوکہ جائیداد کی تقسیم حسبِ ذیل کی جائے :

عبد الشکور خاں کی جائیداد کے کل ۲۴ حصے الاحیاء (زندگان) نیاز محمد خاں اور محمد رمضان خاں میں ازروئے قواعد یوں تقسیم ہوں گے کہ مسمّٰی نیاز محمد خاں کے $\frac{۱۴}{۲۴}$ ہیں اور محمد رمضان خاں کے $\frac{۱۰}{۲۴}$ ہیں کما فی السراجیۃ وغیرھا۔



واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ وآلہٖ واصحٰبہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ ۱۱-۴-۷۶



سائل مظہر کہ ایک عورت فوت ہوگئی ہے جس کا ایک بچہ اور خاوند اور والد و والدہ



اور بہنیں بھائی زندہ وموجود تھے، بعدازاں وہ بچہ بھی فوت ہوگیا تو اس کی وراثت کس طرح
تقسیم کی جائے زیور، کپڑا، برتن وغیرہ

سائل

مسمٰی محمد شریف ولد بشیر احمد، سکنہ بھلروں کمبوہ خاص ۲۹ ۱۰/۷۷





یہ مسئلہ مناسخہ کا ہے تو اصل میں خاوند کا حصہ کل مال سے چوتھائی ہے اور ماں اور باپ کا چھٹا چھٹا حصہ اور باقی بچے کا ہے اور جب بچہ بھی فوت ہوگیا ہے تو بچہ کا کل حصہ بھی باپ کا ہے جو اس عورت متوفیہ کا خاوند ہے۔ حسب القواعد یہ مسئلہ ۱۲ سے ہے جو صحیح ہے حسبِ ذیل:

عورت مسئلہ از ۱۲

میت

خاوند	بچہ	ماں	باپ	بہن	بھائی
۳/۱۲	۵/۱۲	۲/۱۲	۲/۱۲	×	×

پھر جب بچہ بھی فوت ہوگیا تو اس کا کل حصہ بھی اس کے باپ کا حق ہے، تو مسئلہ حسبِ ذیل:

عورت پھر اس کا بچہ مسئلہ از ۱۲

میت

خاوند جو بچے کا باپ ہے	ماں	باپ	عورت کے بہن بھائی	
۸/۱۲	۲/۱۲	۲/۱۲	×	×



کما فی القرآن الحکیم و السراجیة۔
واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ
و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۵ ذی القعدۃ الحرام ۱۳۹۷ھ ۲۹/۱۰/۷۷

الاستفتاء



کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ پیر نظام الدین صاحب جب فوت ہوئے تو انہوں نے پندرہ ایکڑ زمین وراثت میں چھوڑی اور متوفی کے دو لڑکے (ہدایت محمد، محمد علی) اور ایک دختر مسماۃ امیر نشاں تھی، اپنے باپ کی وراثت سے مسماۃ مذکورہ کو کتنا حصہ ملا اور پھر پیر ہدایت محمد صاحب جب فوت ہوئے تو مسماۃ مذکورہ اپنے بھائی متوفی کی وراثت سے کتنے حصہ کی حقدار ہو گی اور بعد میں مسماۃ مذکورہ کا بھائی محمد علی فوت ہوا تو اس متوفی کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی اور ایک پوتا تھا۔ محمد علی متوفی کی جائیداد سے ان کی بہن مسماۃ مذکورہ کا کتنا حصہ ہو گا، مسماۃ امیر نشاں کتنی زمین کی حقدار ہے؟

پٹواری کہتا ہے کہ مسماۃ امیر نشاں کو اپنے بھائی ہدایت محمد، جو کہ لاولد فوت ہوا ہے اس سے تو حصہ ملے گا اور محمد علی چونکہ صاحبِ اولاد ہے اس لئے اسکی وراثت سے کوئی حق نہیں۔
مہربانی فرما کر قرآن وحدیث سے مدلل جواب تحریر فرما دیں اور مدرسہ کی مہر

بھی ثبت کریں۔

السائل: پیر محمد شریف چشتی، موضع شرف پور (اروڑہ پورہ) تحصیل منچن آباد ضلع بہاول نگر



ہاں پٹواری سچا ہے، مسماۃ امیر نشان کو مسمّٰی محمد علی کی وراثت سے حصہ نہیں ملیگا کیونکہ اس کے لڑکا اور لڑکی ہے اور اپنے باپ سے اسے بحکم للذکر مثل حظ الانثیین تین ایکڑ ملیں گے اور مسمّٰی ہدایت محمد کو چھ ایکڑ اور مسمّٰی محمد علی کو بھی چھ ایکڑ ملیں گے اور جب مسمّٰی ہدایت محمد فوت ہوا تو اس کے وارث صرف ایک بھائی اور بہن ہیں تو مسماۃ امیر نشاں کو اس کی وراثت سے بحکم وان کانوا اخوۃ رجالا و نساء فللذکر مثل حظ الانثیین دو ایکڑ ملیں گے اور مسمّٰی محمد علی کو چار ایکڑ ملیں گے اور جب مسمّٰی محمد علی فوت ہوا تو اس کے وارث صرف ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے تو پہلی آیت کی رُو سے لڑکے کو ۶ ایکڑ ۵ کنال ۶ مرلے اور ۶ سرساہی اور لڑکی کو ۳ ایکڑ ۲ کنال ۱۳ مرلے اور ۳ سرساہی ملے گا۔

یہ مناسخہ کا ہے ھٰکذا:

میت نظام الدین مسئلہ از ۵ و تصحیح از ۱۵

ہدایت محمد	محمد علی	امیر نشاں
۶/۱۵	۶/۱۵	۳/۱۵



ہدایت محمد مسئلہ و تصحیح از ۶

میت

محمد علی بھائی	امیر نشاں بہن
۴/۶	۲/۶

محمد علی مسئلہ از ۳

میت

لڑکا	لڑکی	پوتا
۲	۱	×

یہ تمام مسائل اس صورت میں ہیں جبکہ کوئی اور وارث نہ ہوا ور اگر مسمیٰ نظام الدین کی بیوی اس کی وفات کے وقت موجود تھی یا ہدایت محمد کی بیوی، یا محمد علی کی بیوی یا والدہ تو حکم بدل جائے گا۔

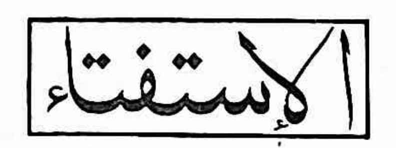
واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحٰبہ اجمعین۔



حرّرہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ

۸۲-۳-۲۵



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی نادر خاں لاولد

فوت ہوا اور شجرۂ نسب اس کا حسبِ ذیل ہے :۔

- نتھو خاں
  - امیر بخش متوفی
    - جمال الدین متوفی قبل از نادر خاں
      - صادق محمد
      - خان محمد
      - عاشق محمد متوفی
      - غلام محمد متوفی برادر
  - کبیر متوفی
    - نادر خاں متوفی زوجہ سبھرائی
      - برادر
      - ہمشیرہ
  - کالے خاں متوفی
    - موسیٰ خاں زندہ بوقت وفات نادر خاں
      - جان محمد
    - لال خاں زندہ بوقت وفات
      - الٰہ بخش
      - شہباز فوت
    - علی محمد زندہ بوقت وفات
      - سید محمد فوت
        - محمد یار
        - انور
      - خوشی محمد
    - ولی محمد متوفی
      - فضل متوفی
        - عاشق

انگریزی قانون کے مطابق کل جائیداد نادر خاں کا اس کی بیوی سبھرائی کے نام انتقال ہوا اب سبھرائی مذکورہ بھی فوت ہوگئی اور اس کا ایک بھائی اور ایک بہن حقیقی زندہ ہیں لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ نادر خاں کی جائیداد کس طرح تقسیم کی جائے اور اس کے جدی رشتے داروں کے کون کون مستحق ہیں اور سبھرائی کے بہن بھائی بھی کچھ حق رکھتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل : خوشی محمد از صالح وال



سماۃ سبھرائی بیوی متوفی کے کل مالِ مورث کی چوتھائی کی مستحق ہے اللہ رب العلمین کا
ارشاد ہے ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد (قرآن کریم پارہ
چہارم) اور سمیان موسے خاں، لال خاں، علی محمد خاں باقی تین حصوں کے برابر حقدار ہیں۔ قرآن کریم
میں ہے للرجال نصیب مما ترك الوالدان والاقربون (پارہ چوتھا)
کیونکہ نادر خاں کے اقربون یعنی زیادہ قریبی رشتہ دار اس کی وفات کے وقت یہی تھے، حدیث
شریف اور مذہبِ اہلِ سنت والجماعت کی فقہِ مبارک کا یہی فیصلہ ہے، حدیثِ صحیح بخاری و
صحیح مسلم مصرح ہے فلاولی رجل ذکر، سراجیہ میں ہے الربع للواحدۃ فصاعدۃ
عند عدم الولد و ولد الابن ص ۷، ۸ نیز ص ۱۴ میں ہے و جزء جدہ
الاقرب فالاقرب اور رجب سبھرائی و موسے خاں وغیرہ فوت ہو چکے ہیں تو ان کے وارث
ہی حقدار ہیں انہیں دلائلِ مذکورہ بالا سے سبھرائی کا چہارم حصہ بہن اور بھائی کا ہے، چہارم کا تیسرا
بہن اور دو حصے بھائی کے ہیں اور موسے خاں، علی محمد خاں، لال خاں کے وارث ان کی اولاد
نرینہ و مادہ حسب دستور یعنی لڑکے کے دو حصے اور لڑکی کا ایک حصہ اور ان کی بیویوں کا
آٹھواں آٹھواں حصہ، غرضیکہ مورث کی وفات کے وقت جو زندہ ہو وہی وارث ہوتا ہے
مردہ وارث نہیں ہوسکتا لہٰذا اجمال الدین خاں، ولی محمد خاں، نادر خاں کے وارث





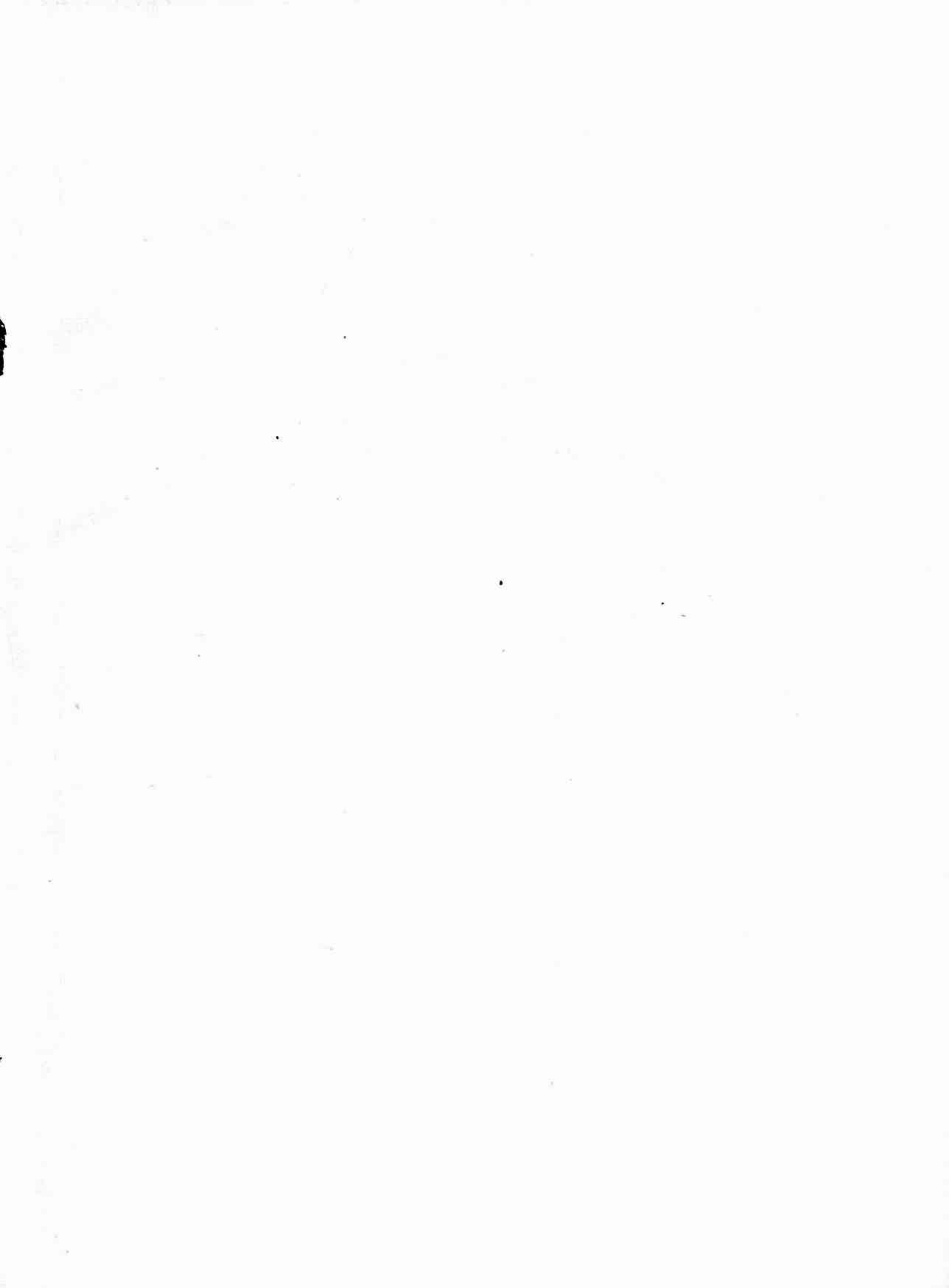
نہیں ہوسکتے اور جب وہ وارث نہ ہوتے تو ان کی اولاد وغیرہ کیسے وارث بن سکے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۶ ربیع الاول شریف ۷۰ھ






متفرقات

باب مسائل الشتیٰ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ دربار حضرت خواجہ عبدالکریم صاحب کے مجاور میاں محمد دین متوفی کے تین بھائی مجاوری سے بے دخل ہیں، اب ان کے فوتگی کے بعد محمد فاضل پسر ش مجاور اور خادم ہے مگر ایک چچا کی لڑکی تنگ کرتی ہے اور حقِ وراثت مانگتی ہے اس کا باپ فوت ہو چکا ہے اور دو چچے محمد فاضل کے زندہ ہیں جنہوں نے تحریر کر دیا ہے کہ ہمارا کوئی حق نہیں اور نہ ہی ہمارے بھائی احمد دین لڑکی مدعیہ کے باپ کا کوئی حق تھا، جائداد زمین وغیرہ کوئی شئے نہیں صرف چراغی اور کچھ غلّہ لوگ بطورِ خود دے دیتے ہیں اور دیتے بھی محمد فاضل کو

ؔ علم والے اس حدیث پر عمل کرتے ہیں ۱۲ منہ غفرلہٗ



ہیں تو کیا اندریں صورت احمد دین متوفی چچا محمد فاضل کی لڑکی کا دعوٰی حقِ وراثت صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل، محمد فاضل از دربار خواجہ عبدالکریم صاحب، چک ۴۲ ۳ تحصیل پاکپتن ضلع منٹگمری





اگر سوال صحیح اور واقعی ہے تو چچا کی لڑکی کا دعوٰی غلط ہے اور اس کا کوئی حق نہیں کہ حقِ وراثت ترکہ میں ثابت ہوتا ہے اور ترکہ اس مال کو کہتے ہیں جو مرنے والا چھوڑ مرے اور کسی دوسرے کا حق اس پر نہ ہو، تعریفات ص ۴۹ میں ہے ھو المال الصافی عن ان یتعلق حق الغیر بعینہ تو ثابت ہوا کہ یہ حق چراغی وغیرہ چونکہ مال نہیں تو ترکہ بھی نہیں لہٰذا لڑکی کا کوئی حق نہیں اور بالخصوص جب اس کے والد احمد دین کا بھی اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا تو لڑکی کا کیسے حق ہو سکتا ہے، پھر جب لوگ اپنا مال تیل، غلہ، نقدی دیتے ہی محمد فاضل کو ہیں تو لڑکی کیوں مانگتی ہے، بہرحال لڑکی کا کوئی حق نہیں۔

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ واٰلہ واصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۱ ذی القعدۃ المبارکہ ۷۷ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سیّد سردار علی شاہ صاحب ولد سیّد امام شاہ صاحب نے اپنے تین بیٹوں مسمّیان سیّد حیدر شاہ، سیّد زمان شاہ، سیّد امیر علی شاہ کی اپنی جائداد منقولہ و غیر منقولہ ہر ایک کو روبرو گواہاں کے بحصّہ برابر تقسیم کر دیا اور مالک قابض بنا دیا اور آپ اپنے بڑے بیٹے سیّد حیدر شاہ کیساتھ گزر کرتے رہے اور بڑا بیٹا سیّد حیدر شاہ کچھ عرصہ کے بعد قضاءِ الٰہی سے فوت ہو گیا پھر بھی سیّد سردار شاہ صاحب حیدر شاہ کی اولاد یعنی ان کے اپنے پوتے جن کے ساتھ گذرِ اوقات کرتے رہے جس طرح آپ نے اپنے بیٹے کو مالک بنا دیا تھا اسی طرح پوتوں کو بھی جائداد کا مالک بنایا گیا اور پوتوں کے ساتھ گذرِ اوقات کرتے رہے حتیٰ کہ سیّد سردار شاہ صاحب کی اہلیہ محترمہ کا انتقال بھی پوتوں کے ہاتھوں میں ہی ہوا اور سیّد سردار شاہ صاحب کا انتقال بھی ان ہی پوتوں کے ہاتھ میں ہوا اور پوتوں نے ان کا کفن دفن اچھے رسم و رواج سے کیا جنکے نام مندرجہ ذیل ہیں:

احمد علی شاہ   فرزند علی شاہ   نادر علی شاہ وغیرہ

غرضیکہ ان تینوں کو روبرو گواہاں جس طرح اپنے لڑکے حیدر شاہ کو مالک بنایا تھا اسی طرح اسکی اولاد کو بھی اسی جائداد کا مالک قابض بنایا اور تصور کیا، گواہاں کے نام حسبِ ذیل ہیں:۔

۱۔ میاں سردار علی ولد میاں محمد دین محب علیکا

۲۔ میاں سرفراز ولد میاں احمد بخش میانہ

۳۔ سیّد حامد حسین ولد سیّد شہباز حسین

۴۔ سیّد ذاکر حسین ولد سیّد خادم حسین نمبردار



۵۔ سیّد محمد عباس شاہ ولد سیّد محمد حسین شاہ، سجادہ نشین شیر گڑھ
۶۔ سیّد فیض علی شاہ ولد سیّد مدد علی شاہ
۷۔ قاضی غلام علی ولد قاضی قائم الدین انصاری
۸۔ حافظ محمد دین ولد مولوی غلام حسین صاحب بھٹی وغیرہ

اِن کے علاوہ تمام ضلع منٹگمری کے زمینداروں اور رعایا لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ سیّد سردار شاہ صاحب اپنے پوتوں کو مالک بنا گئے ہیں۔

العبد

سیّد احمد علی شاہ ولد سیّد حیدر شاہ، قصبہ شیر گڑھ ۵۹/۱۱/۴

گواہ شد	گواہ شد	گواہ شد
سیّد ذاکر علی شاہ نمبردار	حامد حسین بقلم خود	غلام علی ولد قائم الدین بقلم خود
گواہ شد	گواہ شد	
حافظ محمد دین بقلم خود	سیّد فیض علی شاہ بقلم خود	



نوٹ: سائل نے زبانی بیان کیا کہ سیّد سردار شاہ صاحب نے اپنی صحت اور درستی ہوش و حواس میں پوتوں کو مالک و قابض بنایا اور کئی سال اپنے پوتوں کے پاس رہ کر فوت ہوئے تو کیا ایسی صورت میں سردار شاہ صاحب کے لڑکے پوتوں کو بے دخل کر سکتے ہیں؟



شرعاً یہ ہبہ ہے جو قبضہ سے مکمل ہو گیا۔ فتاوٰی عالمگیر ج ۳ ص ۴۸۴ میں ہے قولہ



هٰذہ الدار لک او ھٰذہ الارض لک ھبۃ یعنی انسان کا کہنا کہ یہ حویلی تیرے لئے ہے یا یہ زمین تیرے لئے ہے، ہبہ ہے، لہٰذا بے دخل نہیں کر سکتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحٰبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

مؤرخہ ۴ جمادی الاولیٰ ۷۹ھ بروز جمعۃ المبارکہ

۵۹-۱۱-۶



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں؟ سید احمد شاہ مرحوم نے ترکہ میں بیس ایکڑ اراضی جس میں ٹیوب ویل لگا ہوا تھا، چھوڑی تھی، اس کی ایک بیوہ، تین لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں جن میں مذکورہ اراضی بمطابق قانونِ شریعت تقسیم کی گئی ہے جس پر وہ قابض ہیں مگر لڑکے کہتے ہیں کہ ٹیوب ویل میں بیوہ اور لڑکیاں حقدار نہیں ہیں حالانکہ ٹیوب ویل بھی سید احمد شاہ مذکور نے خود لگوایا تھا، اس کے متعلق حدیث قرآن کی روشنی میں مطلع فرمائیں کہ بیوہ اور لڑکیاں ٹیوب ویل میں حقدار ہیں یا کہ نہیں؟ آپ کی



عین نوازش ہوگی۔ فقط

منجانب: مسمات بیوہ سیّد احمد شاہ مرحوم اور لڑکیاں
کٹی پیر احمد شاہ داخلی ماہلہ بکن تحصیل دیپالپور ضلع ساہیوال

۲۱-۱۱-۷۹





از روئے قرآنِ کریم اور حدیثِ پاک، ترکہ کی ہر ایک چیز میں تمام وارثوں کا حق ہے جبکہ قرض اور وصیت نہ ہو، اگر قرض و وصیّت ہو تو ادائیگیٔ قرض و وصیّت حسبِ دستورِ شرعِ اطہر کے بعد بھی باقی ترکہ میں سب وارث حقدار ہیں۔ قرآنِ کریم میں ہے یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین اور یونہی حدیثِ پاک صحیح بخاری وغیرہ کتبِ فقہ میں مصرّح و مشرّع ہے۔

واللہ اعلم بالصواب وصلی اللہ علی سیدنا محمّد و الہٖ و اصحابہٖ و بارک و سلم۔

حرّرہ الفقیر ابوالخیر محمّد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۳۰ ذوالحجۃ المبارکہ ۱۳۹۹ھ

۲۱-۱۱-۷۹



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین بیچ اس مسئلہ کے مسمات امیر بی بی کی شادی مسمےٰ فضل محمد سے عرصہ تقریباً ۳۵ سال قبل ہوئی تھی۔ شادی کے بعد مسمےٰ فضل محمد خاوند نے اپنی بیوی کو اپنی زمین ملکیہ کا ۱/۴ حصہ بطور تملیک زبانی واسطے گزارہ تاحیات منتقل کرایا۔ اب مسمّٰی امیر بی بی عرصہ دس بارہ سال سے عدم پتہ ہے، اس کی فوتیدگی کی تصدیق نہیں ہو سکتی اور فضل محمد مذکور بھی ۱۹۶۵ء میں فوت ہو گیا تھا۔ فضل محمد کے تین بھائی زندہ ہیں اور مسماۃ امیر بی بی کا ایک بھائی اور بہن زندہ ہے لہٰذا مذکور جائیداد (تملیک زبانی واسطے گزارہ) کے بروئے شرع محمدی کون کون حقدار ہیں۔

السائل

سید محمد عبد الغفار شاہ غفرلہٗ

سکنہ ساہوکا تحصیل بوریوالہ

ضلع وہاڑی





اگر یہ سوال صحیح ہے تو امیر بی بی کی وفات کے بعد ہی اس کا فیصلہ ہو سکتا ہے



اور اگر شہادت سے وفات ثابت نہ ہوسکے تو اس کی پیدائش سے پورے نوّے سال گزر جانے پر موت کا حکم ہوگا تو اس کی ملکیت اراضی وغیرہ کے وارث اس کے بہن بھائی ہی ہیں اور جو بطور گزارہ تھی تو اس کے وارث فضل محمد کے وارث نہیں ہیں کما فی کتب المذہب من السراجیۃ وغیرہا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۵ شعبان المعظم ۱۴۰۰ھ ۲۹-۶-۸۰




فهارس

فہرست آیات مبارکہ





الآية	السورة/الآية	الصفحات
۱۰- فـان لم تفعلـوا فـاذنوا بحـرب مـن ا لله و رسوله	2 / 279	189
۱۱- لا تظلمون ولا تظلمون	2 / 279	199
۱۲- و الصلح خير	4 / 128	210
۱۳- يوصيكم ا لله فـى اولادكـم للذكـر مثـل حظ الانثيين	4 / 11	235، 292، 300، 358، 432، 461، 502، 545، 594
۱٤- للرجـال نصيـب ممـا تـرك الوالـدان و الاقربون و للنساء نصيب ممـا تـرك الوالـدان و الاقربون مما قل منه او كثر نصيبا مفروضا	4 / 7	235، 257، 284، 288، 303، 310، 320، 329، 353، 356، 359، 362، 364، 368، 374، 381، 383، 390، 443، 447، 509
۱٥- من بعد وصية يوصى بها او دين	4 / 11	254، 278، 316





١٦- ولابويه لكل واحدمنهما السدس	11/4	509 ‘278
١٧- فلهن الثمن مما تركتم	12/4	‘292 ‘280 ‘278 ‘368 ‘330 ‘316 ‘461 ‘430 ‘405 502
١٨- وان كانت واحدة فلها النصف	11/4	‘293 ‘283 ‘278 ‘300 ‘296 ‘316 ‘311 ‘305 443 ‘430 ‘405
١٩- و لهن الربع مما تركتم ان لم يكن لكم ولد	12/4	‘290 ‘289 ‘288 ‘356 ‘335 ‘320 ‘450 ‘413 584 ‘490
٢٠- فلامه الثلث	11/4	‘314 ‘313 ‘288 413 ‘383 ‘319
٢١- ولكم نصف ما ترك ازواجكم ان لم يكن لهن ولد	12/4	‘314 ‘313 ‘306 319



فهرست احادیث مبارکه







جلدچهارم
نوازل فتاوى


جلد چهارم
خزانة
فتاوى

مآخذ و مراجع



01 القرآن الکریم

احادیث

02 صحیح بخاری — ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، م 256ھ
اصح المطابع، دہلی، 1357ھ

03 صحیح مسلم — مسلم بن حجاج قشیری، م 261ھ
اصح المطابع، دہلی، 1349ھ

04 سنن ابو داؤد — ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، م 275ھ
مجیدی، کانپور، 1341ھ

05 سنن ترمذی — ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، م 279ھ
علیمی، دہلی، 1350ھ

06 سنن ابن ماجہ — ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، م 273ھ
اصح المطابع، دہلی، 1372ھ

07 موطا امام مالک — امام مالک بن انس اصبحی، م 179ھ
دار الاشاعت، کراچی، 1372ھ



08	سنن دارمی	ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن سمرقندی دارمی، م 255ھ نظامی، کانپور، 1293ھ
09	سنن دار قطنی	ابو الحسن علی بن عمر دار قطنی، م 385ھ فاروقی، دہلی، 1310ھ
10	مستدرک علی الصحیحین	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم، م 405ھ دائرۃ المعارف، حیدر آباد، 1334ھ
11	السنن الکبریٰ (سنن بیہقی)	ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، م 458ھ دائرۃ المعارف، حیدر آباد، 1344ھ
12	مشکوۃ المصابیح	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ خطیب بغدادی، م 740ھ اصح المطابع، دہلی
13	عمدۃ القاری (عینی)	ابو محمد محمود بن احمد حنفی عینی، م 855ھ دار الطباعہ، عامرہ، مصر، 1308ھ / منیریہ، بیروت، 1348ھ
14	فتح الباری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی، م 852ھ بہیہ، مصر، 1348ھ
15	ارشاد الساری	علامہ احمد بن محمد قسطلانی، م 923ھ بولاق، مصر، 1285ھ
16	اشعۃ اللمعات	شیخ عبد الحق بن سیف الدین محدث دہلوی، م 1052ھ



منشی نولکشور، دہلی، 1354ھ

17 کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال	علاؤ الدین علی متقی ہندی، م 975ھ دائرۃ المعارف، حیدر آباد، 1312ھ تا 1314ھ

تفاسیر



18 معالم التنزیل	ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی، م 516ھ تجاریہ کبریٰ، مصر، 1357ھ
19 مفاتیح الغیب، تفسیر کبیر	امام فخر الدین بن محمد بن عمر رازی، م 606ھ بھیہ، مصر، 1357ھ
20 انوار التنزیل و اسرار التاویل، (بیضاوی)	ابو سعید عبد اللہ بن عمر قاضی بیضاوی شافعی، 685ھ، 692ھ نولکشور، لکھنؤ، 1282ھ
21 مدارک التنزیل و حقائق التاویل	ابو البرکات عبد اللہ بن احمد محمود نسفی، م 710ھ عیسی بابی حلبی، مصر، 1357ھ
22 لباب التاویل فی معانی التنزیل (خازن)	علی بن محمد بغدادی صوفی خازن، م 741ھ تجاریہ کبریٰ، مصر، 1357ھ

23 ارشاد العقل الی مزایا الکتاب الکریم (ابو سعود)
علامہ ابو سعود بن محمد عمادی، م 982ھ
ج 1 تا 3، طبع اول، حسینیہ، مصر
ج 4 تا 8، طبع ثانی، عامرہ شرقیہ، مصر

24 جلالین
جلال الدین محمد بن احمد محلی شافعی، م 864ھ /
جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابو بکر سیوطی شافعی، م 911ھ
مجیدی، دہلی

25 تفسیرات احمدیہ
ابو سعید شیخ احمد ملا جیون، م 1130ھ
علیمی، دہلی، 1349ھ

26 روح البیان فی تفسیر القرآن
شیخ اسماعیل حقی، م 1137ھ
عثمانیہ، 1330ھ

27 الفتوحات الالھیہ (تفسیر جمل)
سلیمان بن عمرو عجیلی شافعی، م 1204ھ
عیسی بابی حلبی، مصر

28 تفسیر مظہری
قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، م 1225ھ
ندوۃ المصنفین، دہلی

29 تفسیر صاوی
شیخ احمد بن محمد صاوی مالکی، م 1241ھ
مطبع ازہریہ، مصر، 1348ھ



فقہ

30 مبسوط سرخسی — محمد بن احمد بن ابو سہل سرخسی، م 483ھ
السعادۃ، مصر 1331ھ

31 مختصر القدوری — ابو الحسین احمد بن محمد قدوری بغدادی، م 428ھ
اصح المطابع

32 ہدایہ — برہان الدین علی بن ابو بکر مرغینانی، م 593ھ
مجتبائی، دہلی، 1350ھ / میمنہ، مصر، 1307ھ

33 کفایہ — مولانا جلال الدین خوارزمی، م 711ھ
میمنہ، مصر 1307ھ

34 عینی علی الھدایہ (بنایہ) — علامہ بدر الدین محمود عینی، م 855ھ
نولکشور، دہلی، 1293ھ

35 فتح القدیر — کمال الدین ابن ہمام محمد بن عبد الحمید محقق علی الاطلاق، م 861ھ / میمنہ، مصر، 1307ھ

36 عنایہ — محمد بن محمود بابرتی، م 786ھ / میمنہ، مصر، 1307ھ

37 قاضی خاں (خانیہ) — حسن بن منصور بن محمد اوزجندی، م 592ھ
نولکشور، لکھنؤ، 1344ھ

38 جوھرہ نیرہ — ابو بکر بن علی حدادی عبادی حنفی یمنی، م 800ھ
محمود بک، آستانہ، 1301ھ

39 غرر الاحکام — منلا خسرو محمد بن فراموز، م 885ھ
در سعادت، مصر، 1329ھ



40 درر الحکام
منلا خسرو محمد بن فراموز، م 885ھ
در سعادت، مصر، 1329ھ

41 ملتقی الابحر
شیخ ابراہیم بن محمد حلبی، م 956ھ
عامرہ، مصر، 1319ھ

42 مجمع الانہر
محمد بن سلیمان شیخ زادہ، م 1078ھ
عامرہ، مصر، 1319ھ

43 در المنتقی
علاؤ الدین محمد بن علی حصکفی، م 1088ھ
عامرہ، مصر، 1319ھ

44 تبیین الحقائق
فخر الدین ابو محمد عثمان بن علی زیلعی، م 743ھ
امیریہ، مصر، 1313ھ

45 جامع الفصولین
محمود بن اسرائیل ابن قاضی ساونہ، م 823ھ
کبریٰ امیریہ، مصر، 1300ھ

46 بزازیہ
محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز کردری، م 828ھ
کبریٰ امیریہ، مصر، 1310ھ

47 سراجیہ
سراج الدین علی بن عثمان الفرغانی اوشی، تکمیل کتاب، 569ھ
نولکشور، لکھنؤ، 1344ھ

48 بدائع صنائع
ملک العلماء علاؤ الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی، م 587ھ
جمالیہ، مصر، 1328ھ

49 خلاصہ الفتاویٰ (مجموعہ الفتاویٰ)
طاہر بن احمد بن عبد الرشید بخاری، م 542ھ



ایکسپورٹ لیتھو پرنٹنگ پریس، لاہور

50 کنز الدقائق طبع مع العینی
ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی، م 710ھ
اسلامیہ، لاہور، 1345ھ

51 بحر الرائق
زین الدین بن ابراہیم بن نجیم، م 970ھ
دار الکتب العربیہ، مصر، 1333ھ

52 تکملہ بحر الرائق
محمد بن حسین بن علی طوری، م 1137ھ
دار الکتب العربیہ، مصر، 1334ھ

53 فتاویٰ خیریہ
شیخ خیر الدین بن احمد رملی، م 1081ھ
در سعادت، 1312ھ

54 فتاویٰ برہنہ
نصیر الدین مینائی
نولکشور، لکھنؤ، 1914ء

55 میزان شعرانی
سیدی عبد الوہاب بن احمد شعرانی، م 973ھ
مصطفیٰ البابی حلبی، مصر، 1354ھ

56 رحمہ الامہ
شیخ محمد بن عبد الرحمٰن (دمشقی شافعی)، تکمیل کتاب، 780ھ
مصطفیٰ البابی حلبی، مصر، 1354ھ

57 عالمگیری
ملا نظام الدین برہان پوری وغیرہ
مجیدی، کانپور، 1350ھ

58 تنویر الابصار
محمد بن عبد اللہ تمرتاشی غزی، م 1004ھ
عثمانیہ، در سعادت، مصر، 1324ھ



59 تنویر الابصار	محمد بن عبد اللہ تمر تاش غزی، م 1004ھ احمدی، دہلی، 1280ھ
60 در المختار	علاؤ الدین حصکفی، م 1088ھ عثمانیہ، در سعادت، مصر، 1324ھ احمدی، دہلی، 1280ھ
61 رد المحتار (شامی)	سید محمد امین ابن عابدین (شامی)، م 1252ھ عثمانیہ، دار سعادت، مصر، 1324ھ
62 طحطاوی علی الدر	سید احمد بن محمد طحطاوی، م 1231ھ یا 1237ھ عامرہ، مصر، 1252ھ
63 شرح وقایہ طبع مع چلپی	عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ، م 747ھ نولکشور، لکھنؤ، 1326ھ
64 العقود الدریہ (فتاویٰ حامدیہ)	علامہ شامی، م 1252ھ میمنہ، مصر، 1310ھ
65 فتاویٰ نوریہ	حضرت فقیہ اعظم مولانا ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی، م 1403ھ



فرائض

66 سراجی (فتاویٰ سراجیہ)	سراج الدین محمد بن عبد الرشید سجاوندی حنفی، م 590ھ سعید، کراچی، 1375ھ



67	شریفیہ	سید میر شریف جرجانی، م 816ھ گلشن احمدی، 1872ء / مجتبائی، دہلی، 1341ھ

متفرقات

68	التعریفات	سید میر شریف علی بن محمد جرجانی، م 816ھ شرکہ مکتبہ، مصر، 1357ھ
69	الاشباہ و النظائر	زین الدین ابراہیم ابن نجیم، م 970ھ نولکشور، لکھنؤ، 1915ء
70	ثلاثین شامی	علامہ شامی، م 1252ھ در سعادت، مصر، 1325ھ
71	نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف	علامہ شامی، م 1252ھ در سعادت، مصر، 1325ھ